اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ

پیغمبر مسلمانوں پر خود اُن کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں (اور وہ مسلمانوں کے باپ کی جگہ ہیں) اور پیغمبر کی بیبیاں (ادب و تعظیم میں) اُن کی مائیں ہیں

# اُمّہات الاُمّہ

مُصنّفہ

شمس العلما خان بہادر حافظ نذیر احمد صاحب مرحوم

ایل ایل۔ ڈی، ڈی، او، ایل

باہتمام

شاہد احمد بی۔ اے (آنرز) دہلوی

مطبوعہ ادریس المطابع دہلی

سنہ ۱۹۳۵ء

طبع ثانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# گذارش

شمس العلماء مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم و مغفور کے متعلق میرا کچھ لکھنا ع سورج کو چراغ ہے دکھانا۔ اُن کی آخری تصنیف "اُمّہات الاُمّہ" پر اظہارِ خیال کرنا ـــــ چھوٹا مُنہ بڑی بات۔ یوں بھی مرحوم کے بارے میں میرا کچھ کہنا بعض حضرات کے نزدیک دقیع نہ ہوگا کہ وہ میرے دادا تھے۔ اس لئے بمصداق ؎

خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں ٭ گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں صرف اُن حضرات کی آراء کو جمع کر دوں جو مصنّف سے ذاتی طور پر واقف تھے اور جنہوں نے "اُمّہات الاُمّہ" کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا تھا۔ یہ کتاب کچھ کم رُبع صدی سے معدوم تھی کیونکہ چھپنے کے چند ماہ بعد چند تنگ خیال مسلمانوں کی مہربانی سے نذرِ آتش ہوگئی تھی۔ بڑے بوڑھوں سے سُنتا ہوں کہ مرحوم کو اس کتاب کے دھوکہ سے جلائے جانے کا اسقدر صدمہ ہوا کہ اُنہوں نے پھر کبھی کچھ نہ لکھا، اور کچھ عرصے بعد اُنکی بابرکت ہستی دُنیا سے اُٹھ گئی۔

ذیل میں مصنّف کی زبانی سببِ تصنیفِ کتاب ملاحظہ کیجئے کیونکہ "تصنیف را مصنّف نیکو کند بیاں" اور پھر اس کتاب کی اہمیت سمجھنے کے لئے چند علمائے کرام کی آراء دیکھئے۔

## اُمّہات الاُمّہ کیوں لکھی گئی

"کئی برس ہوئے کہ ڈگانوے کے ایک پادری صاحب مذہبی مناظرے کے پیرائے میں حدِّ اعتدال سے بڑھی ہوئی آزادی عمل میں لائے کہ اپنے رسالے میں پیغمبرِ آخرالزماں صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت اُن کی بی بیوں کے بارے میں بڑی زبان درازی کی جس سے جمہور مسلمین کی دل آزاری ہوئی۔ مسلمان جگہ جگہ استغاثہ، فوجداری کی تیاریاں کرنے لگے، اور جگہوں کا حال تو معلوم نہیں دلّی سے کچھ لوگ فریاد لے کر شملے گئے، بارے پادری صاحب کی کتاب کی اشاعت حکماً بند کر دی گئی۔ اسی اثناء میں سر سید احمد خاں مرحوم مغفور بھی پادری صاحب کی کتاب کا جواب لکھ رہے تھے۔ وہ پورا نہیں ہونے پایا تھا کہ سید صاحب انتقال فرما گئے۔ ہم نے نہ تو پادری صاحب کی کتاب دیکھی نہ سید صاحب کا ادھورا جواب، مگر اتنی بات پہلے سے معلوم ہو کہ پادری صاحب نے سخت زبانی کے سوائے اعتراض میں کوئی نئی بات اپنی طبیعت سے تو ایجاد کی نہ ہوگی۔ اعتراض تو نہیں مگر جواب خود قرآن میں موجود ہے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً۔ جواب کا ہونا دلالت کرتا ہو کہ نزولِ قرآن کے وقت بھی پیغمبر صاحب کی زندگی میں بعض لوگ زن و فرزند کے تعلقات کو خلافِ شانِ پیغمبر سمجھتے اور ان ہی تعلقات کی وجہ سے جنابِ رسالت مآب کی رسالت کے منکر تھے، غرض پُرانا اعتراض ہے اور علمائے اسلام نے اس کے دندان شکن جواب بھی دئے ہیں مگر مسلمان ہو کر پیغمبر کے تقدّس کی اپنے مقدور بھر اور اپنے طور پر داجبی حمایت کئے بدون ہم سے نہیں رہا جاتا اور بات بھی ہو کہ اعتراض کسی مسلمان کے کان میں پڑے اور اُس کو جواب آتا ہو اور جنابِ رسالت آب صلی اللہ علیہ وسلم کے تقدّس کی نسبت خیالِ فاسد وہم سو راہ دل میں بیٹھ جائے تو ایمان کے جاتے رہنے کا خوف ہو۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا۔ (ماخوذ از اُمّہات الاُمّہ)

## "اُمہات الاُمّہ" کے متعلق چند آراء

"بڑے اور نامور لوگوں پر اکثر اپنے ہمعصروں کے ہاتھوں بڑے بڑے ظلم ہوئے ہیں۔ مولانا بھی آخر عمر میں اس سے نہ بچے۔ اُمہات الاُمّہ کا شائع ہونا تھا کہ دلی میں ایک ہنگامہ بپا ہو گیا۔ مولوی تو پہلے ہی سے اُن سے جلے بیٹھے تھے۔ اُن کی بن آئی۔ خوب جلے پھپولے پھوڑے۔ مخالفت میں رسالے چھپوائے۔ طرح طرح کے بہتان باندھے۔ کفر کے فتوے لکھے اور بدنام کرنے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی۔ طرح طرح سے عوام کو بھڑکایا۔ یہاں تک کہ بعض نوجوان کے لاگو ہو گئے اور مرنے مارنے پر مستعد ہو بیٹھے۔ یہ غدر دلی سے اُٹھا اور دوسرے مقامات تک پہونچا۔

لیکن سب سے حیرت انگیز اور عبرت ناک واقعہ یہ ہے کہ اس کتاب کے چھپنے کے بعد ندوۃ العلماء کا جو اجلاس دلی میں ہوا اُس میں علمائے کرام تو موجود ہی تھے، اُنہوں نے باہم مسکوٹ کر کے اُمہات الاُمّہ کی تمام جلدیں جو ابتدائی طوفان کے بعد شہر کے بعض معززین نے مولانا کی منت سماجت کر کے ایک صاحب کے پاس رکھوا دی تھیں اور بکری موقوف کرا دی تھی، منگوائیں اور اپنے سامنے اُن کتابوں کا ڈھیر لگوایا۔ اور اُن میں سے ایک مولوی نے زیادہ ثواب کمانے کیلئے آگے بڑھکر مٹی کا تیل چھڑکا اور بسم اللہ کر کے آگ لگا دی۔ اُسکے شعلوں کی روشنی مولویوں کے مقدس چہروں پر پڑ رہی تھی اور اُن کی آنکھوں کی چمک اور چہروں کی بشاشت سے اُس خوفناک دلی مسرت اور باطنی اطمینان کا اظہار ہو رہا تھا، جو ایک خونخوار درندے یا ایک سنگدل انسان کی صورت سے انتقام لینے وقت ظاہر ہوتا ہے۔ اگر حکومت کا ڈر نہ ہوتا تو مولانا ئے مرحوم بھی اُسی آگ میں جھونک دیئے جاتے۔ یہ منظر قابلِ دید تھا۔ مولویوں کا یہ حلقہ زمانہ وسطیٰ کے اُن پادریوں کی یاد دلاتا تھا جنہوں نے کتابیں تو کتابیں ہزاروں بے گناہ زندہ دہکتی آگ میں جھونک دیئے، کڑکڑاتے تیل کے کڑھاؤ میں ڈال دیئے، گلوں میں پتھر باندھ کر بہتے دریاؤں میں ڈبو دیئے، کتوں سے پھڑوا دیئے اور طرح طرح کے عذاب دے دیکر اور عجیب غریب شکنجوں میں کس کس کر سسکا سسکا کر مار ڈالے۔ اور اُنکے سامنے راکھ کا ڈھیر ایک تودۂ عبرت تھا جو بیسویں صدی عیسوی کے روشن زمانے کی ایک عجیب یادگار تھا۔ یہ راکھ اس قابل تھی کہ اُسکی ایک ایک چٹکی بطور یادگار کے شیشیوں میں بند کر کے رکھ لی جاتی تاکہ آیندہ نسلیں اُسے سامنے رکھکر اُن علمائے کرام اور مصلحانِ ملک و ملت کی ارواحِ پاک پر فاتحہ دلاتیں اور اُن کے حق میں دُعائے خیر کرتیں۔ اس رات گویا مولویوں نے شب برات منائی اور اُس آگ سے نفوسِ مطمئنہ کو ٹھنڈا کیا اور اپنے اعمالناموں میں ایک ایسی بڑی نیکی کا اضافہ کیا جو غالباً اُن کی نجاتِ اخروی کا باعث ہوگی۔ یہ اُن بزرگوں کا کام ہے جنہوں نے چشمِ بد دُور مسلمانوں کی دینی و دنیوی اصلاح و فلاح کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ طالب علمی کے زمانے میں جب میں انگریزی تاریخوں اور دوسری کتابوں میں یورپین مورخوں کا یہ الزام پڑھتا تھا کہ مسلمانوں نے حضرت عمرؓ کے حکم سے اسکندریہ کے بے نظیر کتب خانے کو جلا کر خاک کر دیا تو بے حد رنج اور صدمہ ہوتا تھا لیکن جب شمس العلماء مولانا شبلی نے ایک محققانہ رسالہ لکھ کر محکم دلائل اور پُر زور شہادتوں سے اُس کی تردید کی تو اُس بے نظیر رسالے کو پڑھکر پوری تسکین ہو گئی اور یہ یقین ہو گیا کہ یہ محض فسانہ اور یورپین مورخوں کا مسلمانوں پر افترا اور بہتان ہے مگر جب مجھے اس واقعہ کی خبر لگی اور خصوصاً جب میں نے یہ سُنا کہ علامۂ موصوف بھی (بالواسطہ یا بلا واسطہ) اس کارِ خیر میں شریک تھے تو میرا خیال بدل گیا۔ اور اب تک میرا خیال ہے کہ کچھ تعجب نہیں کہ مسلمانوں نے کتب خانہ اسکندریہ جلا دیا ہو۔"

(مولوی عبدالحق۔ بی۔ اے۔ اورنگ آباد دکن)

"حق الامر یہ ہے کہ اُمّہات الامّہ وہ کتاب تھی کہ نہ آج مسلمانوں میں کوئی ایسا نظر آتا ہے نہ آئندہ برسوں نظر آنے کی اُمید ہے کہ غیر مسلموں کے سامنے اس قابلیت سے پیغمبرِ اسلام صلعم کی رسالت کو ثابت کر جائے۔ اور مسلمانوں کیلئے اتنا لٹریچر مہیا کر دے جو اُمّہات الاُمّہ میں ہے۔ اُمّہات الامّہ عمِ مغفور و اُستادِ مرحوم کی آخری تصنیف اور اُردو لٹریچر کا ایک بیش بہا ذخیرہ تھا جو چند خوش اعتقاد طلبا کی عنایت سے پردۂ دُنیا سے ناپید ہوئی اور کتاب کا اصلی مقصد جو یورپ کے سامنے حضورِ اکرم صلعم کی ذاتِ پاک کو تعددِ ازدواج کے متعلق اغراضِ نفسانی سے پاک ثابت کرنا تھا، پورا نہ ہوا۔ ظاہر ہے کہ اُمّہات الاُمّہ پردۂ دُنیا سے ناپید ہو چکی اور مولانائے مغفور بھی رحلت فرما گئے مگر مخالف دُنیا اب دیکھے کہ رسالت مآب کی پاک زندگی کے حالات ایسی حالت میں کہ روئے سخن اُن لوگوں سے ہو جو منطق اور فلسفہ سے باہر قدم تک نہیں رکھتے اس قابلیت سے لکھ دینے والے اب قوم میں کتنے بزرگ ہیں اور علامہ بلگرامی مرحوم کی یہ آرزو کہ "کاش اُمّہات الاُمّہ کا ترجمہ میں کرتا"، کہاں تک حق بجانب تھی۔" (علامہ راشد الخیری دہلوی)

"کون کہتا ہے کہ دہلی کے علما، نے مرحوم کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا؟ سب جھوٹ ہے چند حریص اور خود غرض لوگوں نے شورش برپا کی تھی مگر اہلِ علم اس شورش سے علیحدہ اور بیزار تھے، جو لوگ اس مخالفت کے بانی تھے، میں جب اُنکے ہاں گیا سوائے جوڑ توڑ اور غیبت و بدگوئی کی باتوں کے کبھی ذکرِ خدا رسول اُنکے ہاں نہ سُنا، مگر مولانا نذیر احمد سے مرتے دم تک ملتا ہوا ہمیشہ خدا اور خدا والوں کا چرچا رہتا اور آخر وقت میں تو اُن کی خدا ترسی اور رقیق القلبی کا یہ عالم تھا کہ ایک آیت سُناتے اور بے اختیار روتے۔ ایسے سچے خدا پرست کو کافر کہنے والے میرے عقیدے میں دوزخ کے کُندے ہیں!" (حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی)

"بیان کیا جاتا ہے کہ اُمّہات الاُمّہ کی تصنیف سے مصنّف کا مقصود مسلمانوں کا دل دُکھانا اور اُن کو آزار پہونچانا تھا۔ میں نے تو سوائے چند دہلی کے مسلمانوں کے جو بانی مبانی اس تمام شورش کے تھے اور کسی کو شاکی تک نہ پایا۔ نہ نفسِ کتاب میں سوائے اسکے کہ بعض جگہ شوخیٔ طبع سے کوئی فقرہ رَو میں نکل گیا اور کوئی ایسی بات پائی جس سے اسلام کی توہین یا مسلمانوں کی دل آزاری مقصود ہو۔ نہ مرحوم جیسے شخص سے اس کی توقع ہو سکتی تھی کیونکہ وہ بڑے کٹّے مسلمان تھے۔ نماز کے سختی سے پابند تھے۔ نہایت خشوع و خضوع سے نماز پنجگانہ ادا کرتے تھے۔ خود حافظِ کلامِ الٰہی تھے۔ اکثر اوقات کلام مجید پڑھا کرتے تھے۔ مدّتوں سے اُن کو حالت وجد تھی۔ ہر وقت کلام مجید کی آیتیں، عربی کے اشعار پڑھا کرتے تھے۔ اور زار و قطار روتے تھے۔ خدا کا ڈر تو اُن کے دل میں ایسا تھا کہ شاید کسی کے دل میں ہو، ہمدردیٔ انسانی اُن کی فطرت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ کنبہ پروری، غُربا سے سلوک، پوشیدہ امداد و خیرات، یہ سب باتیں اُن میں لاجواب تھیں۔ تکبر اور غرور اور نخوت اُن کو چھو نہیں گیا تھا۔ وہ ہمیشہ اپنی غریبی اور طالب العلمی کی حالت کو فخریہ بیان کیا کرتے تھے۔ ایسا شخص جس نے ساری عمر مذہبی زندگی بسر کی ہو جس نے کلام مجید کا بے نظیر ترجمہ لکھا ہو، جس نے عمدہ سے عمدہ کتابیں اخلاق کی لکھی ہوں، جو طلبا کو علمِ ادب اور کتبِ احادیث حسبۃً للّٰہ پڑھاتا ہو، جس کے لکچر سر سے پاؤں تک نصائح اور اخلاق کا مجموعہ ہوں، جو بات بات پر قرآن مجید کی آیات سے استناد کرتا ہو۔ جو کفر و الحاد سے کوسوں دُور ہو۔ کیسے ممکن ہے کہ وہ شخص اپنی آخری عمر میں ایک ایسی کتاب لکھ دے جس سے مسلمانوں کے دل کیا دُکھیں گویا خود اُس کی عاقبت خراب ہو۔ اُمّہات الاُمّہ کی بھی وہی مثل ہوئی کہ یاروں نے ایک نقطہ لگا کر دش کیا۔ اپنا دلی غبار اس پہلو سے نکالا۔ بادشاہ کو کیا معلوم کہ کتاب میں کیا لکھا ہے؟ عوام نے نقدہ پوشوں سے سُنا سمجھ گئے۔ دلّی کی سرزمین میں مذہبی مباحث کے نشو و نما کی خوب تاثیر ہے شمس العلما، مولوی نذیر حسین صاحب محدث دہلوی پر کب کفر کا فتویٰ نہیں ہوا جو ان پر نہ ہوتا۔ اگر ان پر کفر کا فتویٰ نہ ہوتا تو میری رائے میں اُن کی نیک نامی، اُن کی عظمت، اُنکی شہرت میں ایک بڑا نقص رہ جاتا۔ کفر کا فتویٰ بھی بادشاہ پر نہیں ہوتا وہ بھی (بقیہ بر صفحہ ۵)

# فہرست مضامین کتاب اُمّہات الامہ

(بسلسلہ صفحہ ۷) ایسوں ہی پر ہوتا ہے جن سے لوگ جلتے ہیں اور جلے پھپھولے پھوڑتے ہیں۔ (مولوی بشیرالدین احمد صاحب مرحوم)

"یہ پادری احمد شاہ صاحب شائق کی کتاب اُمہات المومنین کا جواب تھا۔ اور ایسا دنداں شکن جواب تھا کہ معترضین کے دانت کھٹے کر دیتا مگر افسوس کہ لوگوں کو اس سے مستفید ہونے کا موقع نہ ملا۔ اس کتاب کی آڑ میں کفر و الحاد کے فتوے مولانا نذیر احمد کے برخلاف لکھوائے گئے مگر اُن فتووں سے نہ مولوی صاحب کا فرہنے اور نہ کفر کی کوئی شرط بدلائل ثابت ہوئی۔ اصل بات کو نہ سمجھے مولوی صاحب کی طرز تحریر کو نہ پرکھا کہ وہ ہمیشہ ناول نہ رنگ میں لکھتے تھے اور اس رَو میں حسب موقع جو نسے لفظ مناسب معلوم ہوتے اُن کو نہیں چھوڑتے تھے۔" (سید احمد صاحب دہلوی مولف فرہنگ آصفیہ)

"اُمہات الامّہ" کے رد میں ایک مولوی صاحب نے جن کا نام عبدالغنی تھا اپنا ایک رسالہ "کشف الغمہ" شائع کیا تھا۔ اتفاق سے اُس کی ایک کاپی بھی مجھے مل گئی۔ علامہ احمد حسن محدث دہلوی (صاحب احسن التفاسیر) نے مولوی عبدالغنی کے اعتراضات کے جواب لکھے تھے۔ جواب تک اس وجہ سے نہیں چھپے کہ اُمہات الامّہ ہی پردہ دُنیا سے ناپید کر دی گئی تھی۔ یہ مسودہ بھی حسن اتفاق سے مجھے مل گیا چنانچہ بطور ضمیمہ ان دونوں کو آخیر میں شامل کر دیا ہے۔

شاہد احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً ومصلیاً

ہم تو ع ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مکانے دارد۔ کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ ہر ایک وقت کا ایک تقاضا ہوتا ہے خاص یعنی ہر ایک وقت کے لوگ سب نہیں تو اکثر ایک خاص خیال کے پیچھے پڑے ہوتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادو کا چرچا تھا عیسیٰ ع کے طب کا۔ ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد میں زبانِ عربی کی فصاحت بلاغت کا ہم نے اپنے ابتدائے شباب میں بہت سے چرچے دیکھے ناچ رنگ کے۔ گانے بجانے کے۔ شعر شاعری کے۔ پتنگ بازی' بٹیر بازی۔ شطرنج بازی۔ پھبتی بازیوں کے۔ اکھاڑوں کے۔ میلے تماشوں کے۔ یا اب انگریزی عملداری میں انگریزی تعلیم کی بدولت دیکھ رہے ہیں۔ آزادی کے۔ رفارم (اصلاح) کے۔ اخباروں اور رسالوں کے۔ انجمنوں کے۔ کانگرسوں اور کانفرنسوں کمیٹیوں اور سوسائیٹیوں کے اشتہاروں اور تعلیم گاہوں کے۔ مذہبی مناظرات کے۔ اور بالآخر سودیشی کے[1]۔ بائی کاٹ کے' سوراج کے۔ یہ جتنے چرچے ہیں سب انڈے بچے ہیں آزادی کے۔ اِن سب چرچوں میں سے ہم کو صرف اُس آزادی پر کچھ لکھنا ہے جو مذہبی مناظرات میں برتی جاتی ہے۔ انسان کی بناوٹ پر نظر کرتے ہیں تو وہ ایک تو جسم رکھتا ہے قریب قریب اسی طرح کا جسم اور جانوروں کے پاس بھی ہے جسم کے علاوہ ایک خاص طرح کی روح ہے۔ وہ مغز ہے اور جسم پوست' وہ مخدوم ہے اور جسم خادم۔ وہ کار فرما ہے اور جسم کارکُن۔ وہ سوار ہے اور جسم سواری۔ وہ مثلاً بڑھئی کی جگہ ہے اور جسم کلہاڑی۔ بسولے، آرے کی جگہ پہلے آدمی کے

[1] سودیشی اور سوراج ہندی لفظ ہیں زبانِ سنسکرت سے ماخوذ۔ سودیشی کے معنے یہ ہیں کہ اپنے دیس یعنی ملک کا بنا ہوا ساز و سامانِ زندگی استعمال کیا جائے۔ سوراج کے معنے ہیں اپنی حکومت کہ ہم آپس کے رگڑے جھگڑے انگریزی عدالتوں میں نہ لیجائیں بلکہ خود فیصلہ کر لیا کریں یعنی ہندوستان میں ہمارا ملع ہوا اور ہماری حکومت' بائی کاٹ انگریزی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنے ہیں کہ غیر ملکوں کے بنائے ہوئے ساز و سامانِ زندگی کے استعمال کو روکا جائے' چند روز سے یہ شورش انگریزوں کی مخالفت میں بنگالے سے شروع ہوئی کہ انگریزوں نے صوبہ بنگالہ کو تقسیم کر کے مشرقی بنگالے کا علاقہ صوبہ جداگانہ قرار دیا بنگالی بارسٹروں اور وکیلوں نے تقسیم بنگالہ میں اپنا مالی نقصان دیکھ کر ہندوستان سے لے کر ولایت تک اسکی مخالفت کی مگر کہیں شنوائی نہیں ہوئی اس ناکامی کے انتقام کے طور پر ہنود بنگالہ نے سودیشی اور بائی کاٹ اور سوراج کی شورش برپا کی اور اس شورش میں ہندوستان کے اور صوبے بھی کم بیش شامل ہوتے گئے اور ابھی تک بھی یہ شورش برسرِ ترقی ہے۔ انگریز بزورِ حکومت اور حکومت سے بڑھکر بزور تدبیر ہندی شورش کے دبانے میں ساعی ہیں۔ شورش اگر بالکل فرو نہ ہوگی تو بغاوت کا رنگ آخرکار ضرور پھیکا پڑجائے گا ۱۲

دل سے ارادہ پیدا ہوتا اور پھر وہ ارادہ اعضاء و جوارح کے ذریعے سے عمل میں لایا جاتا۔ یعنی ارادہ عمل کی صورت میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اب آزادی کے اعتبار سے دیکھتے ہیں کہ ارادہ اور عمل کہاں تک آزاد ہو سکتے ہیں۔ سو عمل کو تو کسی طرح آزاد کہہ ہی نہیں سکتے وہ شروع ہی سے محکوم ارادہ ہے اور چونکہ اعضاء و جوارح کے ذریعے سے وقوع پذیر ہوتا ہے اور اعضاء و جوارح بجائے خود جسم ہیں بہت سے اسبابِ خارجی اس کے وقوع کو روک دے سکتے ہیں۔ آدمی پرندوں کی طرح ہوا میں اُڑنا چاہے تو اُڑ نہیں سکتا چوری کرنا چاہے تو لوگ اُس کو چوری نہیں کرنے دیں گے پس عمل کو صرف ایک محدود حلقے میں آزاد کہہ سکتے ہیں۔ رہا ارادہ وہ البتہ بنظرِ ظاہر آزاد معلوم ہوتا ہے کہ آدمی اختیار رکھتا ہے جو چاہے خیال کرے۔ جو چاہے سوچے مگر نہیں عمل کا پیرایہ اختیار کرنے کے علاوہ وہ محکوم ہے صحبت کا۔ تعلیم و تربیت کا۔ آب و ہوا کا۔ تقاضائے عمر کا۔ مذہب کا۔ رسم و رواج کا۔ بڑوں کی تقلید کا۔ غرض مطلق آزادی ارادے اور خیال کو بھی نصیب نہیں۔ لوگ ان قیود اور شرائط کا لحاظ تو کرتے نہیں۔ سنو باندھ کر مطلق آزادی کے پیچھے پڑے ہیں اور اسی سے دُنیا میں بدامنی پھیلتی ہے۔ حاکمِ وقت ارادے اور خیال تک تو دسترس رکھتا نہیں ہاں نقضِ امن کا اندیشہ ہو تو خیال کو عملی صورۃ اختیار کرنے سے روک سکتا ہے اور قانون اور کچہریاں اور عدالتیں اسی مرض کی دوا ہیں۔ کئی برس ہوئے گوڑگانوے کے ایک پادری صاحب مذہبی مناظرے کے پیرائے میں حدِ اعتدال سے بڑھی ہوئی آزادی عمل میں لائے کہ اپنے ایک رسالے میں پیغمبر صاحب آخر الزماں صلعم کی نسبت اُن کی بیبیوں کے بارے میں بڑی زبان درازی کی جس سے جمہورِ مسلمین کی بڑی دل آزاری ہوئی۔ مسلمان جگہ جگہ استغاثہ فوجداری کی تیاریاں کرنے لگے۔ اور جگہوں کا حال تو معلوم نہیں دِلّی سے کچھ لوگ فریادے کر شملے گئے۔ بارے پادری صاحب کی کتاب کی اشاعت حکماً بند کر دی گئی۔ اسی اثنا میں سر سید احمد خاں مرحوم و مغفور بھی پادری صاحب کی کتاب کا جواب لکھ رہے تھے مگر وہ پورا نہیں ہونے پایا تھا کہ سید صاحب انتقال فرما گئے۔ ہم نے تو نہ پادری صاحب کی کتاب دیکھی نہ سید صاحب کا ادھورا جواب۔ مگر اتنی بات پہلے سے معلوم ہے کہ پادری صاحب نے سخت زبانی کے سوائے اعتراض میں کوئی نئی بات اپنی طبیعت سے تو ایجاد کی نہ ہوگی۔ اعتراض تو نہیں مگر جواب تو خود قرآن میں موجود ہے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً + جواب کا ہونا دلالت کرتا ہے کہ نزولِ قرآن کے وقت بھی پیغمبر صاحب کی زندگی میں بعض لوگ زن و فرزند کے تعلقات کو خلافِ شانِ پیغمبری سمجھتے اور ان ہی تعلقات کی وجہ سے جنابِ رسالت مآب کی رسالت کے منکر تھے۔ غرض پُرانا اعتراض ہے اور علمائے اسلام نے اس کے دندان شکن جواب بھی دیئے ہیں مگر مسلمان ہو کر اپنے پیغمبر کے تقدس کی اپنے مقدور بھر اور اپنے طور پر واجبی حمایت کئے بدون ہم سے نہیں رہا جاتا۔ اور یہ بات بھی ہے کہ اعتراض کسی مسلمان کے کان میں پڑے اور اُس کا جواب نہ آتا ہو اور جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم کے تقدس کی نسبت خیالِ فاسد موہم سوء ادب دل میں بیٹھ جائے تو ایمان کے جاتے رہنے کا خوف ہے نعوذ باللہ من شرور انفسنا

پیغمبر صاحبؐ کے کثیر الازدواج ہونے سے تو انکار نہیں ہو سکتا اُسکو سب مانتے ہیں کہ پیغمبر صاحب کے انتقال کے وقت بی بی عائشہ۔ سودہ۔ حفصہ۔ اُمِ سلمہ۔ زینب بنت جحش۔ اُمِ حبیبہ۔ جویریہ۔ صفیہ۔ میمونہ نو بیبیاں اُنکے نکاح میں تھیں تو الد تناسل کی قوۃ کو لوگوں نے کچھ آج سے نہیں قدیم الایام سے بُری طرح استعمال کر کے اس قدر شرمناک چیز بنا دیا ہے کہ جائز طور پر بھی بڑی پردہ داری کے ساتھ اس سے کام لیا جاتا ہے حالانکہ بقائے نوعِ انسانی اسی قوت پر موقوف ہے۔ جتنے آدمی ہو گزرے ہیں

ؔ اور (اے پیغمبر) تم سے پہلے بھی ہم نے (بہتیرے) پیغمبر بھیجے اور ہم نے اُنکو بیبیاں بھی دیں اور اولاد (بھی) دی ۱۲

اسی قوۃ سے پیدا ہوئے اور جو آیندہ ہوں گے وہ بھی اسی قوۃ سے پیدا ہوں گے۔ پردہ تو اس قدر کیا جاتا ہے اور کوئی فرد بشر اس سے خالی بھی نہیں۔ زناشوئی کے جتنے تعلقات ہیں سب اسی غرض سے کئے جاتے ہیں۔ اور پردے کی پوچھو تو وحشی سے وحشی قومیں بھی آگا پیچھا چھپائے رکھتی ہیں کپڑا میسّر نہیں تو پتے ہی سہی۔ یہ پردہ تو اُس وقت سے ہے کہ مذہبی روایت کی رُو سے جب خدا نے آدم اور حوّا کو بہشت سے نکالا تو اُن کی اُس وقت کی حالۃ کا بیان قرآن میں ہے۔ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ [51] بایں ہمہ توالد تناسل کی قوۃ فی حدِ ذاتہا ہرگز بُری نہیں اور جو اسکو بُرا سمجھے وہ حکمۃ بالغۂ الٰہی پر اعتراض کرتا ہے۔ خدا تو ہر چیز پر قادر ہے۔ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ [52] خدا چاہتا تو مرد اور عورۃ کو اس کی قابلیت دیتا کہ مرد کھانسا اور مُنہ سے بیٹے اُگل دیئے۔ عورۃ چھینکی اور ناک سے بیٹیاں جھڑ پڑیں مگر اُس نے جو توالد تناسل کا قاعدہ جاری کیا ہے تو اُس کی مصلحۃ کو وہی خوب جانتا ہے۔ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ [53] پس مناکحت حقیقت میں خدائے تعالےٰ کے ارادے کا نافذ کرنا اور اس کی مرضی کی تکمیل ہے اور اسی سے پیغمبر صاحب نے فرمایا لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ [54] اور اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِيْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ [55] اور جو لوگ اس سے اعراض کرتے یا اس کو فعلِ قبیح سمجھتے وہ ابطالِ حکمۃ الٰہی کے درپئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ توالد تناسل موقوف ہو کر دُنیا آخر کو اُجڑ جائے۔ بانگی دیکھ کر اناج کے ڈھیر کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے کہ اچھا ہے یا بُرا۔ مذہب بھی احکام کا انبار ہے اور رہبانیۃ بانگی۔ اسلام اور عیسائیۃ میں محاکمہ کرنے کا اچھا ذریعہ ہے۔ اچھا پھر ایسی ضروری اور عالمگیر قوۃ کس وجہ سے شرمناک قرار پائی اور اس میں کیا بُرائی دیکھی کہ لوگ چار و ناچار اس سے کام لیتے بھی ہیں اور بلّی کے..... کی طرح چھپاتے بھی ہیں۔ آؤ ذرا اس قوۃ کی تشریح کریں جس سے فہم مدعا میں سہولۃ ہو۔ پہلی بات یہ ہے کہ خالقِ عالم نے یہ قوۃ نر و مادہ مرد و زن دونوں میں ودیعۃ رکھی ہے۔ مردوں میں بشکل قوۃِ فاعلہ اور عورتوں میں بصورۃ منفعلہ یعنی مرد و زن دونوں اس قوۃ سے متمتع ہونیکے حق دار ہیں پس آزادی استعمال قوۃ میں پاسِ حقِ فریقِ ثانی کی ایک ضروری قید بڑھی اور اَلْاِنْسَانُ حَرِيْصٌ عَلٰى مَا مُنِعَ [56] کی رُو سے فتنہ و فساد کی جڑ قائم ہوئی۔ مشارکۃ ایسی بد چیز ہے کہ خدا تک کو گوارا نہیں۔ جتنے رگڑے جھگڑے لوگوں میں ہوتے ہیں تحلیل کر کے دیکھو تو مشارکۃ پر جا کر ختم ہوں گے۔ زید خالد کے گھر میں چوری کرتا ہے اس کے یہی معنی ہیں کہ زید زبردستی خالد کے مال میں شریک بننا چاہتا ہے خالد اس کو جائز نہیں رکھتا۔ زید نے خالد سے میعادی قرض لیا اور وقت پر ادا نہ کیا۔ خالد نے عدالۃ میں جا دعویٰ دائر کر دیا۔ اس صورۃ میں زید خالد کے مال میں یا اُس کے تمتع میں ناجائز طور پر شرکۃ کرنی چاہتا تھا جو وجہ مخاصمۃ قرار پائی۔ اسی طرح مرد اور عورۃ کے معاملے میں خدا نے اس تمتع میں جو توالد تناسل کی قوۃ سے حاصل ہوتا ہے مرد اور عورۃ دونوں کو شریک بیگدگر ٹھیرا دیا ہے۔

---

[51] یعنی جوں ہی آدم و حوّا نے درختِ ممنوع کے پھل کو چکھا) تو دونوں کی پردہ کرنے کی چیزیں اُن کو دکھائی دینے لگیں اور لگے بہشت کے پتّوں کو اپنے اوپر چپکانے ۱۲

[52] اللہ کے ہاں جیسے آدم ویسے عیسےٰ کہ (خدا نے) مٹی سے آدم (کے پتلے) کو بنایا پھر اُس کو حکم دیا کہ (آدم) بن اور وہ (آدم) بن گیا ۱۲

[53] بھلا (ہو سکتا ہے کہ خدا) جو پیدا کرے (وہی اپنی مخلوقات کے حال سے) ناواقف ہو حالانکہ وہ (بڑا) باریک بین (اور) باخبر ہے ۱۲

[54] اسلام میں رہبانیت (یعنی ترکِ دنیا) نہیں ہے ۱۲

[55] (پیغمبر صاحب نے فرمایا) نکاح میرا طریقہ ہے اور جو میرے طریقے سے منہ موڑے وہ مجھ سے نہیں ۱۲

[56] آدمی جس چیز سے روکا جاتا ہے اُس کے کرنے پر زیادہ حریص ہوتا ہے ۱۲

مرد عورۃ کو اُس کے تمتع سے محروم کرنا چاہے یا عورۃ مرد کو متمتع نہ ہونے دے تو اس کا ضروری نتیجہ ہو بگاڑ۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بات بھی سمجھنے کی ہو کہ دنیا میں کروڑوں مرد ہیں اور کروڑوں ہی عورتیں ہیں تو پہلی ضروری شرط اس قوۃ میں ساجھا کرنے کی رضائے فریقین یعنی ایجاب و قبول یعنی نکاحِ متعارف ہو۔ اب یہ ہماری زمین ہو کہ اس میں کروڑوں بیگہ جُوتنے بونے کی قابل ہو اور کروڑوں ہی کاشتکار ہیں تو لوگوں نے زمین کو آپس میں بانٹ رکھا ہو زمینداروں نے گاؤں گاؤں کی حد بندی کر رکھی ہو اور ان کے ذیل میں کاشتکاروں نے کھیت کھیت کی۔ اس باہمی تقسیم کی بدولت ملک آباد ہو نہ دنگا ہو نہ فساد ہو۔ یہی مثال خدا نے قرآن میں عورتوں کی بھی دی ہو۔ نسآؤکم حرث لکم فاتوا حرثکم انی شئتم[1] دنیا بھر کی عورتیں مردوں میں تقسیم ہیں۔ کھیتوں کی جُتائی بُوائی ہو رہی ہو پیدا رہویں بیسویں برس مردم شماری کی جاتی ہو پیداوار آبادی سوائی ڈیوڑھی بڑھتی جا رہی ہو۔ تمام جہان کے لوگ اس قاعدے کے تو پابند ہیں کہ جو عورۃ جس مرد کے نکاح میں ہو کوئی دوسرا اُس میں ساجھا نہیں کر سکتا یعنی عورۃ ایک وقت میں ایک مرد سے زیادہ کی جُورو نہیں ہو سکتی مگر مسلمانوں میں ایک مرد وقتِ واحد میں چار تک کر سکتا ہو۔ بظاہر اس قاعدے میں مردوں کے ساتھ بے جا رعایۃ ہو اور معترض کہہ سکتا ہو کہ جب مرد اور عورۃ دونوں توالدتناسل کی قوۃ سے متمتع ہوتے ہیں یعنی قوۃ میں دونوں حصے دار ہیں تو کیوں مرد کو وقتِ واحد میں چار بیبیوں کے جمع کرنے کا اختیار دیا جائے اور عورۃ نزلہ بر عضوِ ضعیف ایک ہی کی ہو کر رہے۔ جن لوگوں کی نظر غائر نہیں ہو اس اعتراض کو سُن کر بغلیں جھانکنے لگتے ہیں۔ بات یہ ہو کہ متمتع ہونے کے اعتبار سے مرد اور عورۃ دونوں توالدتناسل کی قوۃ میں فی الواقع ایک دوسرے کے شریک تو ہیں مگر برابر کے شریک نہیں۔ مرد کا حصہ غالب ہو اور وہ زیادہ کا حصہ دار ہو اور اسی لئے اس کے ساتھ بیجا رعایۃ کی گئی ہو اور وہ اُس کا حق ہو اور معاوضہ ہو اُسکے حصّہ زائد کا جس طرح کاشتکاروں کو تقاوی دے کر کاشتکاری کی ترغیب دی جاتی ہو تاکہ کوئی قابلِ زراعت زمین افتادہ نہ رہے اور جس قدر پیداوار کا زمین سے حاصل کرنا ممکن ہو حاصل کی جائے اسی طرح اُس حکیم علے الاطلاق نے تمتع کو موجب ترغیبِ نکاح قرار دیا۔ کاشتکاری سے مقصودِ اصلی پیداوارِ اراضی کا حاصل کرنا ہو نکاح سے اولاد کا۔ لوگوں نے کوتاہ نظری سے تمتع ہی کو نکاح کی غرض و غایۃ سمجھ لیا ہے تو یہ خود اُن کی غلط فہمی ہو جس طرح غذا سے مقصود تغذیہ جسم ہو اور ذائقہ محض برنیت ترغیب ہے تمتع میں جو ہم نے مرد کو شریکِ غالب کہا اسکی وجہ یہ ہو کہ عورۃ کے پیچھے حمل اور رضاع وغیرہ کے عوارض بھی لگے ہیں اور وہ ان وقتوں میں فطرۃً تمتع سے محروم رہتی ہو اور اُس کو خود تمتع کی خواہش نہیں ہوتی برخلاف مرد کے کہ تولیدِ تخم کی صلاحیۃ تک اُسمیں تمتع کی صلاحیۃ باقی رہتی ہو ساٹھا پاٹھا۔ اور انہی عوارض کی وجہ سے جو اُن کو لازم ہیں عورتیں بہت جلد بوڑھی ہو جاتی ہیں۔ وہی نساؤکم حرث لکم کی مثال پیشِ نظر رکھو تو مردوں کی تکثیرِ ازدواج کی مصلحۃ کو آسانی سے سمجھ لوگے کہ کاشتکار متعدد کھیتوں میں تخم ریزی کر کے پیداوار کو بڑھا سکتا ہو لیکن کھیت میں اوپر تلے تخم ریزی کی جائے تو عجب نہیں سب تخم ضائع جائیں کیونکہ کھیت ایک ہی تخم کی پرورش کر سکتا ہو۔ جہاں جہاں ولادۃ کے رجسٹر ترتیب دیئے جاتے ہیں اُن سے یہ بات پائی گئی ہو کہ لڑکوں اور لڑکیوں کی پیدائش میں قریب قریب سینتالیس اڑتالیس اور ترپن باون کی نسبت ہو۔ امریکہ اور فرانس میں ایسا خیال کیا جا رہا ہے کہ اس قباحت کا انسداد صرف تکثیرِ ازدواج کے اسلامی قاعدے کے رواج دینے سے ممکن ہو بہرکیف بقائے نسل کے لئے مناکحت کا ہونا ضروری ہو اور مردوں کے لئے تکثیرِ ازدواج بھی افزائشِ آبادی کی ایک تدبیر ہو لیکن تکثیر نامحدود بھی مناسب نہیں اُس میں بھی طرح طرح

[1] تمہاری بیبیاں (گویا) تمہاری کھیتیاں ہیں تو اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو آؤ ۱۲

کے فساد. ت کا خوف ہی کم ازکم کثرتِ عیال کا جس کا لازمی نتیجہ ہی افلاس اور سوکنوں کی ہر وقت کی دانتا کلکل کا۔ عورتیں کہا کرتی ہیں سوکن زہر کی چھری ایک بھی بُری۔ بہت سوکنیں ہوں گی تو گھر کو " ہم درین عالم است دوزخ " بنا دیں گی۔ لیکن عام طور پر تکثیر ازواج کی حدّ کا قرار دینا کچھ آسان کام نہیں۔ مقنن کیسا ہی وسیع المعلومات بیش بیں اور دور اندیش کیوں نہ ہو ازدواج کے معاملے میں اتنی شخصی اور مقامی باتوں کو دخل ہی کہ سب پر احاطہ کرنا محال ہی۔ یہ کام خدا ہی کے کرنے کا تھا اور اُسی نے کیا کہ تکثیر ازواج کو چار تک محدود کر دیا اور اسکی مصلحتوں کو بھی وہی خوب جانتا ہی ہم سے چار کی وجہ تخصیص پوچھو تو ہم اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے دیکھنے میں تو چار کے عدد میں نسل کے بڑھانے کیساتھ عورتوں کے حق کی رعایۃ بھی کما ینبغی ملحوظ ہی اور زناشوئی کے تعلق میں یہی دو باتیں خیال کرنے کی تھیں۔ مطلب ہی ذرا پیچیدہ لہذا ناظرین کے سمجھانے کیلئے ہم اِس کو بطرز صراحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ کہ دُنیا کے حالات پر نظر کرنے سے ایسا معلوم ہوتا ہی کہ زمین جس طرح پر موالیدِ ثلثہ جمادات۔ نباتات۔ حیوانات سے آباد ہے خدا کو منظور ہی کہ وقتِ موعودِ قیامۃ تک اسی طرح آباد رہے۔ قیامۃ کب آئے گی اور کیونکر آئیگی یہ مقام اِس بحث کے چھیڑنے کا نہیں ہی۔ مگر کبھی نہ کبھی آئے گی ضرور یہ خدا کا وعدہ ہی اور اُسکا وعدہ پورا ہو کر رہیگا۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَاد قیامت کا وقت خدا نے کسی کو نہیں بتایا اور کوئی اُس کو جان نہیں سکتا۔ اچھا پھر خدا زمین کا اسی طرح موالیدِ ثلثہ سے آباد رہنا بھی چاہتا ہی اور موالیدِ ثلثہ ہیں کہ اِن کی حالتمیں تغیرات ہوتے رہتے ہیں اور نباتات اور حیوانات میں بڑا تغیر مرنے کا ہی جس کو فنا سے تعبیر کیا جاتا ہی۔ تو خدا نے زمین کے آباد رہنے کا یہ انتظام کیا کہ جو چیزیں فنا ہونے والی ہیں اُن کو اپنا جانشین پیدا کرنیکی استعداد عطا فرمائی۔ درخت ہیں کہ بیج پیدا کرتے ہیں اور بیج آخر کو ویسا ہی درخت بن جاتا ہی۔ حیوانات نر و مادہ مل کر جانشین پیدا کرتے ہیں ذکور و اناث دونوں قسم کے ایک دو نہیں کئی کئی۔ اور یہی وجہ ہی کہ دُنیا کی مردم شماری برابر بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ خدا نے اپنے علم میں بنی آدم کا ایک مجموعہ قرار دے رکھا ہی۔ جب کثرتِ تولید سے مجموعہ مقدارِ مقرر سے بڑھتا ہے۔ طاعون یا قحط سے گھٹا کر اُس کو حدّ کے اندر لے آتے ہیں۔ غرض زناشوئی کے تعلق سے دو غرضیں متعلق ہیں۔ تکثیرِ نسل اور مرد و زن دونوں کے تمتّع کا پاس۔ عورتوں کے تمتّع کا پاس حقیقت میں مردوں کی تکثیرِ بے جا کی روک ہی اور اسی لئے ایجاب و قبول کو شرطِ نکاح قرار دیا گیا ہے۔ ایجاب و قبول کے معنے ہیں فریقین کی رضامندی جو زن و شو بننے والے ہیں۔ پہلی تو نہیں مگر دوسری منکوحہ تکثیر کو روک سکتی ہی کہ نکاح سے رضامند نہ ہو۔ پس ہر تعدد میں مابعد کی عورۃ مرد سے بڑھکر ملزم ہی کہ وہ نادانی سے اپنا حقِ تمتّع چھوڑنے کے علاوہ اپنی بہن پچھلی منکوحہ کے اتلافِ حق کی باعث ہوئی۔ با ایں ہمہ مرد بھی الزام سے بری نہیں کیونکہ گو عورۃ کی رضامندی کو زور دینے کے لئے ایجاب عورۃ کی طرف سے ہوتا ہی مگر نکاح کی تحریک برعکس موضوع ہمیشہ مرد کی طرف سے ہوتی ہی۔ اسلامی شریعۃ نے جو مردوں کو وقتِ واحد میں چار بیبیوں کے جمع کرنیکی اجازۃ دی ہی ہم نے اس اجازۃ کی نسبتہ کہا کہ اس میں نسل کے بڑھانے کے ساتھ عورتوں کے حق کی رعایۃ بھی کما ینبغی ملحوظ ہی۔ یہ بات ہم نے اس سے اخذ کی کہ ایک حمل کی حالۃ میں حمل اور ارضاع اور دوسرے عوارض ملا کر غالباً عورۃ کے چار برس ایسے گزرتے ہیں کہ اس عرصہ میں اُسکو بالطبع توالد و تناسل کی قوۃ سے متمتّع ہونے کی خواہش نہیں ہوتی اور صحیح رغبۃ کے بدون تمتّع از روئے طب سخت مضر ہی پس عورۃ کی اپنی اور اُسکی اولاد کی توانائی اور تندرستی اسی کی متقاضی ہے۔ کہ وہ ان اوقات میں مرد کو مقاربۃ کا موقع نہ دے اور وہ

بدون اس کے ہو نہیں سکتا کہ مرد کے پاس متعدد عورتیں ہوں لیکن عورتیں اس ظلم کو تو سمجھتی نہیں ناحق تعدادِ ازدواج کی اجازۃ کو جو اسلامی شریعۃ نے مردوں کو دی ہے اپنے حق میں ظلم اور بے انصافی خیال کرتی ہیں۔ نسلِ آدم کا بڑھانا ایک اعتبار سے حق اللہ ہے اس لئے کہ دنیا کے حالات پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا یہی چاہتا ہے کہ آدم کی اولاد پھولے پھلے جیسا کہ ہم اوپر کہہ چکے ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ تعدادِ ازدواج سے تکثیرِ نسل کا ایک مطلب تو حاصل ہوتا ہے اور ہم تسلیم کرتے ہیں کہ عورتوں کی توانائی اور تندرستی کے لحاظ سے چار تک ان کا حق تمتع بھی محفوظ ہے مگر چونکہ مردوں کا ہر پہلو سے اعتدال پر قائم رہنا عادۃً محال ہے از نسبا دِنسل کے ایک مطلب کے حصول سے نان ونفقہ اور مہر اور حسنِ معاشرت کے چند در چند ضروری مطالب فوت ہوتے ہیں جنکا فوت ہونا امن و عافیۃ میں خلل انداز ہے لہذا شارع نے اپنی کمال دانشمندی سے مردوں کو تکثیرِ ازواج کی اجازۃ بھی دی تو مضایقے کے ساتھ اور یہ مضایقہ صرف عورتوں کے پاسِ خاطر سے۔ ورنہ تکثیرِ نسل کی ضرورۃ تو ہر زمانے میں اور ہر جگہ تھی اور ہے اور رہے گی خاص کر ملک عرب تو نزولِ قرآن کے وقت تکثیرِ نسل کا زیادہ تر محتاج تھا۔ برسات وہاں نہیں ہوتی طائف اور مدینہ اور یمن چھوڑ کر کھیتی باڑی کا کہیں نام ونشان نہیں عرب کی آبادی کی ابتدا ابراہیمؑ سے ہوئی وہ فرماتے تھے۔ رَبَّنَآ اِنِّیۡۤ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ[1] کہتے ہیں اور یہ کہنا محض بہتان اور اتہام ہے کہ مردوں کو تکثیرِ ازدواج کی اجازۃ دے کر اسلام نے عورتوں کے تمام حقوق پامال کر دیئے جس کی وجہ سے مسلمانوں کی خانہ داریاں بے اطمینانی اور بدگمانی کا مسکن بن گئیں مسلمان زن وشوہر میں کہیں ویسا اتحاد نہیں پایا جاتا جیسا نامسلموں میں۔ اور ہمارا کہنا یہ ہے کہ عورۃ تو کچھ چیز ہی نہ تھی اسلام نے اُس کو چیز بنایا اور چیز بھی قدر وقیمۃ کی چیز۔ ہم کو اس بارے میں دوسرے مذاہب سے بحث کرنی منظور نہیں۔ ہم تو صرف اتنی بات دکھانی چاہتے ہیں کہ اسلام کا نشوونما عرب سے ہوا۔ وہ لوگ اسلام سے پہلے عورتوں کے ساتھ کیسا سلوک کرتے تھے۔ مختصر اُن کا سلوک اِس قسم کا تھا کہ اگر اسلام عورتوں کی حمایۃ کو نہ کھڑا ہوتا تو شاید بہتیرے مرد عمر بھر عورتوں کو ترسا کرتے۔ بالطبع ظالم بے رحم سنگدل بے مروّۃ اور دو چار دس بیس نہیں قوم کی قوم اور اس پر جھوٹی غیرۃ شرافت کی شیخی میں ناک چوٹی گرفتار وہ کسی کا سالا سُسرا کہلانے کو گالی سمجھتے اور اِس عار سے بچنے کیلئے بیٹی ذات کو جینے ہی نہیں دیتے تھے۔ قرآن کی آیۃ۔ وَاِذَا الۡمَوۡءٗدَۃُ سُئِلَتۡ ۪ۙ بِاَیِّ ذَنۡۢبٍ قُتِلَتۡ[2] اِس کی تصدیق کو بس کرتی ہے۔ یہی حال ہمارے مُلک میں ہندو راجپوتوں کا تھا۔ عورتوں کی حفاظۃ یا تو اسلام نے کی یا سرکار انگریزی نے کہ ستّی اور دُختر کُشی کی ظالمانہ رسم کا بڑی سختی سے مقابلہ کیا۔ غالب ہے کہ ستّی اور دُختر کُشی کا انسداد کُلّی ہو گیا ہے۔ یہ اُسی جھوٹی جاہلانہ غیرت کا اثر ہے کہ مسلمان بھی سالے سُسرے ساس داماد کے نام سے چڑتے اور اِن الفاظ کے استعمال کو خلافِ تہذیب سمجھتے ہیں۔ سالے کو کہتے ہیں نسبتی بھائی یا خسر پورہ سُسرے کو خُسر۔ ساس کو خوشدامن۔ داماد کو خویش۔ مذہب اور حاکمِ وقت اگر مُنصف اور رعایا پرور ہے جرائم کے روکنے کی کوشش تو دونوں کرتے ہیں مگر مذہب کی کوشش کا اثر حاکمِ وقت کی کوشش کے مقابلے میں قوی تر ہوتا ہے کیونکہ افعال کو درخت سمجھو تو اُس کی جڑ دل سے پیدا ہوتی ہے یعنی آدمی پہلے دل میں ایک کام کا

[1] اے ہمارے پروردگار میں نے تیرے معزز گھر (خانہ کعبہ) کے پاس (اس) بیابان (مکّہ) میں جہاں کھیتی نہیں اپنی کچھ اولاد (لا کر) لبسائی ہے ۱۲

[2] اور جس وقت لڑکی سے جو زندہ درگور کر دی گئی تھی پوچھا جائے کہ کس قصور کے بدلے میں ماری گئی ۱۲

کرنا ٹھان لیتا ہے پھر اُس کو کر گزرتا ہے۔ چونکہ حاکم وقت کی حکومت دلوں پر نہیں ہے لوگوں کے ارادے اُس کے بس کے نہیں پس وہ صرف افعال کو روک سکتا ہے وہ بھی اکثر بعد الوقوع کہ مجرم کی سزا کے ڈر سے دوسروں کو عبرۃ ہوا اور وہ ارادہ بد سے باز رہیں مگر مذہب قیامۃ اور آخرۃ کی بازپرس کا یقین دلا کر شروع سے دلوں کی اصلاح کر چلتا ہے پس جن دلوں پر مذہب نے قابو پالیا ہے وہ ارادہ بد کر ہی نہیں سکتے کہ اُس کو عمل میں لانے کی نوبت آئے۔ خدا نے عورۃ کو مرد کے مقابلے میں کمزور ضعیف اور مغلوب پیدا کیا ہے لیکن باایں ہمہ وہ ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ کہ دوسرے کی شرکت کے بدون عافیت کے ساتھ زندگی بسر کر نہیں سکتے۔ بقائے نسل کیلئے دونوں کی شرکت کی ضرورۃ تو صاف ثابت ہے کہ اکیلا مرد یا اکیلی عورۃ دونوں میں سے ایک بھی اولاد پیدا نہیں کرسکتا۔ دنیا کے کون و فساد کو دیکھ کر فلسفیوں نے دی فٹسٹ ٹو لیو کا کلیہ مستنبط کیا جس کے یہ معنے ہیں کہ دنیا میں زبردست مخلوق کمزور مخلوق کو معدوم کرتی جارہی ہے پس باہمی احتیاج صنفِ نسوان کی بقا کی ضامن ہے اگر یہ محافظ نہ ہوتی تو عورتوں کا پیدا ہونا کبھی کا موقوف ہوگیا ہوتا۔ اِس پر بھی صنفِ ذکور اور صنفِ نسوان میں شروع سے ایک طرح کی کشمکش قائم ہے۔ لیکن قدرتی کمزوریوں کی وجہ سے عورتوں کا پلہ ہمیشہ مردوں کے مقابلے میں ہلکا رہا ہے۔ اور مقتضائے فطرۃ بھی یہی ہے کہ تیل اور پانی ایک بوتل میں بھر جائیں تو تیل اوپر رہے عورۃ پانی کی جگہ ہے اور مرد تیل کی جگہ۔ مرد عورۃ یعنی میاں بیوی میں جو نسبت ہونی چاہئیے قرآن نے صاف لفظوں میں بتادی ہے ایک جگہ فرمایا۔ اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ [۱] فضل اللہ بعضہم علی بعض مردوں کی خداداد توانائی کی طرف اشارہ ہے اور یہ مردوں کی برتری کی ایک وجہ ہے۔ دوسری وجہ بما انفقوا من اموالہم ہے دوسری جگہ فرمایا وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ [۲] یہ ہے یعنی فطرۃ کے قاعدے ایسے ابدی اور مستحکم ہیں کہ اُن کا نقض ہو ہی نہیں سکتا۔ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا [۳] مرد عورۃ اگر خدا کی باندھی ہوئی فطری حد میں رہیں تو مرد عورۃ کا تعلق اِس قسم کا ہے کہ دنیا دونوں کے حق میں بہشت ہو جائے۔ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا [۴] مگر حضرۃ آدم کی اولاد کیا مرد کیا عورۃ اب ایسا تیکھا مزاج لے کر آئی ہے کہ نہ دھرا جائے اور نہ اُٹھایا جائے۔ ہزاروں برس سے دنیا ایک وضع خاص پر چلی جارہی تھی بیٹھے بٹھائے اہلِ یورپ نے ایک شغولہ اُٹھا کر کھڑا کیا کہ آدم زاد ہونے میں مرد عورۃ دونوں برابر ہیں مردوں نے عورتوں کے حقوق غصب کرکے کاروبارِ سلطنت سارا اپنی مٹھی میں کر رکھا ہے۔
ع از طبل بلند بانگ در آخر ہیچ۔
تمام غُل غپاڑے کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ عورتیں تار اور ڈاکخانہ میں نوکر رکھ لی گئیں۔ کچھ شفاخانوں میں بیمارداری اور دایہ گری کچھ ادنے درجے کے سکولوں میں معلمی کی خدمتوں پر مامور ہیں مگر عورتیں تو مقنن اور سپہ سالار بننے کے فکر میں ہیں۔ کوئی اُن کو "ایاز قدرِ خود بشناس" اور "ہر کسے را بہر کارے ساختند" کا سبق نہیں پڑھاتا کہ پتا مار کر گھر کے کام کاج میں دل لگائیں جو اُن کے کرنے کا ہے اور جس کے لئے خدا نے اُن کو پیدا کیا ہے صرف ایک سلامی

[۱] مرد عورتوں کے سردھرے ہیں (اس کے) دو سبب (ہیں ایک) یہ کہ (آدمیوں میں) اللہ نے بعض (یعنی مردوں) کو بعض (یعنی عورتوں) پر (دل کی مضبوطی اور جسمانی توانائی میں) برتری دی ہے اور (دوسرا) سبب یہ کہ مردوں نے (عورتوں پر) اپنا مال خرچ کیا ہے ۱۲ [۲] اور جیسے (مردوں کا حق) عورتوں پر ویسے ہی دستور کے مطابق عورتوں کا (حق مردوں پر) ہاں مردوں کو عورتوں پر فوقیت ہے ۱۲ [۳] (اے پیغمبر) تم خدا کے قاعدے کو ہرگز بدلتا ہوا نہ پاؤ گے اور نہ خدا کے قاعدے کو ہرگز ٹلتا ہوا پاؤ گے۔ ۱۲ [۴] وہاں نہ تو کوئی لغو بات سنیں گے اور نہ خلاف تہذیب ۱۲

شریعت ہی جو اس بات کا دعویٰ کرسکتی ہے کہ اُس نے زن و شو کے تعلق کے بارے میں جو فیصلہ کیا ہے وہ بالکل مطابقِ فطرۃ ہے اور اُس میں دونوں کے حقوق کی واجبی رعایت ہے۔ لیکن مولوی روم نے ٹھیک فرمایا ہے ۔ چوں غرض آمد ہنر پوشیدہ شد ۔ صد ہزاراں پردہ سوئے دیدہ شد ۔ حق تو یہ ہے کہ عملاً اسلامی فیصلے سے کوئی فریق بھی دل سے راضی نہیں نہ عورتیں نہ مرد۔ فیصلہ قرآن کی دو آیتیں ہیں جو ترجمے سمیت ذیل میں لکھی جاتی ہیں۔

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ۭ ذٰلِکَ اَدْنٰٓی اَلَّا تَعُوْلُوْا ۔ (النساء ع ۱)

اور اگر تم کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ یتیم لڑکیوں (کے بارے) میں انصاف قائم نہ رکھ سکو گے تو اپنی مرضی کے مطابق دو دو اور تین تین اور چار چار عورتوں سے نکاح کر لو ف۱ لیکن اگر تم کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ (کئی بیبیوں میں) برابری (کے ساتھ برتاؤ) نہ کر سکو گے تو (اس صورۃ میں) ایک ہی (بی بی کرنا) یا جو (لونڈی) تمہارے قبضے میں ہو اُسی پر قناعت کرنا ف۲ (نامنصفانہ برتاؤ سے بچنے کے لئے) یہ تدبیر زیادہ قرینِ مصلحت ہے۔

وَلَنْ تَسْتَطِیْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَیْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِیْلُوْا کُلَّ الْمَیْلِ فَتَذَرُوْھَا کَالْمُعَلَّقَۃِ ۭ (سورہ نساء ع ۱۹)

اور تم (اپنی طرف سے) بہتیرا چاہو لیکن یہ تو تم سے ہو نہیں سکے گا کہ (کئی کئی) بیبیوں میں (پوری پوری) برابری کرسکو تو بالکل (ایک ہی طرف) مت جُھک پڑو کہ دوسری کو (اس طرح) چھوڑ بیٹھو گویا اَدھر میں لٹک رہی ہے۔

ہم نے تو دونوں آیتوں کو ملا کر یہ مطلب سمجھا ہے کہ مسلمان مرد کو وقتِ واحد میں چار بیبیوں تک کے جمع کرنے کی اجازۃ ہے۔ بشرطیکہ وہ متعدد بیبیوں میں برابری قائم رکھ سکے ورنہ ایک پر قناعت کرے یا لونڈیوں پر۔ برابری میں ایک طرح کا ابہام تھا تو اُس کو آیۃ (۲) سے رفع کر دیا کہ پوری برابری تو تم کر نہ سکو گے تو ایسا بھی نہ کرنا کہ بالکل ایک ہی کے ہو رہو یعنی وہ برابری جس پر تکثیرِ ازواج کی اجازۃ موقوف ہے اسی قدر ہے کہ آدمی ایک ہی بیبی کا نہ ہو رہے کہ دوسری کی بالکل خبر تک نہ لے۔ آیۃ (۱) نے تکثیرِ ازواج پر برابری کی بڑی سخت قید لگا دی تھی اور اُس کے ظاہر سے ایسا سمجھا جاتا تھا کہ کامل برابری مراد ہے کہ وہ مرادفِ ممانعت ہے۔ آیۃ (۲) نے اُس قید کو ڈھیلا کر دیا جس سے معلوم ہوا کہ تکثیرِ ازواج مقدور البشر ہے۔ آیۃ (۲) سے تکثیرِ ازواج کا رستہ تو کھلا مگر کہیں اسکی

ف۱ یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کرنے کی صورۃ یہ تھی کہ یتیم لڑکی کسی کی سرپرستی میں ہوتی اور وہ اُس کے مال و جمال کی وجہ سے اُس کے ساتھ نکاح تو کر لیتا لیکن نکاح کے بعد اُس کے حقوق مہر وغیرہ کی چنداں پروا نہ کرتا کیونکہ اُس بے چاری کا کوئی ولی وارث نہ تھا کہ ٹھوک بجا کر اس کے حقوق لیتا۔ اللہ نے فرمایا کہ جب تم انصاف نہیں کر سکتے تو تم اُن سے نکاح ہی مت کرو کسی اور عورۃ سے کر لو عورتوں کا دنیا میں کال نہیں ۱۲

ف۲ شرع کی رو سے صرف وہ کافر لونڈی غلام ہیں جو جہاد یعنی مذہبی لڑائی میں پکڑے آئیں پھر گرفتار ہوئے پیچھے مالِ منقولہ کی طرح اُن کی خرید فروخت بھی ہوتی رہتی ہے۔ اس سرے سے اُس سرے تک سارے ہندوستان میں کہیں لونڈی غلام نہیں اور حاکم وقت کی طرف سے بھی اس کی بڑی سخت مناہی ہے اور یہ جو لوگ قحط میں بچے پال لیتے یا دوسرے خدمت پیشہ یہ ہم سب کی طرح آزاد ہیں ان کے ساتھ لونڈی غلام کا سا برتاؤ کرنا گناہ ہے خدا کا، اور جرم ہے حاکم کا ۱۲

صراحۃً نہیں کہ مردوں کو تکثیرِ ازدواج کی کشمکش میں پڑنے کی ضرورۃ ہی کیا ہے۔ مگر جن کو خدا نے ذہنِ رسا دیا ہے وہ نساؤکم حرث لکم سے ضرورۃ مستنبط کر سکتے ہیں اور ہم اس کی تصریح اوپر کر بھی چکے ہیں کہ عورۃ تو تکثیرِ ازدواج کی محل ہی نہیں مرد ہی تو مرد تکثیر کا مقدار ٹھیرا۔ عورۃ کا محل نہ ہونا اور مرد کا ہونا ہی مرد عورۃ میں فساد کا موجب ہے۔ عورتیں چاہتی ہیں کہ مرد تکثیر سے مطلقاً مستفید نہ ہوں مرد تکثیرِ نامحدود کے دعویدار ہیں۔ اسلام نے مردوں کو تکثیرِ محدود کی ڈگری دی۔ اہلِ عرب اسلام سے پہلے تکثیرِ نامحدود ہی پر عمل کرتے تھے۔ اسلام نے تکثیر کو محدود کر کے عورتوں پر احسان کیا۔ اُس پر بھی عورتیں اسلام کے فیصلے سے خوش نہیں، اِن کی ناخوشی کی ایک وجہ اور بھی ہے اور وہ معقول ہے کہ مرد کئی بیبیوں میں سے کسی ایک کے حُسنِ صورۃ یا کسی اور ادا کے مفتوں ہو کر اُسی کے ہو رہتے ہیں یعنی آیۃ (۲) کا ممکن عدل کرنا بھی ان سے ناممکن ہو جاتا ہے پس اِذَا فَاتَ الشَّرْطُ فَاتَ الْمَشْرُوْطُ[1] کی رُو سے مردوں کو تکثیر کی اجازۃ سے مستفید ہونے کا کوئی حق نہیں۔ بات تو واجبی ہے مگر حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِي وَيُصِمُّ[2] تکثیرِ ازدواج کا شوقِ مُفرط اور عیش پرستی مرد کیا باز آنے والے تھے خصوصاً عرب کے جاہل جو کسی قاعدے کے پابند نہ تھے۔ ہمارے نزدیک تکثیرِ ازدواج کو تین چیزوں نے بڑھنے نہیں دیا اوّل درجے میں خوفِ تکثیرۃ عیال نے۔ دوسرے درجے میں اسلامی شریعۃ کی تحدید نے تیسرے درجے میں اسلامی فتوحات نے کہ اسیرانِ جنگ میں عورتیں پکڑ آتی تھیں پھر عام دستور بین الاقوام کے مطابق چاہے اِن سے لونڈیوں کی طرح کار و خدمت لو یا بیبی بنا کر رکھو مگر اِن سے جو اولاد ہو گی لونڈی بچے کہلائیں گے شریفوں کی نظر میں ذلیل آیۃ (۱) و (۲) کا فیصلہ فیصلہ نہیں بلکہ حکم یعنی ڈگری ہے۔ ہمارے وقتوں کی عدالتوں کا یہ قاعدہ ہے کہ حاکمِ عدالۃ کسی مقدمے کی تجویز لکھتا ہے تو اُس میں مدّعی مدعا علیہ کا نام۔ دعوے کی صراحۃ مدعا علیہ کا جواب پھر مدّعی کی طرف کا جواب الجواب پھر فریقین کا ثبوت اور جرح اور فیصلے کی دلائل یہ سب باتیں تفصیل کے ساتھ لکھنی ہوتی ہیں۔ اس کو فیصلہ یا تجویز کہتے ہیں اور فیصلے کے نتیجے کو حکم اخیر یا ڈگری کہتے ہیں۔ اسی اعتبار سے ہم نے آیۃ (۱) و (۲) کو حکمِ اخیر کہا حکامِ عدالۃ جو لمبے چوڑے مدلّل و مفصل فیصلے لکھتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی عقل و معدلۃ پر اعتماد نہیں مگر خدا کی نسبۃ تو ایسا احتمال تو کیا واہمہ بھی نہیں ہو سکتا اِسی لئے اگلے مسلمان جو حکم اُن کو دیا جاتا بے چون و چرا اُس کو کان دبا کر تسلیم کر لیتے تھے جیسے ابو بکرؓ کہ پیغمبر صاحب نے معراج کا حال بیان کیا ابو بکرؓ نے سُنتے کے ساتھ یقین کر لیا اور پیغمبر صاحب کی تصدیق کی اور اسی سے صدیق کہلائے لوگوں نے دلیل مانگی تو کہا پیغمبر صاحب کا فرمانا۔ اب نہ ویسے ایمان ہیں نہ ویسی طبیعتیں۔ لوگ موحد سے تو ایمان و اسلام کے بڑے لمبے چوڑے دعوے کرتے ہیں مگر اُن کو بے دلیل پوری تشفی نہیں ہوتی یعنی اُن کو اپنی عقل پر جس کی حقیقۃ معلوم ہے وثوق ہے خدا رسول کے فرمانے پر نہیں۔ یہ سچ ہے کہ ہم عقل ہی کی وجہ سے مکلّف بالشرائع ہیں اور قرآن میں جا بجا افلا تفکرون اور افلا تعقلون اور افلا تذکرون سے ہم کو خطاب بھی کیا گیا ہے یہ سب کچھ ہے مگر اس کے ساتھ وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا[3] بھی ہے پس سلیم الطبع آدمی کو چاہیئے کہ سوچ سمجھ کر عقل کو دخل دے نہ ہر جائے مرکب توان تاختن کہ جاہا سپر باید انداختن یہ سوچنے اور غور کرنے سے قدم قدم پر وما اوتیتم من العلم الا قلیلا کی تصدیق ہوتی ہے دو دیکھوں جاؤ

---

[1] شرط کے فوت ہونے سے مشروط فوت ہو جاتا ہے ۱۲ [2] جس چیز کی تمہیں زیادہ چاہت ہوگی وہ تمہیں اندھا بہرا بنا دے گی کہ نہ اس کا عیب دیکھ سکو گے نہ سُن سکو گے۔ ۱۲ [3] اور تم لوگوں کو اسرارِ الٰہی میں سے بس تھوڑا ہی سا علم دیا گیا ہے ۱۲

روح سب سے زیادہ قریب چیز ہے مگر آج تک کسی سے یہ عُقدہ حل نہیں ہوا کہ کیا ہے اور جسم سے کس طرح تعلق رکھتی ہے۔ لوگوں نے جناب پیغمبر صاحب سے روح کی حقیقت دریافت کی جواب ملا اَلرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّی[1]۔ جس کے یہی معنے ہیں کہ یہ باتیں تم بنی آدم کی رسائی عقل کی حد سے باہر ہیں۔ اِسی طرح ہم نے تکثیر ازواج کے بارے میں بہتیرا سوچا کہ شارع نے تکثیر کی حدِّ غایتہ چار کیوں رکھی ہے مگر قابلِ اطمینان کوئی بات سمجھ میں نہ آئی پہلے تو یہ خیال ہوا کہ شاید چار سے تحدید مقصود نہ ہو بلکہ مطلق تکثیر مقصود ہو اور طرزِ کلام دو دو تین تین چار چار اس پر دلالت بھی کرتا ہے۔ علاوہ بریں ہم دیکھتے ہیں کہ دوسری زبانوں میں ایک بڑا عدد بولا جاتا ہے اور وہ خاص عدد مراد نہیں ہوتا بلکہ کثرۃ مراد ہوتی ہے جیسے ۵ ذبح کر ڈالوں گا گر اب کے تو بولا شبِ وصل : میں نے سو بار تجھے مرغِ سحر چھوڑ دیا یا ۵ اُن لبوں نے نہ کی مسیحائی : ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا : یا ۵ ہزار بار بشویم دہن زمشک وگلاب : ہنوز نامِ تو گفتن کمال بے ادبی است : اسی طرح کا ایک واقعہ اعداد کے متعلق پیغمبر صاحب کو بھی پیش آیا تھا۔ کہ جناب پیغمبر صاحب نے چالیس برس کی عمر میں پیغمبری سے سرفراز ہو کر اپنے وطن مکے میں جہاں سارے جزیرۂ عرب کا معبد ابراہیم کا بنایا ہوا خانۂ کعبہ تھا دینِ اسلام کی منادی شروع کی۔ خانۂ کعبہ کے متولّی اور مجاور قبیلۂ قریش کے لوگ تھے اور یہ قبیلے کا قبیلہ خانۂ کعبہ کی خدمتِ تولیّت کی وجہ سے معزز ترین قبائل سمجھا جاتا تھا۔ پیغمبر صاحب قبیلۂ قریش کے معزز ترین خاندان میں پیدا ہوئے ہر چند قریش کا ادب خانۂ کعبہ کی وجہ سے تھا اور خانۂ کعبہ کا ادب بنائے ابراہیم ہونے کی وجہ سے اور ابراہیم بڑے پکّے موحّد تھے یہاں تک کہ اُن کو عقیدۂ حقّۂ توحید کا مُوجد کہا جائے تو کچھ بے جا نہیں اور موجد نہ بھی تو مروّج اور مجدِّد ہونے میں تو کچھ شک نہیں بہرکیف باوجودے کہ اہلِ عرب نسلِ ابراہیم اور فی زعمہم ابراہیم کے مذہب پر قائم بھی تھے مگر مرورِ زمانہ کی وجہ سے توحید کو چھوڑ کر مشرک اور بُت پرست ہو گئے تھے۔ خدا نے پیغمبر صاحب کو اُسی ابراہیمی عقیدۂ توحید کو از سرِ نو زندہ کرنے کی غرض سے پیغمبر بنا کر بھیجا۔ توحید کی منادی کرنا تھا کہ سارا عرب کنفسِ واحدۃ دشمنی پر کمربستہ ہو گیا۔ زبان سے ہاتھ پاؤں سے جو تکلیفیں نہیں پونہچائی تھیں پونہچائیں۔ جو ایذائیں نہیں دی تھیں دیں پیغمبر صاحب کامل ۱۲ برس فوق البشریّۃ صبر و تحمل کے ساتھ تمام مظالم برداشت کرتے رہے اِس ۱۲ برس کی مدۃ میں جو کچھ تھوڑی مدۃ نہیں لوگ دستور کے مطابق اطراف و جوانب سے سال در سال بُت خانۂ کعبہ کی زیارۃ کو آتے اور اپنے طور کی پوجا پاٹ کر کے چلے جاتے اور سمجھتے کہ حج کر آئے۔ اِدھر پیغمبر صاحب تبلیغِ رسالۃ کے لئے ایسے ہی جمگھٹوں کی تاک میں لگے رہتے تھے جہاں ہجوم دیکھا جا منادی کی۔ اتفاقاً رسالۃ کے گیارھویں برس مدینے کے قافلے والوں سے بات چیت کا موقع پا کر اِن کو قائل معقول کیا۔ دعوی رسالۃ کی خبر تمام ملک میں پھیل چکی تھی، قافلے والوں میں کچھ لوگ منصف مزاج اور معقول پسند بھی تھے سُنتے کے ساتھ تھوڑی دیر کے پہلے ہی وعظ میں چھ آدمی ایمان لے آئے اور مدینے جا کر دوسروں سے سارا حال بیان کیا اور بہتیروں کو اپنا ہمخیال بنا لیا۔ رسالۃ کے تیرھویں برس ایک جمِ غفیر پیغمبر صاحب کی باتیں سُننے کے شوق میں حج کے دنوں میں مکّے پونہچا اور تاکہ مکّے والوں کو خبر نہ ہو شہر کے باہر قافلے سے الگ ایک جگہ تجویز کی کہ وہاں پیغمبر صاحب وعظ فرمائیں اِس جلسے میں ۷۳ مرد اور دو عورتوں نے پیغمبر صاحب کے ہاتھ پر بیعۃ کی اور بیعۃ کے علاوہ جب اِن کو قریش کے مظالم کی خبر ہوئی تو انھوں نے پیغمبر صاحب سے التجا کی کہ اگر جناب کسی طرح اِن ناخدا ترس دشمنوں کے نرغے سے نکل کر مدینے تشریف لے آئیں تو ہم اپنی جان و مال و عیال کی طرح آپ کی حمایۃ اور حفاظت کریں گے

[1] روح بھی میرے پروردگار کا ایک حکم ہے ۱۲

یہ قول و قرار ہو کر قافلہ مدینے کو واپس روانہ ہوا قریش کو ان باتوں کی خبر لگی مگر بد بریجب کہ قافلہ ان کی دسترس سے باہر نکل جا چکا تھا۔ مدینے والوں کی بیعۃ قریش کے حق میں۔ ع سمند ناز پہ ایک اور تازیانہ ہوا بھنے لگے پیغمبر صاحب اور ان کے اقل قلیل ضعفا اتباع پر اضعافاً مُضاعفہ سختیاں کرنے۔ آخر یہ ٹھہرائی کہ یہ شخص ہمارے دین آبائی کے بُرا پیچھے پڑا ہی تخویف تطمیع سب کچھ تو کر دیکھا کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی آخِرُ الدَّوَاءِ الْکَیُّ؎ بس اب یا یہ نہیں یا ہم نہیں آؤ آج رات اس کے گھر کو گھیرے پڑے رہیں۔ صبح سویرے نماز کو باہر آئے تو ایک دم سے سب ٹوٹ پڑیں اور اس کا کام تمام کر دیں۔ دیتہ دینی آئے گی چندہ کر کے بھر دیں گے۔ جو سوچا وہ کیا مگر ۔ من در چہ خیالیم و فلک در چہ خیال ۔ کا ہے کو خدا کند فلک را چہ مجال لوگ رات بھر گھر گھیرے پڑے رہے اور پیغمبر صاحب راتوں رات پچھواڑے سے نکل اپنے رازدار ابوبکرؓ کو ساتھ لے گئے تین میل کے فاصلے پر غار ثور میں جا چھپے۔ آس پاس سارے کونے کھدرے کھوند مارے کہیں پتہ نہ ملا۔ پیغمبر صاحب تین دن چھپے رہ کر اوپری رستے سے بالا بالا مدینے جا داخل ہوئے یہ داخلہ ہجرت کہلایا جس کی یادگار میں مسلمانوں کا ہجری سنہ چلا۔ مدینے میں ہجرۃ سے پہلے ہی اسلام نے بہتیرے دلوں میں جگہ کر لی تھی پیغمبر صاحب کے تشریف لانے سے لوگ ایسے گرنے شروع ہوتے جیسے شمع پر پروانے۔ لیکن باغ میں گل کے ساتھ کانٹے ضرور ہوتے ہیں مکے میں قریش تھے تو یہاں مدینے میں یہود کہ یہ لوگ مدینہ اور حوالی مدینہ میں کثرۃ سے آباد تھے اور ہر طرح کا اقتدار رکھتے تھے۔ موسیٰ کی اُمۃ اور توراۃ کی پیشین گوئی کی رُو سے پیغمبر آخر الزماں کے منتظر بھی تھے مگر پیغمبر موعود کو از خود نسل اسحٰق سمجھ رکھا تھا اور نہیں چاہتے تھے کہ شرف نبوۃ ان کی قوم سے کسی دوسرے کی طرف منتقل ہو۔ چونکہ پیغمبر صاحب اسحٰق ؑ کے بڑے بھائی اسمٰعیل کی نسل میں تھے یہود نے اپنی ادّعائی خصوصیۃ کی بنیاد پر پیغمبر صاحب کے خدا واسطے کا بیر باندھ لیا اور لگے توراۃ کی پیشین گوئیوں میں طرح طرح کی تحریفین کرنے۔ بغرض مدینے کے یہود پیغمبر صاحب کی مخالفۃ میں قریش مکّہ سے بھی چند قدم آگے تھے۔ یہود کے علاوہ خود مدینے کے اصلی باشندوں میں سے بھی ایک گروہ پیغمبر صاحب کے روز افزوں اقتدار کا حسد رکھتا تھا۔ یہ لوگ در پردہ یہودیوں سے میل جول رکھتے تھے مگر مسلمانوں کے مقابلے میں تھے مغلوب اور اسی لئے ظاہر میں مسلمان بنتے تھے۔ بغرض یہ لوگ اب جوا کھیلتے تھے کہ طاق اور جفت دونوں داؤ اپنے۔ قرآن میں جو منافقوں کو جا بجا سرزنش کی گئی ہے منافقوں سے یہی لوگ مُراد ہیں۔ ان کا رئیس تھا ایک شخص عبداللہ بن ابی بن سلول۔ مدینے کے رہنے والوں میں اوس اور خزرج دو برابر کی ٹکّر کے بڑے زبردست قبیلے تھے ان میں پُشت ہا پُشت سے خانہ جنگیاں چلی آتی تھیں عبداللہ حقیقۃ میں قبیلہ خزرج کا بڑا باوقعت سردار تھا پیغمبر صاحب کی ہجرۃ سے ذرا پہلے لوگ اسکو بادشاہ بنانے کی طیاریاں کر رہے تھے تاج شاہی تک بنوا لیا تھا پیغمبر صاحب کی تشریف آوری سے تمام منصوبے ناتمام رہ گئے تو عبداللہ کو پیغمبر صاحب کا جتنا حسد ہو تھوڑا۔ پیغمبر صاحب کے آتے پیچھے بر سول اسلام مدینے میں کھچڑی رہا عبداللہ منافق اسلام کی بیخ کنی کے درپے پیغمبر صاحب کو دیکھکر اندر ہی اندر اسکا خون کھولنے لگتا تھا اسی کا بیٹا حباب ظاہر و باطن راسخ العقیدۃ مسلمان جہاں پیغمبر صاحب کا پسینہ گرے اپنا خون گرانیکو موجود پیغمبر صاحب کو اس عبداللہ سے گچی مار کی طرح کی بڑی کلفت کیفیں پہنچیں۔ از انجملہ یہ از ہزار دستے نمونہ از خروار یہ کہ ہجرۃ کے دوسرے برس مسلمانوں سے اور قریش سے بدر کی لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی میں باوجودیکہ لشکر قریش کے مقابلے میں مسلمانوں کی کچھ بھی حقیقۃ نہ تھی قریش کو فاش شکست ہوئی چوٹی کے سوار مارے گئے بقیۃ السیف گرفتار مگر بھاگ گئے

؎ سب سے آخری علاج کاٹ کر داغ دینا ہے ۱۲

بھاگ گئے بھی قریش دھمکی دیتے گئے کہ اگلے برس اس اتفاقی شکست کا بدلہ لیں تو سہی چنانچہ اگلے برس لشکر جرار سے مدینے کو آگھیرا۔ چار و ناچار لڑنا پڑا۔ پیغمبر صاحب کا قاعدہ تھا کہ جو بات کرتے تھے سب کی صلاح سے پیغمبر صاحب کی اپنی رائے تو یہ تھی کہ مدینے کے باہر چل کر لڑیں۔ لوگوں سے مشورہ لیا تو منافقوں نے بڑی سختی کے ساتھ اختلاف کیا کہ نہیں شہر کے اندر مکانات کی آڑ پکڑ کر لڑنا مناسب ہے۔ لڑائی تو آخرکار پیغمبر صاحب کی رائے کے مطابق مدینے کے باہر دو ڈھائی کوس کے فاصلے پر کوہ اُحد کے پاس ہوئی مگر منافقوں کے اختلاف کی وجہ سے بہتیرے لوگ تو مدینے سے نکلے ہی نہیں اور جو بادلِ ناخواستہ دکھاوے کو نکلے بھی تھے اُن کو بھی عبداللہ بہکا کر بے لڑے لوٹا لایا۔ بعض نے اس کو بہتیرا لیس و پیش سمجھایا کہ اس طرح کی صریح مخالفت سے مسلمان ہمیں مدینے میں ہرگز رہنے دیں گے تو کہتا کیا ہے۔

| | |
|---|---|
| لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ (سورۂ منافقون ع ۱) | (منافق کہتے ہیں کہ) اگر ہم مدینے لوٹ کر گئے تو عزۃ والا ذلیل کو وہاں سے نکال باہر کرے تو سہی۔ |

اس نے اپنے تئیں اعز سے تعبیر کیا اور پیغمبر صاحب کو نعوذ باللہ اذل سے۔ بیٹا یہ سن کر اپنے آپ سے باہر ہو گیا اور اگر پیغمبر صاحب اُس کو نہ روکتے تو اُس نے باپ کو قتل ہی کر دیا ہوتا۔ اس ایک واقعے میں کتنی باتیں مضمر ہیں۔ عبداللہ کی حد درجے کی گستاخی، بیٹے کی عقیدت، پیغمبر صاحب کا حلم۔ بالآخر وہ وقت آیا جو سب کو آنا ہے کہ عبداللہ مر رہا ہے۔ اُس کو حُبِّ جاہ نے تباہ کیا۔ اب آخری وقت میں اُس کو جاہ کی طرف سے بالکل نااُمیدی ہوئی تو اُس نے اَلْغَرِيْقُ يَتَشَبَّثُ بِالْحَشِيْشِ [۵۱] کفن کے لئے تبرکاً پیغمبر صاحب کا کُرتہ منگوا بھیجا۔ پیغمبر صاحب نے اُس کے بیٹے کی دلداری سمجھو تو یا گروہ منافقین کی تالیف و استمالت سمجھو تو یا عبداللہ کے ظاہری اسلام کا لحاظ سمجھو تو بے تامل اُتارا اپنا کُرتہ بھجوا دیا۔ عمر رض کے منع کرتے کرتے اُسکے جنازے کی نماز پڑھائی شریکِ دفن ہوئے اور دیر تک قبر پر کھڑے ہوئے اُس کے حق میں دعا کرتے رہے۔ دشمن کے ساتھ اس کے مرے پیچھے اتنی عنایت کا اظہار پاک نفس پیغمبر کے سوائے کس سے ہو سکے۔ بات کے سلسلے میں عمر رض کے روکنے کا ذکر آ گیا۔ تو اُن کے منع کرنے کی وجہ بھی اسلام کی خیرخواہی تھی۔ کہ یہی منافق اسلام کی چلتی گاڑی میں روڑے اٹکاتے رہتے تھے اور عمر رض شدید البأس اور مزاج کے کسی قدر سخت بھی تھے۔ نظر بحالات ملکی اس وقت کے اسلام کو پیغمبر صاحب کی نرمی اور ان کی سختی دونوں کی یکساں ضرورۃ تھی جیسے کھیتی کہ اُس کو وقت پر پانی چاہیئے اور وقت پر تابشِ آفتاب ۵

| | |
|---|---|
| درشتی و نرمی بہم در بہ است | چو رگزن کہ جرّاح و مرہم نہ است |

یہ عمری ہیبتہ ہی تو تھی جس کی وجہ سے پیغمبر صاحب ابتدائے رسالۃ میں خدا سے دعائیں مانگا کرتے تھے کہ اَللّٰھُمَّ [۵۲] اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِاَبِيْ جَهْلِ بْنِ هِشَامٍ اَوْ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ یہ عمری ہیبتہ ہی تو تھی کہ عمر رض کے اسلام سے پہلے مسلمان تھوڑے ہی بہی مگر کسی کی جرأۃ نہ تھی کہ اداءِ نماز کے لئے خانۂ خدا کی طرف رُخ تو کرے۔ ہاں عمر رض اسلام لانے تو سب کو دندناتے ہوئے ساتھ لے کر کعبہ گئے چھت پر چڑھ کر اذان دی نماز پڑھی قریش خانۂ کعبہ

۵۱ ڈوبتا تنکے کا سہارا پکڑا کرتا ہے ۱۲۔

۵۲ خداوندا ہشام کے بیٹے ابوجہل یا خطاب کے بیٹے عمر سے اسلام کو غلبہ عنایت کر ۱۲

گرد بیٹھے دیکھا کئے کسی نے چوں نہ کی۔ یہ عمری ہیبتہ ہی تو تھی کہ پیغمبر صاحب کے مدینے گئے پیچھے باقی ماندہ مسلمانوں پر قریش کی طرف سے بڑی سختیاں ہونے لگیں رہتے ہیں تو ستائے جاتے ہیں جاتے ہیں تو جانے نہیں پاتے نہ پائے رفتن نہ روئے ماندن تو بیچارے چوری چھپے رات بے رات نکل بھاگتے اور کسی طرح گرتے پڑتے مدینے جا پہنچتے۔ عمر رضؓ نے ہجرۃ کا ارادہ کیا تو دن دہاڑے سازوسامانِ سفر درست کر کے ہتھیار لگائے اور پکار پکار کر کہتے ہوئے چلے کہ جس کو اپنی بیوی کا رانڈ لیے بچوں کا یتیم کرنا منظور ہو وہ شہر کے باہر ملے اور مجھے رُوکے۔ یہاں سب کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ ایک سے نہ ہو سکا کہ جاتے کو پکڑتے یہ عمری ہیبتہ ہی تو تھی کہ اسلام کی بنیاد تو پیغمبر صاحب نے رکھی اور عمر رضؓ نے اپنے زمانہ خلافتہ میں روم اور فارس جیسی زبردست سلطنتوں کو زیر کر کے اُس بنیاد پر سلطنۃ اسلام کی ایک شاندار عمارۃ بنا کھڑی کی اَصۡلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرۡعُهَا فِي السَّمَآءِ[1] عمر رضؓ کی خود خصلۃ کی پوچھو تو مختصر یہ ہے کہ وہ اسلام کے آگے کسے باشد کسی کی لگی لپٹی نہیں رکھتے تھے۔ انہوں نے پیغمبر صاحب کے ساتھ منافقوں کا اور رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی کا برتاؤ دیکھا تھا اور منافقوں کے بارے میں آیاتِ قرآنی سُنی تھیں اور اُنکے دل پر نقش تھیں۔ لا بجملہ اِسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ اَوۡ لَا تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ اِنۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ سَبۡعِيۡنَ مَرَّةً فَلَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ[2] اسلامی جوش میں آکر اُنھوں نے پیغمبر صاحب کو عبد اللہ کے جنازے کی نماز پڑھانے سے روکا اور سبعین سے ستر کا عدد خاص نہیں بلکہ مطلق تکثیر مراد لی۔ عمر رضؓ اصل عرب تھے اِن سے بڑھکر محاوراتِ زبانِ عرب سے کون واقف ہو سکتا ہے مادہ پر پیغمبر صاحب نے باوجود کہ افصح العرب تھے سبعین سے ستر کا عددِ خاص مراد لیا اور فرمایا کہ میں ستر بار سے زیادہ بار عبد اللہ کیلئے استغفار کروں گا۔ شاید خدا اس پر رحم کرے۔ بات اس پر چلی تھی کہ آیۂ (ا) فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلٰث وربٰع کے اعداد کی نسبتہ ہمارا ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ عجب نہیں اعدادِ خاص نہیں بلکہ مطلق تکثیر غیر محدود مراد ہو جیسا کہ اُردو اور فارسی زبانوں میں بکثیر زبانِ عربی سے سند لینی چاہی تو آیہ اِن تستغفر لہم سبعین مرۃ خیال میں آئی کہ پیغمبر صاحب نے سبعین سے ستر عدد خاص سمجھا اور عمر رضؓ نے اس کو تکثیر پر محمول کیا۔ اس کے ضمن میں ہم نے ہجرۃ اور منافقوں کا حال اور عمر رضؓ کا حال بہت سے مضامین لکھ ڈالے۔ ناظرین اِن مضامین کو بھرتی کے مضامین سمجھیں گے مگر ہمارا عذر یہ ہے کہ موسیٰ کو کوہِ طُور پر پیغمبری و معجزۂ عصا دیتے وقت خدا نے موسیٰ سے اتنا ہی پوچھا تھا کہ وَمَا تِلۡكَ بِيَمِيۡنِكَ يٰمُوۡسٰى موسیٰ نے جواب میں عرض کیا هِيَ عَصَايَ اَتَوَكَّؤُا عَلَيۡهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيۡ وَلِيَ فِيۡهَا مَاٰرِبُ اُخۡرٰى[3] وماتلک بیمینک یا موسیٰ کا جواب ہی عصای بس کرنا تھا مگر موسیٰ عم کو شوقِ ہمکلامیِ پروردگار نے بس نہ کرنے دیا۔ ہم کو بھی پیغمبر صاحب کی باتوں میں مزہ آتا ہے۔ کچھ کہنا ہو تو خود بخود بات میں سے بات نکلتی چلی آتی ہے۔ اسی کو ہم اپنا ایمان اور اسی کو ہم اپنا اسلام اور اسی کو ہم اپنا عمل سمجھتے ہیں اور اسی کے بھروسے پر نجاۃِ آخرۃ کی آس لگائے بیٹھے ہیں۔ بہرکیف ناظرین سے درازیِ سخن کی معافی مانگ کر اصل مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ گو عمر رضؓ بجائے خود زبانِ عربی کے محاورات و اسالیب الکلام کے بڑے ماہر تھے اور قریش کی فصیح تر عربی ان کی مادری زبان تھی مگر پیغمبر صاحب کو زباں دانی کے اعتبار سے بھی ہم سب سے برتر اور بہتر

[1] اُس کی جڑ مضبوط ہے اور اس کی ٹہنیاں آسمان میں ہیں ۱۲ [2] (اے پیغمبر) تم اُنکے حق میں مغفرۃ کی دعا کرو یا ان کے حق میں مغفرۃ کی دعا نہ کرو (ان کے لئے یکساں ہے) اگر تم ستر دفعہ بھی ان کیلئے مغفرۃ کی دعا کرو گے تو خدا ہرگز انکی مغفرۃ نہیں کریگا [3] اور موسیٰ! تمہارے داہنے ہاتھ میں یہ کیا (چیز) ہے۔ ۱۲

[3] میری لاٹھی ہے میں اس پر سہارا لگاتا ہوں اور اسی سے اپنی بکریوں پر (درختوں کے) پتے جھاڑتا ہوں اور اس (لاٹھی) میں میرے اور بھی اغراض ہیں۔ ۱۲

سمجھتے ہیں اور خود صحابہ نے بھی بار بار اس کا اعتراف کیا ہو پس آیۂ ان تستغفر لہم سبعین مرۃ کے قیاس پر مثنٰی و ثلٰث و ربٰع میں بھی اعدادِ خاص مراد لیتے ہیں نہ مطلق تکثیر۔ اور بخاری کی دو حدیثوں نے تو ہمارے خیال کو ظنِ فاسد قرار دے کر اس کا قطعی فیصلہ کردیا۔

| | |
|---|---|
| عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رض اَنَّ غَیْلَانَ اَسْلَمَ وَتَحْتَہٗ عَشْرُ نِسْوَۃٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمْسِکْ اَرْبَعًا وَفَارِقْ بَاقِیَھُنَّ | ابو ہریرہ رضہ سے روایت ہو کہ غیلان مسلمان ہوا ہو تو اس کے پاس پوری دس عورتیں تھیں جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چار (عورتوں) کو رکھ لے اور باقی (چھ عورتوں) کو چھوڑ دے |
| عَنْ کَعْبٍ رض اَنَّ نَوْفَلَ بْنَ مَعَاوِیَۃَ اَسْلَمَ وَتَحْتَہٗ خَمْسُ نِسْوَۃٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمْسِکْ اَرْبَعًا وَفَارِقْ وَاحِدَۃً (بخاری) | کعب رض کہتے ہیں کہ معاویہ کا بیٹا نوفل مسلمان ہو اُس کے پاس پانچ عورتیں تھیں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چار کو رکھ لے اور ایک کو چھوڑ دے۔ |

غرض یہ بات توطے پاگئی کہ مسلمانوں کو قرآن کی رو سے وقتِ واحد میں چار بیبیوں تک کے جمع کرنے کی مشروط اجازۃ ہے مطلق تکثیر کی نسبت تو بقدرِ کافی اوپر لکھا جا چکا جس سے ظاہر ہو گیا ہو گا کہ تکثیرِ نسل آدم اور مرد اور عورۃ کی فطرۃ دو چیزیں تو تقاضی ہیں کہ مرد کو تکثیرِ ازدواج کی اجازۃ دی جائے تاکہ وہ نسل کو بڑھا سکے اور چونکہ عورۃ میں تکثیرِ ازدواج سے نسل کے بڑھانے کی صلاحیت نہیں اُس کو تکثیرِ ازدواج کی اجازۃ دینا لاحاصل لیکن تکثیرِ نسل کے ساتھ اس کی بھی ضرورۃ ہو کہ مرد اور عورۃ جو میاں بی بی بنیں امن وعافیت کے ساتھ زندگی بسر کریں مشکل یہ ہو کہ تکثیرِ ازدواج حدِّ شرعی کے اندر ہو یا باہر جائز ہو یا ناجائز ہر حالت میں منافی امن وعافیۃ ہو جیسا کہ دیکھا جاتا ہو۔ اس سے تو ہر شخص یہی نتیجہ نکالے گا کہ تکثیر کی اجازۃ گو وہ مشروط اجازۃ ہو صرف قرآن میں لکھنے کے لئے ہو کوئی مرد اس سے بطریق جائز مستفید نہیں ہو سکتا۔ پس اسلام جو دینِ فطرۃ ہونے کی شیخی مارتا ہو مِلَّۃً سَھْلَۃً سَمْحَۃً[1] اور مَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ[2] عیسوی دین ہو گیا مجموعہ محالات کہ عیسائیوں میں ناممکن التعمیل احکام بہت ہیں جیسے رہبانیۃ۔ یا یہ کہ کوئی داہنے گلے پر طمانچہ مارے تو بے تامل تو بایاں گال بھی سامنے کر دے کہ لے اور مار۔ یا کل کے لئے ذخیرہ مت کر۔ یا اپنے جانی دشمن کے لئے اکلوتے بیٹے کی طرح خلوص دل سے دعا کر۔ اس طرح کے احکام کتاب میں لکھے ہوئے شاندار ہیں عملاً ہیچ۔ ایسے احکام کے ہوتے نہ دنیا چلی ہو اور نہ چل سکتی ہو۔ ہاں اسلامی حکم جَزَآءُ سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثْلُھَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ[3] ایک واجبی اور معقول بات ہو لیکن تکثیرِ ازدواج کا حکم تو وہی عیسائیوں کی سی بات ہوئی۔ ظاہر میں تو یہ اعتراض بڑا قوی معلوم ہوتا ہو لیکن تکثیر شرعی کا ناممکن التعمیل ہونا تسلیم نہیں۔ اس سے کہ لوگ تعمیل نہیں کرتے کسی حکم کو ناممکن التعمیل نہیں کہہ سکتے۔ لوگ نہیں تعمیل کرتے اس لئے کہ کیا مرد اور کیا عورۃ دونوں نے حدِّ شرعی سے بڑھ کر اپنے ادعائی حقوق قرار دے رکھے ہیں اور دوسرا فریق مزاحمۃ کرتا ہو تو اُلٹے اس کو ظالم ٹھیرتے ہیں یہ ہو خانہ داریوں میں فساد کی جڑ اور یہی وجہ ہے حکمِ خدا

[1] کہ وہ سہل و آسان دین ہو ۱۲ [2] دین کے بارے میں تم پر کسی طرح کی سختی نہیں کی ۱۲ [3] برائی کا بدلہ ہو ویسی ہی بُرائی اس پر بھی جو معاف کر دے اور صلح کرے تو اُس کا ثواب اللہ کے ذمے ہو۔ ۱۲

ناحق بدنام ہی۔ اِس بارے میں عورتوں کی طرف سے اکثر زیادتی ہوتی ہو کہ نہ اپنی حالۃ اپنی ضرورۃ پر نظر کریں اور نہ مردوں کی سوکن کے نام کو اپنی چِڑ بنا رکھا ہو۔ ہمارے متعارفین میں ایک شامت کے مارے نے پہلی بی بی کی حین حیاۃ میں دوسرا نکاح کرلیا۔ پہلی ان کی چوبیس پچیس برس کی رفیق تھی صورۃ شکل کی بدرجۂ اوسط اچھی خاصی صاحبِ اولاد بیٹوں کی جگہ بیٹے بیٹیوں کی جگہ بیٹیاں۔ بڑی بیٹی کے آگے ایک چھوڑ دو دو بچے۔ سیانا بیٹا ماشاء اللہ جیسے چھ مہینے پورے نہیں ہوئے بسم اللہ ہوئی تھی۔ گود میں ڈیڑھ پونے دو برس کی بیٹی۔ بہو پورے دنوں۔ بزرگوں کے وقت کی جاگیر بحال۔ آمدنی بافراغت و افر بھی میاں بی بی میں اَن بَن سُننے میں نہیں آئی مگر ہوا یہ تھا کہ بی بی کو مدۃ سے دھڑکن کا روگ تھا کوئی کہتا تھا آسیب کا ساخلل ہی غرض بیچاری اکثر مریض رہتی تھی۔ اور شاید یہی وجہ ہوئی کہ میاں نے دوسرا گھر آباد کیا۔ پہلی کو خبر ہوئی تو پچھاڑ کھا کر زمین پر گری کچھ دیر میں گلاب کے چھینٹوں سے ہوش آیا تو پیٹ پیٹ کر ہمسائے اور سارے کنبے کی عورتیں جمع کرلیں بہتیرا سمجھایا کہ خدا رکھے تمہارے سارے ارمان نکل چکے اب تم کیوں اپنی جان کھوتی ہو کرلی تو بلا سے۔ باوجودے کہ میاں نے عدلِ مستطاع میں کمی کرنیکا خیال تک بھی نہیں کیا مگر یہ نیک بخت گھر میں اُن کے آنے کی روادار ہی نہ ہوئی۔ ایک ریختی گو شاعر نے یہ ماجریٰ نظم کیا ہے نظم کا ایک شعر کبھی کا سُنا سنایا ہم کو بھی یاد ہی ؎ یہ شرکت تو بندی کو بھاتی نہیں ؛ کروں کیا کہ پتھر کی چھاتی نہیں ؛ ہم تو اس کو بھی بے انصافی سمجھتے ہیں کہ سارا اُلاہنا عورتوں کے سر تھوپ دیں۔ مرد بھی اپنی جگہ کون سے بھلے مانس ہیں۔ عدلِ مستطاع کے لئے بھی بڑا ضابطہ آدمی چاہیئے۔ فی اکثر الاحوال تکثیرِ ازدواج کی اصلی محرک حُسن پرستی ہوتی ہی اور حُسن کا حال یہ ہو کہ ایک ملک کے لوگ اعضائے خاص کی شکل وصورۃ اور رنگ اور وضع کی نسبتہ ایک خاص قرارداد کرلیتے ہیں کہ اس طرح کے اعضا کو حسین سمجھیں گے اول تو مذاقِ حسن سب جگہ یکساں نہیں۔ انگریز کنجی آنکھوں و بھورے بالوں کے شیدا ہیں ہم موتی چور آنکھوں اور کالے بالوں کے۔ چینیوں نے ناک کو چہرے کی ہمواری میں خلل انداز سمجھ کر بچوں کی ناک پر کمانیاں چڑھا چڑھا آخر ناک کو مٹا چھوڑا۔ حبش میں کوئی ہمارے ملک کا گیہوں رنگ آدمی جا نکلے تو اُس کو مبروص سمجھ کر اُس کی چھاؤں سے دور بھاگیں۔ حبشیوں کے ہونٹوں کو تو سُنا ہوگا۔ لب زیر بلبش تا بره یعنی رسیده ولب زیر بلبش تا زنخدان فرو ہشتہ اختلاف مذاق پر طرہ یہ کہ ہر شخص کو اپنے مذاق کے مطابق حُسن سے یکساں طور پر ہیجان ہوتا ہی۔ حالانکہ اعضاء خارجی کے حُسن کو کیسا بھی ہو نفسِ خواہش میں کچھ بھی دخل نہیں۔ مثلاً ہمارے شاعر ناک کی شان میں کہتے ہیں ع آتشِ حُسن سے ایک شعلۂ سرکش بینی ؛ لیکن ہمارے نزدیک اگر کسی کی ناک اچھی ہی تو وہ اُسی ناک والے کی کام کی ہے وہ بھی اُس صورۃ میں کہ اُس کی قوۃِ شامۃ صحیح ہو۔ نتھنوں کی راہ سانس کی آمد وشد میں رُکاوٹ نہ ہو۔ کسی غیر کو اُس کی ناک سے کیا تعلق یہ ہی اولادِ آدم کی سمجھ ؎ برخیالے نام شان و ننگ شان ؛ برخیالے صلح شان و جنگ شان ؛ بااین ہمہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ آدمی کی فطرۃ میں جہاں اور باتیں ہیں ایک بات یہ بھی ہو کہ اوائل عمر میں اُس کی طبیعۃ جو رنگ پکڑ لیتی ہو وہ تا زیست زائل نہیں ہوتا۔ یعنی ہر شخص اپنے مذاق کے مطابق حسنِ صورۃ کی طرف فطرۃً مائل ہوگا اور اِس میلان میں اُس پر کچھ الزام نہیں۔ غایۃ ما فی الباب یہ میلان مہیج ہی اصل قوۃ کا پس میلان کا بُرا بھلا ہونا موقوف ہی اصلِ قوۃ کے حسن یا قبیح ہونے پر اور اصل قوۃ خداداد یعنی فطری قوۃ ہو کہ عمر کی ایک حدِ خاص کو پہنچ کر خود بخود ظہور کرتی ہی اور تمام خداداد اور فطری

قوتیں حسن ہیں اس واسطے کہ کسی مصلحۃ سے خدا نے دی ہیں۔

اَحۡسَنَ کُلَّ شَیۡءٍ خَلَقَہٗ[1] لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ[2]

ان خداداد قوتوں کے بدون کسی انسان کو انسان کامل نہیں کہہ سکتے۔ ہاں بعض قوتیں ایسی ہیں کہ اُن کو احتیاط سے عمل میں نہ لایا جائے تو امن و عافیۃ میں خلل انداز ہوں جو عموماً کل مذاہب کی غرض و غایۃ ہونی چاہیئے اور خصوصاً اسلام کی ہے سو اسلامی شریعۃ نے احکام و ہدایۃ سے واضح طور پر احتیاط کا رستہ دکھا دیا کہ وہ مصلحۃ بھی فوت نہ ہو جس کے لئے وہ قوۃ دی گئی ہے اور امن و عافیۃ میں بھی کسی طرح کا خلل واقع نہ ہو۔ اب یہی قوۃ ہے جس کی نسبۃ دیر سے بحث ہو رہی ہے کہ اسلامی شریعۃ نے عدلِ مستطاع کی قید لگا کر مردوں کو چار تک کی اجازۃ دینے سے ایک طرف اُن اغراض کی حفاظۃ کی جو تکثیر کے بدون حاصل نہیں ہو سکتیں اور دوسری طرف عورتوں کے حقوق کی کہ اُن پر بھی ظلم نہ ہو جس کی وہ برداشت نہ کر سکیں۔ عیسائیوں میں زناشوئی کا تعلق مرنے بھرنے کا تعلق ہے اور ان کے ہاں مرد عورۃ میں اس طرح کا تعلق ہوتے پیچھے وہ تعلق منقطع نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس طرح کی صورتیں واقع ہوتی رہتی ہیں کہ کسی وجہ سے میاں بیبی میں سازگاری ہو نہیں سکتی یا باقی رہ نہیں سکتی تو اس مذہبی نقص کے رفع کرنے کو ان لوگوں نے ایک عدالتی ایجاد کی جس سے اسلامی طلاق اور خلع کا کام لیا جاتا ہے۔ یہ اور عیسائیۃ کے ایسے کتنے مذہبی نقص ہیں جن کو اسلامی شریعۃ نے پورا کیا مگر ناشکری کا کچھ علاج نہیں۔ خیر تو عدلِ مستطاع میں بھی عورتوں کے حقوق کی رعایۃ ہے اور وہ طلاق سے آسان تر ہے مسلمان بیبیوں کو چاہیئے کہ اس کو غنیمۃ سمجھیں اور اسلام کی احسان مند ہوں۔ عدلِ مستطاع کی شرط عورۃ اور مرد دونوں کے حق میں یکساں مفید ہے کہ عورۃ معلقہ ہونے کی مصیبۃ سے بچتی ہے تو مرد مواخذہ بے انصافی سے وَلَعَذَابُ الۡاٰخِرَۃِ اَکۡبَرُ[3] امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تو مردوں کا ایک اور فائدہ بھی استنباط کیا تھا کہ تکثیرِ ازواج مستلزمِ تکثیرِ عیال ہے۔ عدلِ مستطاع کی قید لگانے سے تکثیرِ ازواج میں کمی ہوگی تو عیال کی تکثیر میں بھی ضرور کمی ہوگی اور قلتِ عیال مستلزمِ قلتِ نفقات ہے یعنی چار تک تکثیرِ ازواج میں تکثیرِ عیال کا چنداں خوف نہیں اور مسلمان محدود تکثیرِ ازواج کے ساتھ بھی فارغ البال اور خوش حال رہ سکتے ہیں لیکن ہماری فہم تو امام صاحب کی منطق کے سمجھنے سے قاصر ہے شخصی حالات کو عیال کی تکثیر اور تقلیل میں بڑا دخل ہے۔ ممکن ہے کہ بعض خانہ داریوں میں چار بیبیوں سے بھی کم میں عیال کثیر ہو جائے اور بہت میں نہ ہو بلکہ ہمارے ملک کے امراء میں تو اکثر معاملہ بالعکس دیکھا جاتا ہے کہ بیبیاں بہت اور اولاد کم یا بالکل نہیں۔ پھر امام صاحب نے ایک فاش غلطی یہ کی کہ اَلَّا تَعُوۡلُوۡا کے معنے قلتِ عیال کے سمجھے حالانکہ لغتِ عربی کی رُو سے یہ معنے اَلَّا تُعِیۡلُوۡا کے ہوتے ہیں نہ الا تعولوا کے اور قرآن میں اَلَّا تَعُوۡلُوۡا ہے نہ اَلَّا تُعِیۡلُوۡا۔ پس تو دہی بات رہی کہ شارعِ اسلام نے تکثیرِ ازواج کی حدِّ غایۃ چار ٹھہرا دی ہے وہ بھی بشرطِ عدل اور عدل نہ ہو سکے تو نہ چار نہ تین نہ دو بس ایک۔ اس کو بھی اجازۃ نہیں بلکہ ایک اعتبار سے تکثیر کی ممانعۃ ہی سمجھو کیونکہ عدل کی شرط کا پورا کرنا گو وہ عدل مستطاع ہی کیوں نہ ہو عقلاً نہیں تو عادۃً محال نہیں تو محال کے قریب ضرور ہے

چار ٹکڑے کروں دل کے کہ نہیں ہو سکتا
رخ کو دوں لب کو نہ دوں زلف کو دوں تل کو نہ دوں

[1] اُس نے جو چیز بنائی خوب ہی بنائی ۱۲ [2] ہم نے انسان کو بہتر سے بہتر ساخت کا پیدا کیا۔ [3] اور آخرۃ کا عذاب (دنیا کے عذاب سے) کہیں بڑھکر ہے ۱۲

اب ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ تمام اقوامِ متمدنہ روئے زمین میں اہلِ عرب کا تمدن بیٹ بھر کر بگڑا ہوا تھا اُن ہی کی اصلاح کے لئے پیغمبر صاحب عرب میں مبعوث ہوئے اِن ہی کی اصلاح کے لئے قرآن عربی زبان میں نازل ہوا بعد کو فرمان واجب الاذعان اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ[1] کے ذریعے سے رسالۃ عالم گیر کر دی گئی اس لئے کہ احکامِ قرآنی فطرۃِ انسانی پر مبنی تھے اور فطرۃِ انسانی تمام بنی آدم میں عام ہی۔ عام تمدن کے ضمن میں اہلِ عرب کی خانہ داری خصوصاً بدتر سے بدتر حالۃ میں تھی۔ انکے یہاں بیبیوں کی کوئی حد نہ تھی۔ اگر ان کی خانہ داریوں کی ساری خرابیاں لکھی جائیں تو بجائے خود ایک مستقل اچھی خاصی کتاب لکھنی پڑے۔ قرآن اور احادیث سے جابجا بہت سی خرابیوں کا پتہ لگتا ہی۔ ہمکو تو اس مقام پر اتنی ہی بات جتانی ہی کہ باجود یکہ عرب میں عورۃ مرد کے مقابلے میں بہت ہی دبی ہوئی تھی اور عورتیں سبھی جگہ مردوں سے دبی ہوئی ہیں خدا نے اُنکی فطرۃ ہی ایسی بنائی ہی تاہم گرچہ وقتِ واحد میں وہ کئی مرد نہیں کر سکتی تھی پھر بھی وہ یکے بعد دیگرے جتنے شوہر چاہتی کرتی اور اُسکی آبرو میں سرِ مُو فرق نہ آتا ہم ہندوستان کے مسلمانوں کی طرح نہیں کہ ہندوؤں میں رہنے سے اپنے مذہب کو بالائے طاق رکھ کر ہندوؤں کی بہت سی رسمیں اختیار کر بیٹھے۔ اے کاش ستی کی رسم بھی اختیار کر لیتے تو بیوہ عورۃ چتا پر بیٹھ کر چند منٹ میں جل بھن کر راکھ ہو جاتی تَذْرُوْہُ الرِّیٰحُ[2] راکھ تو وہ اب بھی ہوتی ہی مگر چونکہ اسلام تو ایسی ظالمانہ رسم کو کیوں جائز رکھنے لگا تھا رسمِ ہنود کی رو سے وہ دوسرا نکاح کر نہیں سکتی گیلی لکڑی کی طرح سُلگ سُلگ کر۔ بس عرب کی عورتوں کے حق میں ایک چھوڑ دوہری دو سہولتیں تھیں۔ ایک ملکی رواج کے مطابق یکے بعد دیگرے متعدد شوہروں سے نکاح کرنے کی۔ دوسری اسلامی شریعۃ کے عدل کی۔ لیکن ہمارے ہندوستان میں پہلی سہولۃ کا نام نہیں۔ عورۃ دوسرا نکاح کرے تو عزۃ آبرو سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ عورۃ تو عورۃ مرد کسی بیوہ عورۃ سے نکاح کرے تو اُس کی اولاد کی نسبت ناطے کی مشکل پڑ جاتے۔ یہ ہی ہمارا ایمان اور اسلام کہ پیغمبر صاحب کی بیبیوں اور اُن کی بیٹیوں سے شرافۃ میں بڑھ کر ہیں۔ مولویوں نے سمجھا بجھا کر اور مسلمانوں کا جم غفیر موند سے نہ کہتے تو دل میں کہتا ہی بہکا کر دو چار رانڈوں کے نکاح کرا دیتے ہیں تو اس سے داغِ کفر و انکار قوم کے ناصیۂ حال سے نہیں مٹ سکتا۔ ہم نے تو جہاں تک ہماری عقل نے یاری دی تکثیرِ ازدواج کے بارے میں اسلامی شریعۃ کے حکم کو منصفانہ اور مطابقِ فطرۃ ثابت کرنے کی کوشش کی اس پر بھی اگر مسلمان قائل نہ ہوں تو اپنا سر کھائیں اور معلوم ہی کہ قائل نہیں ہونگے مرد تو عدل کی قید سے گھبراتے ہیں اَلْاِنْسَانُ حَرِیْصٌ عَلٰی مَا مُنِعَ عورتیں عدلِ مستطاع پر قانع نہیں۔ ان وقتوں کے ایمان جیسے ضعیف ہیں ہم کو معلوم ہی اور ہم تو اس مسئلے پر ہرگز قلم نہ اُٹھاتے مگر مخالفین اُمّہات المؤمنین کو توال کو ڈانڈے اسی تکثیر کی وجہ سے آسمان کو تھوکتے اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے تقدس پر موند آتے ہیں ہم حق بات سے سکوت نہ کر سکے وباللہ التوفیق تکثیرِ ازدواج کا تجربہ اکثر امرا کو ہوتا ہی تو امرا کے فعل کی سند پکڑ کر عام مسلمانوں کو تکثیر کا مجرم ٹھیرانا تری ہیکڑی اور ہٹ دھرمی ہی۔ امرا اور کون سے افعال میں حلال و حرام اور جائز و ناجائز کا تفرقہ کرتے ہیں کہ تکثیرِ ازدواج میں کریں گے دین تو رہا اپنی جگہ یہ دنیا ہی کے نفع و نقصان میں کیا تمیز کرتے ہیں بزرگوں کی کمائی بے دریغ اڑائے چلے جا رہے ہیں۔ اور انجام کار کا کبھی خیال نہیں کرتے اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ[3] تو ان کی تکثیر کے تو ہم جوابدہ نہیں۔ ہاں جس تکثیر کی شرع میں اجازۃ ہی اُس کی

---

[1] اے پیغمبر ہم نے تم کو دُنیا جہان کے لوگوں کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا ہی ۱۲ [2] اس کا ترجمہ اوپر گزر چکا ہی ۱۲ [3] یہ لوگ چارپایوں کے مثل ہیں بلکہ اُن سے بھی گئے گزرے ہوئے ۱۲

حمایتہ کو ہم موجود ہیں۔ پیغمبر صاحب کی تکثیر کو عام مسلمانوں کی شرعی تکثیر پر قیاس کرنا ایسا ہی قیاس مع الفاروق ہے جیسا پیغمبر صاحب کو عام مسلمانوں پر قیاس کرنا۔ پیغمبر صاحب میں اور عام مسلمانوں میں جو وجہ فارق ہے اُس کو خود پیغمبر صاحب نے قرآن کے اِن الفاظ میں صاف بتلا دیا ہے۔ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ اِلَيَّ یہاں تو یُوحیٰ الیَّ انما الٰھکم الٰہ واحد ہے اور دوسری جگہ اُوحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْ بَلَغَ [1] بہر کیف پیغمبر صاحب ہماری ہی طرح کے بشر تھے اور اُن میں تمام بشری خواص بھی تھے مگر بشریتہ ایک کثیف چیز ہے اور فرشتے ٹھیرے ارواحِ مجرّدہ اور لطیف۔ اسی لئے پیغمبر کی بشریتہ میں ایک خاص طرح کی لطافتہ یعنی روحانیتہ ہوتی ہے جو کسی اور بشر میں نہیں ہوتی اور اسی روحانیتہ کی وجہ سے فرشتہ پیغمبر پر وحی لاتا ہے یعنی پیغمبر برزخ ہوتا ہے درمیان بشر اور ملائکہ کے ؎ اِدھر مخلوق میں شامل اُدھر اللہ سے واصل ۔ خواص اُس برزخِ کبریٰ میں تھا حرفِ مشدّد کا ۔ پس ہم پیغمبر کے کسی فعل کو نہ اپنے افعال پر قیاس کر سکتے ہیں اور نہ اپنی تحریکات میں سے قطعی طور پر کسی تحریک کو اُن کی طرف منسوب کر سکتے ہیں۔ غرض ہم کو پیغمبر کی حقیقتہ تو پوری پوری معلوم نہیں تاہم ع فکر ہر کس بقدرِ ہمتِ اوست ۔ ہم خالص بشری خواص ہی کے اعتبار سے پیغمبر صاحب کے تعلقات پر نظر ڈالتے ہیں۔ یہاں خاصہ بشری سے مُراد یعنی ہو گی قوۃ۔ اب دیکھنا چاہتے ہیں کہ دواعیِ تکثیرِ ازواج کیا ہو سکتے ہیں مشہور تو یہ ہے کہ ع مال و جمال و آل بخواہند از زناں ۔ لیکن نہ یہ تقسیم درست ہے نہ اس کی ترتیب۔ دواعیِ تکثیرِ ازواج میں سب سے پہلے ہماری نظرِ غلبۂ قوۃ پر پڑتی ہے کہ یہ قوۃ ہی مرد اور عورۃ دونوں کو ایک دوسرے کی طرف مائل کرتی ہے۔ خلاقِ عالم نے اِس قوۃ میں ایک طرح کی لذّۃ رکھی ہے اور وہ لذّۃ مقصود بالذات نہیں بلکہ مقصود بالذات ہے تکثیرِ نسل جو نتیجہ ہے اِس قوۃ سے کام لینے کا۔ مگر کوتاہ بین آدمی نے تکثیرِ نسل سے قطع نظر کر کے لذّۃ کو مقصود بالذات بنا لیا۔ یہ قوۃ بھوک پیاس کی طرح اضطراری نہیں مگر لوگ اِس کے پیچھے سلطنتیں تک کھو بیٹھے ہیں۔ بایں ہمہ چونکہ فطری اور خدا داد ہے ہم اِس قوۃ کو بُرا بھی نہیں کہہ سکتے۔ قوۃ فی نفسہا بُری نہیں بے جا استعمال نے اِس کو بد نام کر رکھا ہے ورنہ خدا داد قوتیں سب اچھی ہی اچھی ہیں علیٰ ہٰذا القیاس غصّہ۔ علیٰ ہٰذا القیاس حُبِّ مال۔ بلکہ فطری قوتوں میں ایک بات اور بھی دیکھی جاتی ہے کہ اِن قوتوں کی زیادتی کمالِ انسانیتہ کی دلیل سمجھی جاتی ہے۔ حافظہ۔ ذہانتہ۔ باصرہ۔ سامعہ۔ توانائی۔ کل جسمانی قوتوں کا یہی حال ہے اور اب یہ بات عام طور پر مان لی گئی ہے کہ روح کی توانائی جسم کی توانائی پر موقوف ہے جسمِ ضعیف روحِ قوی کا حامل ہو نہیں سکتا اور سرکاری مدارس میں اسی مصلحت سے لان ٹنس اور فٹ بال اور دوسرے کھیلوں کی ریاضتیں لازمی قرار دی گئی ہیں تاکہ طلبہ چاق چوبند چونچال ہوں۔ اِس اصول کے مطابق اِس قوۃ کا بھی جو زیرِ بحث ہے یہی حال ہونا چاہیئے مگر کثرتِ استعمال بے جا نے زیادتی تو رہی در کنار سرے سے قوۃ ہی کو کمالاتِ انسانی کی فہرست سے خارج کر دیا ہے۔ شاید حیا دار شخص یہ چاہتے ہیں کہ لوگ عنّین پیدا ہوں تو وہ معتوہ العقل بھی ہوں گے اور ایسا ہی دیکھا بھی گیا ہے۔ پس جب یہ قوۃ فطری ہونے کی وجہ سے قبیح نہ ٹھیری بلکہ جو اس قوۃ سے محروم ہو وہ انسانِ ناقص سمجھا جائے تو اُس کے مؤیّدات اور معدّات کیوں قبیح ہونے لگے یعنی مثلاً محلِ استعمالِ قوۃ کا حُسنِ صورۃ کہ وہ مثیر بر بیست کہ مذاقِ قومی کے مطابق قوۃ کو ہیجان میں لانے والا ہے۔ شباب کو بھی ہم حُسنِ صورۃ کی ایک دلیل سمجھتے ہیں ؎

شاہد آں نیست کہ موئے و میانے دارد
بندۂ طلعتِ آنیم کہ آنے دارد

[1] میں (بھی) تم ہی جیسا بشر ہوں (مگر) مجھ پر وحی آتی ہے ۱۲ [2] یہ قرآن میری طرف اسی لئے وحی کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ سے تم کو اور جسے (اس کی خبر) پہونچے ہمکو اُس عذاب خدا سے) ڈراؤں۔ ۱۲

کچھ حُسنِ صورۃ پر موقوف نہیں کہ اسی کی وجہ سے مرد عورتوں کی طرف رغبۃ کرتے ہوں اور بھی چند در چند باتیں ہیں جو مردوں کو مرغوب ہیں۔ کوئی ہنرمند کو پسند کرتا ہے۔ کوئی دیندار کو۔ کوئی خدمت گزار اور اطاعت شعار کو۔ کوئی اچھے خاندان کو۔ کوئی مالدار کو جو بہت سارا جہیز لائے اور ساس سُسر اس قدر خوش حال ہوں کہ بیٹی کو معقول آمدنی کی جائداد جہیز میں دیدیں تو مدعا کیا چاہیے دو آنکھیں کوئی لکھی پڑھی کو آج کل کے انگریزی خواں ایسی بے تکلف کو جو تہذیب النسواں میں شوہر کیلئے اشتہار دے انتخاب شوہر سے پہلے جو مانگے اُس کو اپنا فوٹو بھیج دے اس کے اندرونی حالات پوچھے جائیں تو اپنا کچا چٹھا کھول کر آگے رکھدے یعنی اُڑ کر مردوں کو لپٹتی پھرے۔ کوئی اولاد کیلئے بی بی کرتا ہے اور اُسی نے عورۃ کی غرض و غایۃ کو ٹھیک سمجھا ہے غرض شخصی ضرورتیں شخصی مذاق بہتیرے ہیں جنکی وجہ سے مرد عورتوں پر گرتے ہیں۔ اب ہم کو ٹٹول کرنی چاہیئے کہ بیبیوں سے پیغمبر صاحب کی کونسی غرض متعلق ہو سکتی تھی۔ چونکہ وہ بشر تھے اور بشر بھی کامل القوی اور خود پکارے کہتے تھے۔ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ؎۱ اور لَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ؎۲ تو ذکور کو اناث کی طرف مائل ہونے میں تمام جائز وجوہ جو اوروں کی طرف منسوب ہو سکتی ہیں پیغمبر صاحب کی طرف بھی منسوب کی جا سکتی ہیں بے اس کے کہ اُن کی شانِ پیغمبری میں ذرا سا بھی ضعف آئے یہ کچھ انوکھے پیغمبر تو نہ تھے ؎۳ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ ان سے پہلے بھی بہت پیغمبر آئے ؎۴ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ اور وہ سب صنفِ بشری سے تھے اور ستّہ ضروریہ کے بدون ترکیبِ عنصری کو باقی نہیں رکھ سکتے تھے۔ ؎۵ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ تو اس ایک قوۃ ؎۶ لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً نے کیا قصور کیا ہے کہ اس کا عمل میں لانا مستلزم کسرِ شانِ پیغمبری ہو۔ ہاں دواعیِ نکاح جو ہم نے اوپر گنوائے ہیں پیغمبر صاحب میں اشاعۃ اسلام کا ایک داعیہ خاص بھی تھا تمام دواعی پر غالب وہ دینِ توحید لے کر آئے تمام ادیانِ مروّجہ کے مخالف اور لے کر آتے ایسے لوگوں میں جن کو بھلمنساہت چھو نہیں گئی تھی۔ وہ جھوٹے منہ کے ساتھ گالی گلوج اور مار کٹائی پر اُتر پڑے صبر و تحمل کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ مگر کرتے کیا ایک طرف خدا کہتا ہے۔ ؎۷ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ اور اسی پر بس نہیں دوسری جگہ فرماتا ہے۔ ؎۸ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ دوسری طرف جو ہے خون کا پیاسا ہے اور اگر ؎۹ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ

؎۱ کہ میں بھی تم ہی جیسا بشر ہوں ۱۲ ؎۲ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا (کی سرکار) کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم سے کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں ۱۲ ؎۳ میں پیغمبروں میں کوئی انوکھا پیغمبر تو ہوں نہیں ۱۲ ؎۴ ان (پیغمبروں) میں سے (بعض) ایسے ہیں جن کے حالات ہم نے تم کو سنائے اور ان میں سے (بعض) ایسے ہیں جن کے حالات ہم نے تم کو نہیں سنائے ۱۲ ؎۵ وہ (پیغمبر) کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں (بھی) چلتے پھرتے تھے ؎۶ تاکہ تم کو ان کی طرف (رغبت کرنے سے) راحت ملے اور (تم میاں بیبی) میں پیار اور خلاص پیدا کیا ۱۲ ؎۷ اے پیغمبر جو (احکام) تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل ہوئے ہیں (بلا کم و کاست لوگوں کو) پہنچا دو اگر تم نے ایسا نہ کیا تو سمجھا جائیگا کہ تم نے خدا کا (کوئی) پیغام (بھی لوگوں کو) نہیں پہنچایا ۱۲ ؎۸ اور اگر (پیغمبر زبردستی) کوئی بات ہمارے سر چپکاتا تو ہم نے خونیوں کی طرح اُس کا داہنا ہاتھ پکڑ کر اسکی گردن اڑا دی ہوتی اور تم میں سے کوئی بھی ہم کو اس سے روک نہ سکتا ۱۲ ؎۹ اور اللہ تم کو لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا ۱۲

اور وَاصْبِرْ[۱] وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ کی تقویۃ اور حمایۃ اور حفاظت نہ ہوتی تو رسالۃ کی بیل ایک گھڑی بھی منڈھے چڑھنے والی نہ تھی۔ مگر صداقۃ کے بھروسے پر پیغمبر صاحب ۱۳ برس دشمنوں کے نرغے میں چھاتی پر بڑے مونگ دلوایا کئے یہاں تک کہ آخر کو پائے ثبات جگہ سے اُکھڑ گئے اور بھاگ کر مدینے جا پناہ لی۔ آلہی کیسے دل ہیں کہ یہ سب کچھ سُن سمجھ کر بھی اسلام پر نہیں پسیجتے۔ لوگ بیبیاں کرنے میں جو اغراض مدِ نظر رکھتے ہوں ہمارا دل تو گواہی دیتا ہے اور ہمارا دل کیا گواہی دیتا ہے ہر ایک منصف دل گواہی دے گا کہ پیغمبر صاحب نے جو بی بی کی اسلام کا مفاد مدِ نظر رکھکر کی۔ کیسی نفسانی خواہش اور کیسا حسن و جمال اور کیسی دولۃ اُن کو اسلام کے آگے کچھ سوجھتا ہی نہ تھا۔ ہم اس کی ضرورۃ تو سمجھتے نہیں کہ مناکحہ کو خلاف شانِ پیغمبری سمجھ کر پیغمبر صاحب میں فقدانِ قوۃ کے قائل ہوں ایسا سمجھنا اُنکے کمالِ انسانیۃ کو بٹہ لگانا ہے۔ سچی اور سیدھی بات یہ ہے کہ پیغمبر صاحب کی مناکحہ میں اِس قوۃ کو بھی دخل ضرور تھا مگر اسلام کی دُھن کے آگے پیغمبر صاحب کی تمام بشری خواہشیں بشری اغراض مغلوب تھیں۔ ہر نکاح میں اوّل اور اقدم اسلام اور اسلام کی رو کھن میں دوسری اغراض اور یہی وجہ تکثیرِ ازواج کی بھی ہوئی کہ دامادی کے دباؤ سے سارے سسرالی قبیلے کو جھکنا پڑتا ہے اور یہی کی اسلام کی اشاعۃ کے لیے بڑی ضرورۃ تھی یہانتک کہ جب اسلام کو خدا نے غلبہ دیا اور اعوان و انصار کے بہم پہنچانیکی ضرورۃ نہ رہی تو لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ سے تکثیر کو روک دیا۔ غرض ہم تو پیغمبر صاحب کے نکاحوں میں کسی طرح کی اخلاقی بُرائی پاتے نہیں۔ یہ بات کہ اشاعۃ اسلام کے آگے پیغمبر صاحب کی تمام بشری خواہشیں مغلوب تھیں اس کی ہمارے پاس بہت سی دلائل ہیں از انجملہ یہ کہ پیغمبری کے پہلے سے پیغمبر صاحب بالطبع بُت پرستی سے نفور تھے اور اپنی قوم اپنے اہلِ وطن بلکہ تمام لوگوں کو مبتلائے گمرہی دیکھکر بہت ہی بے چین رہتے تھے۔ اُن کو اِس فکر میں کھانا پینا سونا ملنا جلنا کوئی چیز بھلی نہیں معلوم ہوتی تھی بسکہ اُنکے اخلاق کا اصل الاصول ہے۔ غلبۂ اسلام کے ساتھ اِس فکر کی شان تو بدلی مگر مرتے دم تک رہے اِسی فکر میں منہمک سے

| | | | |
|---|---|---|---|
| | غم کے جانے کا بہت ماتم رہا | | غم رہا جب تک کہ دم میں دم رہا |

ہم اُس درد کا ٹھیک اندازہ کر نہیں سکتے جو اُن کو ابنائے جنس کا تھا۔ پیغمبری کے قریب قریب وہ بالکل عزلۃ پسند ہو گئے تھے۔ اکیلے غارِ حرا میں بیٹھے خدا کا دھیان کرتے بلکہ ایک مرتبہ مایوسی کی حالۃ میں پہاڑ پر سے گر کر اپنی جان تک گنوا دینے کا ارادہ کیا تھا۔ اِسی حالۃ پر قیاس کر لو کہ جس شخص کے ایسے خیالات ہوں اُس کو نفسانی خواہشیں کہاں تک گدگدا سکتی ہیں۔ عرب جیسے گرم ملک کے رہنے والے جہاں مرد اور عورۃ دونوں سویرے بالغ ہو جاتے ہیں اوّل درجے کے شریف النسب جوان خوش رو نیک نام بہمہ صفت موصوف یہ تو اگر جھوٹوں طلب کرتے ملّے کے بڑے سے بڑے رئیس بیحول اپنی بیٹیاں ان سے بیاہ دیتے مگر ان کو اپنے مذہبی استغراق میں ایسی باتوں کا خیال ہی نہ تھا۔ پیغمبر صاحب تو یتیم پیدا ہوئے تھے شروع سے دادا عبد المطلب کی کنارِ عاطفۃ میں پرورش پائی اُن کے انتقال کے بعد چچا ابو طالب کفالۃ کرتے رہے۔ قریش خانہ کعبہ کی تولیۃ کی وجہ سے تمام قبائل عرب کے رئیس تھے اور قبیلہ قریش کے رئیس کا بڑا عن کا بر پیغمبر صاحب کے آبا و اجداد تو

لہ اور (اے پیغمبر تم مخالفوں کی ایذاؤں پر) صبر کرو اور (خدا کی توفیق کے بدون تو تم صبر کر ہی نہیں سکتے اور (ان (مخالفوں کے حال) پر افسوس نہ کرو۔ اور یہ لوگ جو (تمہاری مخالفتیں) تدبیریں کیا کرتے ہیں اس سے تنگ دل نہ ہو ۱۲ سلہ (اے پیغمبر اسوقت کے) بعد سے دوسری عورتیں تم کو درست نہیں ۱۲

باوجود سخت مذہبی مخالفۃ اور برخاش کے پہلے عبدالمطلب اور عبدالمطلب کے بعد ابوطالب کی حمایۃ کی وجہ سے پیغمبر صاحب دشمنوں کی دست درازی سے بہت کچھ محفوظ تھے مگر وہ لوگ اس ٹوہ میں تھے کہ کسی ڈھب سے دادا اور چچا ان سے دست بردار ہوجائیں تو پھر ٹنٹا ہی سمجھتے ہیں اس آئے دن کے جھگڑے کا تیا پانچا کردیں۔ بہ دل میں ٹھان رو دار جمع ہو کر ابوطالب کے پاس گئے اور اُن سے جاکر کہا کہ آپ کو تو کچھ خبر نہیں ہوتی آپ کے بھتیجے نے ہم سب کا ناک میں دم کر رکھا ہی اُس کو ایک نئے دین کا خبط اُچھلا ہی سر بازار اور گلی کوچوں میں ہمارے مذہب کی توہین بزرگوں کی تحمیق کرتا پھرتا ہی۔ ہم آپکے لحاظ سے لہو کے سے گھونٹ پی کر رہ جاتے ہیں۔ آپ اس کو ہمارے سامنے بُلا کر پوچھئے تو سہی کہ آخر یہ چاہتا کیا ہی۔ اگر ریاستہ کی ہوس ہو تو ہم سب اس بھرے مجمع میں اسکو اپنا بادشاہ تسلیم کئے لیتے ہیں۔ اگر دولتہ درکار ہی تو جتنا کہے چندہ جمع کردیں کہ ایک امیرالامراء ہوجائے اگر خوب صورۃ عورۃ چاہیئے۔ تو قریش کی عورتیں حسن میں شہرۂ آفاق ہیں جس کو پسند کرے اُسکو اُس سے بیاہ دیں۔ اور اگر اسکا دل اُلٹ گیا ہو تو طبیب سیانے سے اُسکا علاج کرائیں اور اگر کسی صورۃ سے راضی نہو تو آپ اپنے دین آبائی کی خاطر ہم سب کی خاطر اس پر سے اپنا ہاتھ اُٹھا لیں پھر ہم اُس سے سمجھ لینگے یا یہی نہ ہوگا یا ہم ہی نہ ہونگے ابوطالب نے پیغمبر صاحب کو سب کے روبرو بُلا کر کہا کہ بھتیجے یہ تمہاری قوم کے بھلے بھلے آدمی تم سے ایک معقول درخواست کرتے ہیں تم سوچ سمجھ کر ان کو جواب دو پیغمبر صاحب نے چچا کے اس کہنے سے ایسا خیال کیا کہ شاید چچا مجھکو جواب دیتے ہیں سمجھکر ان کو اپنی بے کسی پر رونا آیا مگر کہا تو یہ کہا کہ یہ لوگ مجھکو کیا لالچ دکھاتے ہیں اگر چاند سورج کو بھی میری گود میں لا بٹھائیں میں اپنے ارادے سے باز آنے والا نہیں۔ یہ حکایۃ ہم نے اس غرض سے بیان کی کہ پیغمبر صاحب کو بہی کی خواہش ہوتی تو اس سے بہتر اور کون موقع ہوسکتا تھا مگر اُن کو اس سے بحث ہی نہ تھی۔ اِن کا پہلا نکاح اُمّ المؤمنین خدیجۃ الکبریٰ سے ہوا اُن کی خواستگاری سے نہیں بلکہ خدیجۃ الکبریٰ نے خود پیام دیا۔ نکاح کے وقت پیغمبر صاحب کی عمر ۲۵ برس کی تھی اور خدیجۃ الکبریٰ کی مہ کی۔ علاوہ بریں خدیجہ پیغمبر صاحب کی پہلی بی بی تھیں اور پیغمبر صاحب خدیجہ کے تیسرے شوہر۔ ان کے پہلے شوہر ابو ہالہ اور دوسرے عتیق ان کو بیوہ چھوڑ کر مر گئے تھے۔ اس حکایۃ سے کام کی کئی باتیں مستنبط ہوتی ہیں۔ سب سے پہلے یہ کہ نفسانی خواہش پیغمبر صاحب کو خدیجہ سے نکاح کرنے کی محرک نہیں ہوئی ورنہ وہ اپنے سے پندرہ برس بڑی بیوہ صاحب اولاد کو نہ کرتے بلکہ خدیجہ میں چند در چند خصوصیتیں تھیں سب سے زیادہ نمایاں خصوصیۃ ان کے مذہبی خیالات تھے۔ ان کے تفصیلی حالات پیغمبر صاحب کی دوسری بیبیوں کی طرح ان ہی کے بیان خاص میں لکھیں گے۔ تو جب عنفوان شباب میں پیغمبر صاحب نے نفسانی خواہش کی پروا نہ کی بعد کے نکاحوں میں جب کہ یومًا فیومًا عمر رُو بانحطاط تھی اور اسلامی ترددات روز افزوں یا د کیونکر کر سکتے تھے پیغمبر صاحب کے مزاج میں حیا کی افراط بھی بدرجۂ غایۃ تھی اَلْحَيَاءُ مِنَ الْإِيمَانِ اور اس کی وجہ سے وہ تکثیر نار وا پر قادر ہی نہ تھے۔ ایک دفعہ کا مذکور ہی کہ کعبہ آتش اتفاقی سے جل کر مسمار ہوگیا تھا قریش نے جمع ہو کر از سر نو اُس کو بنانا شروع کیا تو ہر شخص کار ثواب سمجھکر اُس کی تعمیر میں جو جس سے بن پڑتا تھا خدمت کرتا تھا یہانتک کہ مال مسالا کندھوں پر ڈھو ڈھو کر پہونچا رہے تھے انہیں پیغمبر صاحب کے چچا عباس بھی تھے اتنے میں پیغمبر صاحب بھی آنکلے اور لگے کندھے پر پتھر ڈھونے اس وقت پیغمبر صاحب کی عمر ۱۲ برس کی رہی ہوگی اور عرب میں اتنی عمر کے لڑکے ستر عورۃ بہت کم کیا کرتے تھے۔ عباس نے جو ان کو کندھے پر پتھر لاتے دیکھا انکا تہمد کھول کنڈلی بنا کندھے پر رکھدیا کہ اس پر پتھر رکھو نہیں کندھا چھل جائیگا۔ تہمد کا کھولنا تھا کہ مارے حیا کے غش کھا کر گر پڑے



لہ حیا ایمان کی ایک شاخ ہے۔ ۱۲

تہمد بدستور باندھ دیا تب ان کو ہوش آیا۔ پھر آخر عمر تک یہی حال رہا کہ عورتیں بیعۃ کرنے آتیں تو اُن کو دور ہی سے کہدیتے کہ جاؤ تمہاری بیعۃ ہوگئی غرض کسی اجنبی عورۃ کا ہاتھ تک نہیں چھوا۔ ہم نے اب تک پیغمبر صاحب کی تکثیر ازواج کے متعلق جو کچھ لکھا پیغمبر صاحب کی طرف سے لکھا کہ اِن کی مناکحت میں غرضِ اوّلین پاسداریِ اسلام ہوتی تھی اور اگر علیٰ سبیل التنزل غرض ثانوی کے طور پر اس میں شائبۂ خواہش نفسانی کا بھی ہو تو چونکہ خواہشِ نفسانی فطری اور خداداد اور بقائے نوعِ انسان کا سبب ظاہر ہے اور اسی وجہ سے کوئی فرد بشر اِس سے بری نہیں تو پیغمبر صاحب میں اِس خواہش کے ہونے سے اُن کی شان پیغمبری میں کسی طرح کا ضعف اور فتور نہیں آتا بلکہ اِس خواہش کا فقدان نقصان بشریت ہے اور پیغمبر کی شان اِس سے ارفع و اعلیٰ ہے یہ سب کچھ ہے مگر نکاح سے تو زن و شو دو شخصوں کے حقوق متعلق ہوتے ہیں تو ہم کو اُمہات المومنین کے لحاظ سے بھی پیغمبر صاحب کے نکاحوں پر نظر کرنی چاہیئے کہ کہیں یہاں پانی نہ مرتا ہو۔ عرب کے رسم و رواج نے عورتوں کے تمام حقوق پامال کر دیئے تھے کہ عورۃ مرد سے کسی حق کا مطالبہ ہی نہیں کر سکتی تھی مگر اسلام نے لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ سے اور تکثیر ازواج کی صورت میں عادل کی شرط سے عورتوں کو حقدار ٹھیرایا۔ دیکھنا یہ ہے کہ پیغمبر صاحب اپنی ازواج میں کہاں تک شرط عدل کا ایفا کرتے تھے۔ سو سِیَر کی تمام کتابیں بالاجماع گواہی دیتی ہیں کہ پیغمبر صاحب نے اُمہات المومنین میں بالمساواۃ دن تقسیم کر رکھے تھے جس دن جس کی باری ہوتی اُسی کے یہاں شب باش ہوتے۔ سفر میں کسی کو ساتھ لے جانا ہوتا تو قرعہ ڈالتے غرض سفر میں حضر میں کسی حالۃ میں مساواۃ کے قاعدے کا نقض نہیں کیا جس دن مرض الموت میں علیل ہوئے زینب بی بی کی باری تھی۔ اِس خیال سے کہ ام المومنین عائشہ کے گھر میں تیمار داری اچھی طرح ہوگی اور اِن کے والد ابو بکر رضؓ جو پیغمبر صاحب کے مشیر خاص تھے کی بیٹی کے گھر بے تکلّف آمد و شد کر سکیں گے سب بیبیوں کی اجازۃ سے عائشہ رضؓ کے گھر بیماری کے دن کاٹنے چلے گئے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اُمہات المومنین کو عام بیبیوں پر قیاس کرنا بھی ٹھیک نہیں يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ بے شک پیغمبر صاحب کی بیبیاں پیغمبر تو نہ تھیں اور کبھی کوئی عورۃ نبی نہیں ہوئی مگر مردوں میں جو شرف پیغمبر صاحب کو حاصل تھا عورتوں میں شرف ہم بستریِ پیغمبر کو بھی اُسی کے لگ بھگ سمجھو۔ اَلطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ دُنیا کی نظروں میں وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ کیا کچھ تھوڑا شرف ہے جس طرح پیغمبر صاحب اسلام کے آگے کسی دنیاوی خواہش کی چنداں پروا نہیں کرتے تھے یہی حال کل اُمہات المومنین کا تھا کہ پیغمبر صاحب کی ہم بستری کے آگے اُن کی سب خواہشیں مغلوب تھیں۔ عورتوں کو نان و نفقے کی بڑی طمع ہوتی ہے تو اُمہات المومنین سب کی سب خوش دلی کے ساتھ فقر و فاقے میں بسر کرتی تھیں۔ پیغمبر صاحب نے صاف لفظوں میں اِن سب سے کہدیا تھا۔ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا

۱؎ جیسے (مردوں کا حق) عورتوں پر ویسے ہی دستور کے مطابق عورتوں کا (حق مردوں پر) ۱۲ ۲؎ پیغمبر کی بیبیو! تم کچھ عام عورتوں کی طرح تو ہو نہیں ۱۲
۳؎ پاک عورتیں پاک مردوں کے لئے ہوتی ہیں اور پاک مرد پاک عورتوں کے لئے ۱۲ ۴؎ اور پیغمبر کی بیبیاں (ادب و تعظیم میں) اُن کی مائیں ہیں ۱۲ ۵؎ کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اُس کے ساز و سامان کی طلبگار ہو تو آؤ میں تمہیں (کچھ) دے دلا کر خوش اسلوبی سے رخصت کر دوں اور اگر تم خدا اور اُس کے رسول کے گھر کی خواہاں ہو تو تم میں سے جو نیکو کار ہیں اُن کے لئے خدا نے (بڑے) بڑے اجر تیار کر رکھے ہیں ۱۲۔

روایۃ ہو کہ یہ آیۃ نازل ہوئی تو پیغمبر صاحب نے عائشہ رضؓ کی نو عمری کی وجہ سے اِن سے کہا تھا کہ دو ٹوک جواب دینے سے پہلے تم اپنے باپ سے رائے لے لینا عائشہ رضؓ نے چھوٹتے ہی کہا کہ باپ سے صلاح لینے کی کچھ ضرورۃ نہیں ہیں خدا رسول اور دارِ آخرۃ کو اختیار کرتی ہوں۔ اِسی سے سمجھ لو کہ اُمہات المومنین پیغمبر صاحب کی زوجیۃ کی کس قدر عظمت کرتی تھیں۔ اُمّ المومنین سودہ رضؓ عمر سے اُترتی ہوئی تھیں اِن کو از خود خیال ہوا کہ کہیں پیغمبر صاحب مجکو چھوڑ نہ دیں اُنھوں نے خوشی راضی سے عائشہ رضؓ کو اپنی باری دیدی اور پیغمبر صاحب سے کہا کہ مجکو اسی قدر بس کرتا ہو کہ میں قیامۃ میں آپکی بیبی کہہ کر پُکاری جاؤں۔

ہم کوئی ضرورۃ اِس بات کی نہیں دیکھتے کہ پیغمبری تقدّس کے لحاظ سے پیغمبر صاحب کے نکاحوں کو دنیوی اغراضِ خسیسہ کے لوث سے بالکل پاک اور بری ثابت کریں۔ ہم پیغمبر صاحب کو تمام لوازم ضعفِ بشریۃ کے ساتھ بشر مانتے ہیں اور وہ خود اس کے معترف تھے۔ ہاں جو بات تفتیشِ حالات سے ہم کو ثابت ہوئی وہ یہ ہو کہ پیغمبر صاحب اور اُمہات المومنین فریقین کو نکاح میں مذہبی غرض زیادہ تر مقصود تھی پیغمبر صاحب کو اسلام کی تقویۃ اور اُمہات المومنین کو شرف ہم بستری پیغمبر۔ دنیاوی اعتبار سے بھی کیا کوئی عزۃ اِس عزۃ کو پا سکتی ہو کہ پیغمبر صاحب کی بیبیاں ادب اور تعظیم کی رو سے تمام اُمۃ کی مائیں قرار پائیں کبھی اور عورۃ کو بھی یہ رتبہ حاصل ہوا ہی عورتیں بالطبع کھانا پینا خوش حال گھر ڈھونڈا کرتی ہیں سو پیغمبر صاحب کو تو خوش حالی ساری عمر نصیب ہی نہیں ہوئی اور ہوتی کہاں سے' باپ کو تو آنکھ کھول کر دیکھا تک نہیں۔ دادا نے یتیم پوتے کو پالا۔ تو خیر اِن کے وقت میں خدا نے ننگا بھوکا نہیں رکھا۔ دادا کے مرے پیچھے چچا ابو طالب نے دست گیری کی۔ تو وہ خود فرض دار اور کثیر العیال تھے۔ اُمّ المومنین خدیجہ رضؓ کے تعلق سے پیغمبر صاحب کی خوش حالی کا آغاز سمجھو تو مذہبی مخالفۃ کی وجہ سے قریش نے اِن کو اور اِن کے طرفداروں کو شعب ابی طالب میں نظر بند کر دیا۔ برادری سے خارج۔ کھان پان موقوف لین دین بند۔ میل جول متروک۔ تو ایسی حالۃ میں خیالی خوش حالی کیا کام دے سکتی تھی۔ ہجرۃ کے بعد سے خیال ہو سکتا ہے کہ مدینے میں مریدوں سے فتوحات ہونے لگی ہوگی۔ تو فتوحات کا حال یہ ہو کہ زکوٰۃ اور صدقات کو پیغمبر صاحب نے نہ صرف اپنے اوپر بلکہ تمام بنی ہاشم پر حرام کر رکھا تھا اور اُن کو لوگوں کے مال کا میل اور اُن کے لینے کو ذلیل بے غیرتی فرماتے تھے ہاں غنیمۃ کی ایک رقم تھی جس سے خوش حالی کی توقع کی جا سکتی تھی۔ تو عرب کا دستور تھا کہ لڑائی میں جو لوٹ کا مال ہاتھ آتا اُس کا چوتھائی فریقِ غالب کے سردار کا حق ہوتا اور تین چوتھائی لشکر کا۔ پیغمبر صاحب نے چوتھائی کو گھٹا کر پانچواں کر دیا اور پانچواں بھی ایک انار و صد بیمار۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ[1] ایک دفعہ کا مذکور ہو کہ حضرۃ علی رضؓ کو معلوم ہوا کہ پیغمبر صاحب کے پاس غنیمۃ میں کچھ لونڈیاں آئی ہیں۔ آپ نے حضرۃ فاطمۃ الزہرا رضؓ کو جا خبر دی کہ تم شکایۃ کیا کرتی ہو کہ چکی پیستے پیستے میرے ہاتھوں میں گھٹے پڑ گئے ہیں اور گھر کے کام کاج سے مجکو اتنی فرصۃ نہیں ملتی کہ بچّوں کی خبر لوں' ایسے میں جا کر اپنے والد صاحب سے ایک لونڈی مانگ لاؤ حضرۃ فاطمہ رضؓ گئیں اور اِن کو پیغمبر صاحب کی عادۃ معلوم تھی کہ وہ مہاجر مسلمانوں کی تکلیف کے آگے اپنی اور اپنے قرابتمندوں کی تکلیف

[1] اور (مسلمانو!) جان رکھو کہ جو چیز تم (لڑائی میں) لُوٹ کر لاؤ اُس کا پانچواں حصّہ خدا کا اور رسول کا اور (رسول کے) قرابت داروں کا اور یتیموں کا اور محتاجوں کا اور مسافروں کا ۱۲۔

کی پروا نہیں کرتے ہچکچاتی ہوئی پیغمبر صاحب کے پاس تشریف لے گئیں، اتفاق سے اِس وقت پیغمبر صاحب گھر تشریف نہیں رکھتے تھے۔ انھوں نے ام المومنین بیبی عائشہ رضؓ سے اپنا واقعہ بیان کیا اور چلتے وقت کہتی گئیں کہ پیغمبر صاحب کو میرا آنا اور یہ واقعہ یاد دلا دینا۔ پیغمبر صاحب تشریف لائے تو حضرۃ عائشہ نے بیبی فاطمۃ الزہرا کے آنے اور آنے کی ضرورۃ بیان کی۔ پیغمبر صاحب بیبی فاطمہ کے گھر تشریف لے گئے اور اُس وقت یہ دونوں میاں بیوی سونے ہی کو تھے۔ انھوں نے پیغمبر صاحب کی آہٹ پائی تو لگے کھڑے ہونے۔ پیغمبر صاحب نے فرمایا بیٹا! لیٹے رہو چنانچہ آپ بیبی فاطمہ رضؓ اور حضرۃ علی رضؓ دونوں کے بیچ میں جا بیٹھے اور لگے فرمانے کہ تم نے جس چیز کی مجھ سے درخواست کی ہے میں اس سے بہتر ایک چیز تمہیں بتاتا ہوں، وہ یہ کہ جب تم دونوں میاں بیوی سونے کے لئے بچھونے پر آیا کرو تو ۳۳ دفعہ سبحان اللہ اور ۳۳ دفعہ الحمد للہ اور ۳۴ دفعہ اللہ اکبر کہہ لیا کرو، یہ عمل تمہارے لئے خادم سے بہت بہتر ہے۔ تو یہ نہیں کہ پیغمبر صاحب کو خوش حال ہونے کے مواقع نہ تھے، مواقع تو بہتیرے تھے مگر وہ آپ خوش حال زندگی بسر کرنا نہیں چاہتے تھے بلکہ اپنے خاندان بھر کے حق میں خدا سے دُعا کیا کرتے تھے کہ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ اٰلِ مُحَمَّدٍ کَفَافًا[1] پیغمبر صاحب کی بڑی خوش حالی اگر اس کو خوش حالی سمجھا جائے یہ تھی کہ خیبر بے لڑے بھڑے فتح ہوگیا تھا، وہاں کا خراج دستور کے مطابق بلا شرکت غیرے خاص پیغمبر صاحب کا حق تھا۔ خیبر سے جو موٹا جھوٹا اناج از قسم جَو وغیرہ برس کے برس آتا وہ اُمہات المومنین میں علے السّویّہ تقسیم کر دیا جاتا تھا اور اُس میں تنگی سے گذر اوقات ہوتی تھی۔ تنگی پر مزید تنگی یہ تھی کہ کسی کی مجال نہ تھی کہ تنگی کی شکایت کرے۔ ایک دفعہ تنگی رزق سے تنگ آکر اُمہات المومنین نے پیغمبر صاحب سے فریاد کی تو پیغمبر صاحب روٹھ کر سب کے چھوڑ دینے پر آمادہ ہوگئے۔ وہی مثل ہوئی کہ نماز معاف کرانے گئے روزے گلے پڑے۔ پیغمبر صاحب کو روٹھا دیکھکر ابو بکر رضؓ نے عائشہ رضؓ کی اور عمر رضؓ نے حفصہ رضؓ کی باپ ہونے کی حیثیت سے خوب خوب گوشمالی کی۔ اور تنگی پر گزر کی صورۃ یہ تھی کہ کسی نے عائشہ رضؓ سے پوچھا تو انھوں نے کہا کیسا چھاننا پچھوڑنا جیسے جَو آئے پیسے بھوسی پھونک مار کر اُڑا دی آٹا گوندھا پکایا کھالیا۔ یہ روٹی ہوتی تھی اور سالن نِعْمَ الْاِدَامُ الْخَلُّ[2] ان لوگوں کی غالب غذا کھجوریں کھائیں اور پانی سے اُتارلیں۔ یہ تھی پیغمبر صاحب کی زندگی اُن وقتوں میں جب وہ قریب قریب تمام جزیرۂ عرب کے بادشاہ تھے۔ اِس زہد اور اس ایثار پر بھی اگر وہ سچے پیغمبر نہ تھے تو پیغمبری باتیں ہی باتیں ہیں۔ پیغمبر صاحب کے حالات عسرۃ و ضیق عیش کہ دوست دشمن سب کو معلوم تھے۔ اس پر بھی اُمہات المومنین نے کیوں پیغمبر صاحب کی زوجیت میں آنا اور رہنا قبول کیا اِسکی وجہ شرف ہمبستری کے سوائے اور تو کچھ سمجھ میں آتی نہیں اور آسکتی بھی نہیں۔ سوکنوں کی باہمی کٹا چھنی معمولی اور ضروری بات ہے اور کٹا چھنی ہوتی ہے تو اغراض خسیسہ دنیوی کی وجہ سے اور چونکہ اُمہات المومنین کے حالات میں اس طرح کی بیہودگیوں کا کہیں مذکور تک نہیں یہ بھی اس بات کی کافی دلیل ہے کہ اُمہات المومنین کو مذہبی شرف کے آگے دنیوی مبتذل اور چھوٹی اغراض پر نظر ہی نہ تھی ورنہ خانہ داری کے ہمہ وقت کے رگڑے جھگڑے پیغمبر صاحب کو اس قدر پریشان کئے رہتے کہ وہ مقصد اہم اشاعت اسلام کی طرف توجہ کرنی مطلق فرصت نہ پاتے داد فلیس

[1] خداوندا محمد کی آل و عیال کو اتنی روزی دے گزارے کے قدر۔ ۱۲

[2] عمدہ سالن سرکہ ہے۔ ۱۲

اس سے پہلے کہ ہم فرداً فرداً ایک ایک امّ المومنین کے ساتھ پیغمبر صاحب کے نکاح کے حالات لکھ چلیں مناسب بلکہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ شرافتِ خاندانی کی رُو سے پیغمبر صاحب کا تعارف کرایا جائے تاکہ معلوم ہو کہ پیغمبر صاحب کا خاندان کا بڑا من کا یہ کیسا معزز کیسا باوقار خاندان تھا۔ اس مطلب کے لئے ہم آگے چل کر پیغمبر صاحب کا شجرۂ نسب نقل کئے دیتے ہیں۔ اس کے بعد سلسلے کی کڑیوں میں سے خاص خاص کڑیوں کی نسبت مناسب مقام پر کچھ تشریح بھی کریں گے۔ شجرے پر نظر کرتے وقت یہ بات پیشِ نہادِ خاطر رہے کہ اقوامِ روزگار میں اہلِ عرب کو نسب پر بڑا ناز تھا۔ اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ[1] لوگوں کو دادا پڑدادا، سکڑدادا سے اوپر کے نام معلوم نہیں رہتے اور عرب میں دس دس پندرہ پندرہ پشتوں تک کے نام بچے بچے کو نوک زبان رہتے تھے اور یہ بات عربی دواوین اور حدیث اور سیر کی کتابوں سے بخوبی ثابت ہوتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ نسب پر گھمنڈ کرنا بھی ایک حد تک انسان کی جبلت ہے اور عرب میں تو انسان سے گزر کر گھوڑوں اور اونٹوں تک کے نسب نامے محفوظ رہتے تھے اور عجب نہیں اب تک بھی ہوں۔ نباتات اور حیوانات میں بھی اصالت کا اثر دیکھا جاتا ہے ع گندم از گندم بروید جو ز جو۔ دامنِ کوہِ ہمالیہ میں دہرہ دون کا مشہور رمنہ ہے اس میں سرکار کی طرف سے عمدہ سانڈ گھوڑے چھوٹے ہوتے ہیں۔ ان سے توپ خانوں کے لئے نسل لی جاتی ہے۔ اسی خیال سے ہم نے پیغمبر صاحب کے نسب نامے کو لیا جس سے ضرور یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایسے شریف خاندان کا آدمی عادۃً ممکن نہیں کہ کسی طرح کی بدوضعی سے اپنے بزرگوں کے نام کو بٹہ لگائے اور خود پیغمبر صاحب تو اپنی ذات سے ایسے نیک خصلت تھے کہ محمد امین کہے جاتے تھے یعنی لوگوں نے غالب صفتِ امین کو جزوِ نام قرار دے لیا تھا۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ شرافت کا معیار کیا ہے۔ معیار ہے خصائل حمیدہ مکارمِ اخلاق۔ ہم نے اپنی کتاب اجتہاد میں ثابت کیا ہے کہ دین و مذہب کی اصل الاصول ہے خدا کو ماننا۔ پھر ماننے پیچھے اُس کی مرضی معلوم کرنا کہ وہ ہم بندوں سے کیا چاہتا ہے۔ پھر اُس کی مرضی معلوم کئے پیچھے اُس پر کاربند ہونا۔ اُسی کتاب میں ہم نے یہ بھی ثابت کیا کہ خدا کو ماننا اور اُسکی مرضی معلوم کرنا دونوں باتیں ہمارے لئے فطری ہیں۔ یعنی ہماری فطرۃ منتقاضی ہے کہ ہم چار و ناچار خدا کو مانیں اور وہی فطرۃ ہم کو اُس کی مرضی معلوم کرنے کی طرف بھی رہنمائی کرتی ہے۔ فطرۃ کی بنا پر ہم اس مقصد پر پہنچے کہ خدا یہ چاہتا ہے کہ کارخانۂ عالم کی کل کو جس طرح پر اُس نے اپنی حکمتِ بالغہ سے چلا دیا ہے امن و عافیت کے ساتھ چلنے دیا جائے اُسکی رفتار میں کسی طرح کی رکاوٹ نہ ہو۔ کلوں میں تیل کام میں لایا جاتا ہے تاکہ پرزے آسانی سے چلتے رہیں۔ کارخانۂ عالم کی کل کا تیل ہے دین و مذہب اور دین و مذہب کی غرض و غایت ہے امن و عافیت۔ غرض مذہب کے جتنے بھی احکام از قبیلِ معتقدات و عبادات و معاملات ہیں سب کے سب دُنیا میں امن و عافیت کے قائم کرنے کے لئے ہیں اور چونکہ معتقدات و عبادات سے بھی مقصودِ اصلی معاملات کی درستی ہے اس رُو سے مکارمِ اخلاق اصل دین ٹھیرے۔ کیونکہ مکارمِ اخلاق بحیثیت مجموعی کہ امن و عافیت اور درستی معاملات کا دستور العمل ہیں اور بس۔ مگر اس نکتے کو بہت ہی کم آدمی سمجھتے ہیں۔ اے کاش لوگ مکارمِ اخلاق یا درستی معاملاتِ باہمی کو اصل دین سمجھیں تو امن و عافیت میں بے انتہا افزائش ہو۔ اب جتنا کچھ اور جیسا کچھ امن ہے بھی حاکمِ وقت کے

[1] (لوگو!) کثرتِ (مال اور اولاد) کی حرص تم پر (ساری عمر پردۂ) غفلت ڈالے رہتی ہے یہاں تک کہ (جب) تم قبر میں جاتے ہو (تب تمہاری آنکھیں کھلتی ہیں) ۱۲

قانون اور ایک دوسرے کے ڈر سے اور اسی لئے لوگ گرفت کا پہلو بچا بھی جاتے ہیں۔ اور برابر نقضِ امن ہوتا رہتا ہے۔ لیکن اگر لوگوں کو اعتقاد ہو کہ ابقاءِ امن وعافیۃ عین خدا کی مرضی ہے اور خدا قادرِ مطلق اور دانائے نہان آشکارا بھی ہے یَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ اور اُس نے آخرۃ کی بجز اسی مصلحت سے لگائی ہے کہ دنیا کی ناتمامی کو پورا کرے تاکہ جو لوگ دنیا میں بوجہ من الوجوہ نیکوکاری اور فرماں برداری کے اجر سے محروم رہ گئے ہیں آخرۃ میں ان کی حرمان نصیبی کی تلافی کی جائے اور اسی طرح گنہگار اور نافرمان جو دُنیا میں سزا سے بچ گئے ہیں آخرۃ میں اپنے کئے کا خمیازہ بھگتیں۔ اب ایک بات یہ بھی سمجھنے کی ہے کہ تمدن میں آدمی کے معاملاتِ باہمی گوناگوں اور متنوّع ہوتے ہیں اسی طرح علیٰ اختلافِ الحالات اُس کے اخلاق۔ کہیں اُس کو غصّہ کرنا ہوتا ہے کہیں درگزر۔ کہیں درشتی کہیں نرمی کہیں ملاپ کہیں بگاڑ۔ یہ اخلاق بظاہر ضدّ یکدگر معلوم ہوتے ہیں اور انکو یکساں طور پر مقتضائے فطرۃِ انسانی نہیں ہونا چاہیئے۔ مگر نہیں۔ ہر ایک خُلق اپنے اپنے محل پر مقتضائے فطرۃ ہے۔ جن لوگوں نے فنِّ اخلاق میں مستقل کتابیں لکھی ہیں انھوں نے جزئیات پر نظر کر کے اخلاق کی بڑی لمبی فہرست بنائی ہے۔ ہم نے اپنی کتاب الحقوق والفرائض کے حصّۂ سوم اخلاق میں تمام اخلاق کو اصلِ واحد حفظِ نفس کی فروع قرار دیا تو حفظِ نفس دو شکلوں میں وقوع پذیر ہوتا ہے (۱) جلبِ ملائم (۲) دفعِ ناملائم۔ جلبِ ملائم میں تمام انسانی خواہشیں داخل ہیں جن کا حصول آدمی کی اپنی عافیۃ کے لئے ضروری ہے۔ دفعِ ناملائم میں وہ تدبیریں جو گزند کے روکنے کے لئے کرنی پڑتی ہیں۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں کہو کہ سخاوۃ اور شجاعۃ انسان کے اخلاق یعنی مذہب کی دو بڑی قسمیں ہیں پہلی دوسروں کے لئے اور دوسری اپنے لئے اور ہر ایک کے ذیل میں بہت سی جزئیات ہیں۔ مثلاً رحم اور تواضع کو ہم ایک طرح کی سخاوۃ کہیں گے اور کبر اور ظلم کو شجاعۃ کے تحت میں رکھیں گے یہ باہمی تمیز بھی اعتباری ہے ورنہ انسانی اخلاق ایسے ایک دوسرے سے مخلوط ہیں کہ اشتباہ بھی ہو جاتا ہے۔ اس رُو سے ہم سخاوۃ پر بھی شجاعۃ کا اطلاق کر سکتے ہیں۔ ایک مُصنّف نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ سخاوۃ اور شجاعۃ قسیم یکدگر نہیں بلکہ لازم وملزوم ہیں کہ جو بہادر جان کے دینے میں دریغ نہ کرے مال کے خرچ کرنے میں بخل کر نہیں سکتا۔ خیر یہ تو مصنفوں کی موشگافیاں ہیں ہم کو تو اس جگہ اس سے غرض ہے کہ عرب کے لوگوں میں جو کچھ بھی خرابیاں رہی ہوں وہ بہادری اور مہمان نوازی میں سب سے پیش پیش تھے خصوصاً پیغمبر صاحب کے اجدادِ امجاد۔ ان کی خصوصیت کی وجہ تھی خانۂ کعبہ کی متوارث تولیۃ۔ پہلے تولیۃِ کعبہ کے معنے سمجھو کہ تولیۃ سے سقایۃ۔ رفادۃ۔ حجابۃ۔ ندوۃ۔ لواء۔ قیادہ۔ چھ خدمتیں متعلق تھیں۔ چار ہزار برس کے لگ بھگ ہوتے آئے کہ ابراہیم علیہ السلام نے جن کو یہود اور نصاریٰ اور مسلمان کُل اہلِ کتاب یکساں طور پر پیغمبر برحق مانتے ہیں اپنی بی بی ہاجرہ اور فرزندِ اکبر اسمٰعیل علیہ السلام کو جو ہاجرہ کے بطن سے تھے سرزمین مکّہ میں لا کر بسایا۔ اُسوقت شہر مکّہ کا کہیں نام ونشان بھی نہ تھا۔ سنگلاخ پہاڑی زمین اُجاڑ پڑی تھی وہیں باپ بیٹوں نے عبادۃ کیلئے چار دیواری سے کوٹھے کی طرح لمبوتری جگہ گھیر دی جو کعبہ کہلائی۔ کچھ کم چار ہزار برس کی بات ہے اسی سے سمجھ لو کہ ابراہیمؑ نے کس طرح کعبہ بنایا ہوگا چھت تک نہیں پاٹی مگر تھا کیا کہ ابراہیمؑ جب کہ ہر طرف بُت پرستی پھیلی ہوئی تھی بڑے شدّ ومد کے ساتھ عقیدۂ توحید کے پہلے رواج دینے والے تھے تو کعبہ پہلی اور اکیلی مسجد تھی جو خدائے واحد کی عبادۃ کے لئے بنائی گئی۔ کوئی عمارۃ اس ترقی کے زمانے میں بھی کیسی ہی مستحکم بنائی جائے

سلہ خدا آنکھوں کی چوری کو جانتا ہے اور اُن (بھیدوں) کو (بھی) جو (لوگوں کے) سینوں میں پوشیدہ ہیں۔ ۱۲

آخرکار کبھی نہ کبھی بوسیدہ ہوکر ضرور تجدید یا مرمّت کی محتاج ہوگی اور ایسا ہی دیکھا بھی گیا ہو سہ

| لِدُوا لِلْمَوْتِ وَابْنُوا لِلْخَرَابِ | لَهُ مَلَكٌ يُنَادِي كُلَّ يَوْمٍ |
|---|---|

یہی حال ابراہیم کے بنائے ہوئے کعبے کا ہوا کہ جب سے بنا ہی چھ بار اس کی تجدید ہو چکی ہی اور مرمّت اور تحسین اور تزئین کا تو کچھ شمار نہیں۔ ثبات و قیام عمارۃ کے لحاظ سے غنیمت ہی کہ حجاز کے علاقے میں جہاں کعبہ ہی برسات نہیں ہوتی یا ہوتی ہے تو بہت کم ورنہ خدا جانے اس عرصے میں کتنی بار تجدید کرنی پڑی ہوتی۔ برسات تو معمول سے نہیں ہوتی مگر پہاڑی نالوں کا سیلاب آکر کبھی کبھی کعبے کا طواف کر جاتا تھا۔ تین مرتبہ تو سیلابوں کی وجہ سے کعبے کی تجدید کرنی پڑی ہی دو بار آگ کے لگنے سے کعبہ مسمار ہو گیا تھا از سرِ نو بنایا گیا۔ ذیل کے نقشے سے ظاہر ہو جائے گا کہ کب کب کن کن ضرورۃ سے خانہ کعبہ کی تجدید ہوئی اور کس نے کی بے شک ہر تجدید کے وقت اصل عمارۃ کی وضع میں حسبِ تقاضائے وقت تھوڑی بہت تبدیلی بھی ضرور ہوئی ہے۔ بنائے ابراہیمؑ کی چھت نہ تھی بعد کو چھت پاٹی گئی دیواریں اونچی کی گئیں اندر آنے جانے کا ایک دروازہ تھا۔ ایک کی جگہ دو بنائے گئے ایک آنے کا ایک جانے کا۔ پھر بعد کی تجدید میں نیا دروازہ مصلحۃ سمجھکر تیغہ کر دیا گیا۔ داخلی کا دروازہ سہولت کے لئے زمین دوز تھا بنظرِ مزید احتیاط چوکھٹ اونچی کی گئی کہ اب دہلیز تک پہنچنے کے لئے زینہ لگانا پڑتا ہی۔ رقم کے کم پڑ جانے سے بمجبوری حطیم کی قدر جگہ چھوڑ دی گئی تھی پھر ملائی گئی پھر نکالی گئی۔

یہ سب کچھ ہوا مگر ہمیشہ سے جگہ وہی ہی جو ابراہیمؑ نے اختیار کی تھی۔ چونکہ کعبہ ابراہیمؑ کا بنایا ہوا تھا وہی اُس کی رُفت ورُوب بھی کرتے تھے طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ یعنی وہی کعبے کے حقدار متولّی تھے۔ اور اُن کے وقت میں رفت ورُوب کے سوائے کعبے کا اور کام ہی کیا تھا۔ خدا نے ابراہیمؑ کو اور ابراہیمؑ کے بنائے ہوئے خانۂ خدا کو برکت دی تھی۔ ابراہیمؑ کے فرزند اسمٰعیلؑ نے قبیلۂ بنی جرہم میں اور اسمٰعیلؑ کے بیٹے ثابت نے بنی خزاعہ میں شادیاں کیں اور یوں ابراہیمؑ کی نسل بڑھتے بڑھتے بجائے خود ایک بڑا قبیلہ بن گئی۔ اُدھر خانۂ خدا کی برکت سے نسلِ اسمٰعیلؑ کے علاوہ عرب کے دوسرے قبائل نے دینِ ابراہیمؑ کی پیروی اختیار کی اور خانۂ کعبہ ایک حساب سے تمام عرب کا معبد قرار پایا۔ لوگ گروہ گروہ سال در سال حج اور وقتاً فوقتاً عمرہ کرنے زیارۃِ کعبہ کو آتے اور ابراہیمؑ کے بتائے ہوئے قاعدے کے مطابق خدائے واحد کی عبادۃ کرکے لوٹ جاتے۔ عام مقبولیۃ کے ساتھ کعبے کی خدمات یعنی متولیوں کی ذمہ داریاں بڑھتی گئیں اور ذمہ داریوں کے ساتھ اُن کے اقتدارات اور اختیارات۔ ذمہ داریوں میں بڑی ذمہ داری زُوارِ کعبہ کو اور وہ ہزاروں ہی ہوتے تھے اور برس کے بارہ مہینے اُن کا تانتا لگا رہتا تھا پانی پلانا (سقایۃ) اور کھانا کھلانا (رفادۃ) مکّہ ہمارے ہندوستان کے بڑے شہروں جیسا ہوتا تو چٹکی بجاتے ہیں آسانی سے سقایۃ اور رفادۃ دونوں کا انتظام ہو سکتا تھا مگر مکّے کا حال یہ تھا کہ پانی کمیاب اور جو قدرے قلیل تھا بھی کھاری۔ تو لوگ کیا کرتے کہ قسمۃ سے بارش ہوئی تو مینہ کا پانی چمڑے کے حوضوں میں جمع کر رکھتے تھے یا پہاڑی چشموں سے ڈھو کر لاتے اور چھوہارے یا کشمش

---

لہ زمین پر ایک فرشتہ ہر دن پکارتا رہتا ہی کہ مرنے کے لئے جنو اور اُجاڑ ہونے کے لئے عمارتیں بناؤ۔ ۱۲

لہ ہمارے (اس) گھر کو طواف کرنیوالوں اور قیام اور رکوع (اور) سجدہ کرنیوالوں (یعنی نمازیوں) کے لئے صاف ستھرا رکھنا ۔ ۱۲

اور مَشکی بھلوکر پینے کے قابل بنا لیتے ہوں گے۔ رفادۃ سقایۃ سے بھی زیادہ مشکل تھی کہ اس کو چاہیئے تھا صرف کثیر۔ اس لئے کہ مکے میں تو کچھ پیداوار ہوتی نہیں۔ زمین ہی پیداوار کے قابل نہیں۔ خود ابراہیم ؑ جنھوں نے اس سرزمین کو آباد کرنا چاہا تھا فرماتے تھے ؎رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْىِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ چار و ناچار اناج باہر سے لانا پڑتا ہے۔ اب بھی ہمارے ہندوستان کے مقابلے میں وہاں ہمیشہ قحط ہی رہتا ہے۔ مکے میں سات سیر کا آٹا سماں ہے اور ہمارے یہاں کال اور اب تو بدقسمتی سے ہمارے یہاں بھی متواتر کال پڑنے لگے ہیں برسات ناغہ ہوتی رہتی ہے۔ نہروں اور کنوؤں سے بقدرِ کافی غلّہ پیدا ہوتا ہے تو یورپ کھچا چلا جاتا ہے۔ دیکھئے ہمارے کالوں کے دنوں میں مکے والوں کو کیا پیش آتا ہے۔ تو متولیانِ کعبہ یعنی پیغمبر صاحب کے اجداد خدمۃ رفادۃ کی بجاآوری کیلئے کیا کرتے کہ قبیلے کا قبیلہ تجارت پیشہ تھا کبھی تو مصارفِ رفادۃ کے لئے متولی اپنے قبیلے میں چندہ کرتا اور باہمت ہوا تو سارا خرچ آپ اُٹھاتا سقایۃ اور رفادۃ کا معاوضہ تھا حجابۃ۔ لواء۔ قیادۃ اور دار الندوہ کی خالص حکومتیں۔ حجابۃ تو کعبے کی دربانی ہی کہ کعبے کی کنجی حاجب کے پاس رہتی اور اُس کو کعبے کے کھولنے اور بند کرنے کا اختیار ہوتا۔ اور چونکہ کعبہ مرجع عام تھا حجابۃ کی حکومۃ کا اثر تمام عرب کے لوگوں پر پڑتا تھا یعنی حجابۃ کی حکومت عام حکومۃ تھی تمام جزیرہ عرب پر حاوی۔ لواء علم برداری اور قیادۃ سپہ سالاری یہ دو حکومتیں قبیلۂ قریش میں محدود تھیں کہ لڑائی در پیش ہو تو قبیلۂ قریش کی طرف سے متولی کعبہ حامل لواء اور قائدِ عسکر ہو۔ دار الندوہ کو تعینہا ہمارے یہاں کی ایک خاص طرح کی میونسپل کمیٹی سمجھو جہاں شہر مکے کے ہر قسم کے مقدمات فیصل ہوتے تھے یہاں تک کہ دار الندوہ کے باہر کسی کا نکاح بھی نہیں ہونے پاتا تھا کعبے کا متولی وہی دار الندوہ کا میر مجلس بھی ہوتا تھا۔ کعبے کے تعلق سے شہر مکہ پر قبیلۂ قریش کا اقتدار جو تھا سو تھا دوسرے قبائل ان کا اتنا ادب کرتے تھے کہ ذی القعدہ ذی الحجہ محرم اور رجب برس کے چار مہینے تو ان لوگوں میں اشہر الحرم کہلاتے تھے اور ان مہینوں میں لڑائی بھڑائی لوٹ کھسوٹ موقوف ہو کر سارے ملک میں اَمنِ عام ہو جاتا تھا مگر قریش کے لئے برس کے بارہ مہینے اشہر حُرم تھے اور سارا ملک دار الامن جب چاہیں اور جہاں چاہیں چلیں پھریں کوئی ان سے متعرض نہیں ہو سکتا تھا۔ ؎لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاۗءِ وَالصَّيْفِ ۚ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ڏ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ غرض قریش کا بچہ بچہ ملک عرب میں معزز و محترم تھا اور متولیانِ کعبہ میں تو بعض متولی ایسے بھی ہوئے ہیں کہ ملوکِ نواحی نے بیٹیاں اُنکے نکاح میں دینی چاہی ہیں۔ اب ہم پیغمبر صاحب کے اجداد کرام کی خدمات متعلق کعبہ ذرا تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ لیکن قبل اس کے تعمیر کعبہ کا وہ نقشہ دکھاتے ہیں جس کا اوپر وعدہ کر آئے ہیں۔

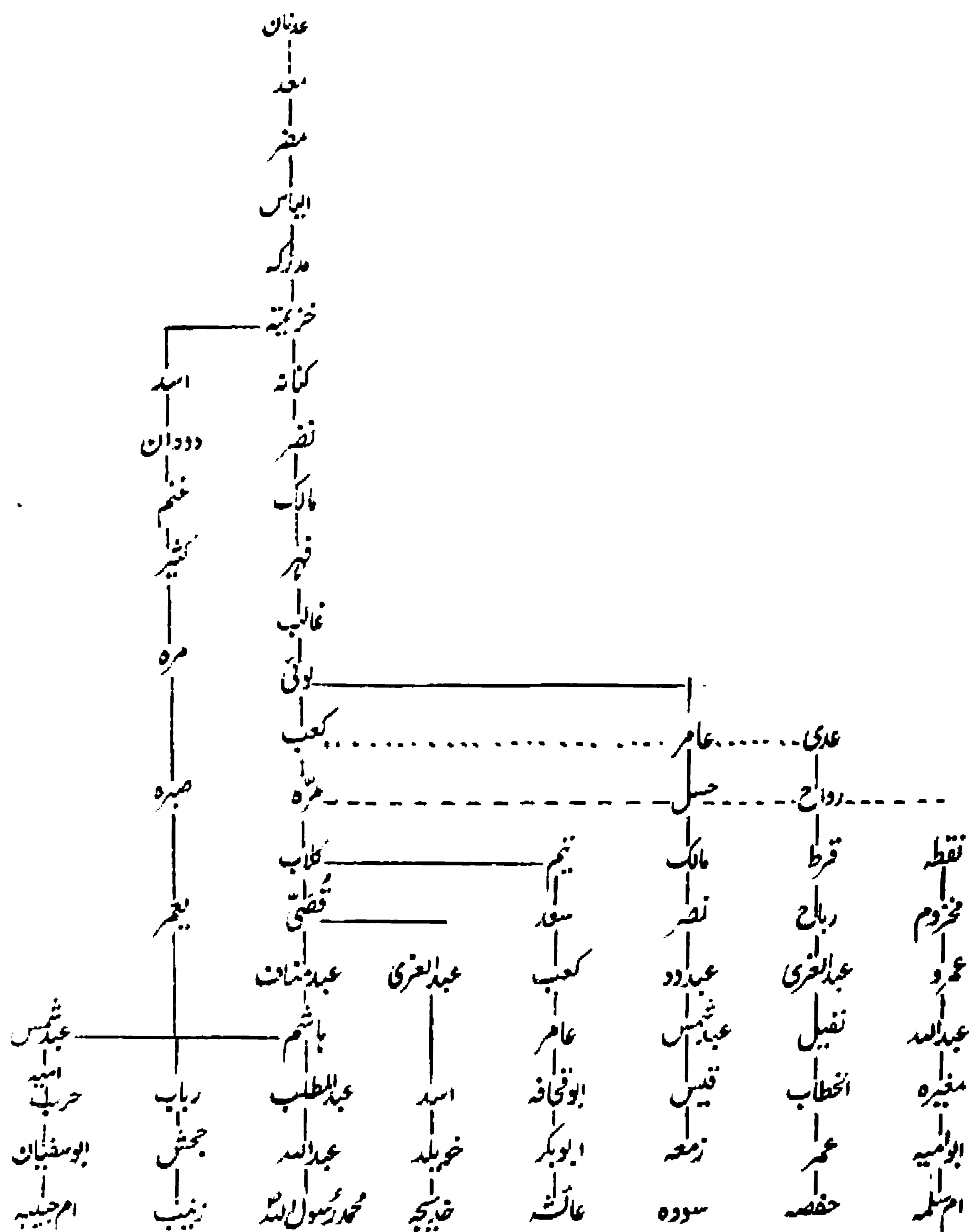
؎ اے ہمارے پروردگار میں نے تیرے معزز گھر (خانہ کعبہ) کے پاس (اس) بیابان (مکہ) میں جہاں کھیتی نہیں اپنی کچھ اولاد (لاکر) بسائی ہے تاکہ اے ہمارے پروردگار یہ لوگ یہاں نماز پڑھیں تو ایسا کر کہ لوگوں کے دل ان کی طرف کو مائل ہوں اور دوسرے ملکوں کی پیداوار سے ان کو روزی دے تاکہ یہ تیرا شکر کریں۔ ۱۲

؎ چونکہ خدا نے قریش کو جاڑے اور گرمی کے سفروں کی چاٹ لگا دی ہے تو انکو چاہیئے کہ اسی چاٹ کے لگا دینے کی وجہ سے اس خانہ کعبہ کے مالک کی عبادت کریں جس نے انکو بھوک میں (بے جوتے بوئے) کھانے کو دیا اور (لوٹ کھسوٹ کے) خوف سے اُن کو اَمن میں رکھا۔ ۱۲

# تعمیر کعبہ کا نقشہ

| کعبہ کتنی دفعہ بنا | کس کس نے بنایا | کس سنہ میں بنایا | کیوں بنایا | | پہلی تعمیر میں کیا تجدید کی |
|---|---|---|---|---|---|
| سات دفعہ کل تعمیر | حضرت ابراہیمؑ نے | مسیح علیہ السلام سے تقریباً اکیس سو برس پہلے | جب کہ ہر طرف بت پرستی پھیلی ہوئی تھی خدائے واحد کی عبادۃ کیلئے مسجد بنائی۔ | | صرف چار دیواری بنائی تھی چھت نہ تھی زمین سے ملا ہوا بے کواڑ دروازہ تھا۔ دیواریں زمین سے نو ہاتھ اونچی ایک طرف سے ۲۰ اور ایک طرف سے بائیس ہاتھ کا عرض اور طول ایک طرف سے ۳۲ اور دوسری طرف سے ۳۱ ہاتھ کا |
| دوسری مرتبہ | بنی جرہم نے | اسکی تعمیر کا زمانہ باوجود تحقیق کے معلوم نہیں ہوا مگر پہلی تعمیر کے بعد | پہاڑی نالہ کعبہ میں گھس آیا اور کعبہ ڈھے گیا۔ | | کچھ تجدید نہیں کی بلکہ پہلی ہی بنیادوں پر اسی صورۃ کا بنایا اور اتنی ہی بلندی رکھی۔ |
| تیسری مرتبہ | قبیلۂ عمالیق نے | سنہ عیسوی سے تخمیناً سو برس پیشتر | ایک عظیم الشان سیلاب کے صدمے سے کعبہ جگہ جگہ سے پھٹ گیا۔ | | اس مرتبہ بھی کسی طرح کی تجدید نہیں ہوئی۔ |
| چوتھی مرتبہ | قصیّ بن کلاب نے | ہمارے پیغمبر صاحب کی ولادۃ سے دو سو برس پہلے۔ | متواتر سیلابوں سے جا بجا سے شکستہ ہو گیا | | چھتوں کو پاٹ دیا اور حطیم کی طرف سے کچھ عرض کم کر دیا کیونکہ یہاں تک پہنچ کر اُسکے پاس کا سرمایہ نِبڑ گیا تھا۔ |
| پانچویں مرتبہ | قریش نے | اس وقت ہمارے پیغمبر صاحب کی عمر بارہ تیرہ برس کی تھی۔ | ایک عورۃ غلافِ کعبہ کو خوشبو کی دھونی دے رہی تھی چنگاری اُڑ کر غلاف پر جا پڑی اور اُس کے بھڑک اُٹھنے سے کعبہ جل گیا دیواریں گر پڑیں۔ | | دیواریں اٹھارہ ہاتھ بلند کر دیں چار ہاتھ ایک بالشت کی کرسی دی۔ اور اسی کرسی پر دروازہ کھڑا کیا۔ کعبے کے اندر چھ ستون دو صفوں میں کھڑے کئے۔ حطیم کی طرف چھ ہاتھ ایک بالشت زمین چھوڑ دی اندر کے رُخ زینہ چڑھایا۔ |
| چھٹی مرتبہ | عبد اللہ بن الزبیرؓ نے | سنہ ۶۴ ہجری میں | عبد اللہ بن الزبیرؓ نے جو پیغمبر صاحب کی پھوپی صفیہ بنت عبد المطلب اور زبیر بن العوام کے بیٹے تھے یزید بن معاویہ کی بیعۃ سے انکار کیا اور مدینے سے مکے چلے آئے اس پر یزید کے حکم سے مکے پر فوج کشی کی اور لشکریوں کے پتھراؤ سے کعبے میں آگ لگ گئی۔ | | حطیم کو کعبے میں داخل کیا۔ شرق و غرب میں آمد و رفت کے لئے دو دروازے زمین سے ملواں رکھے۔ دیواریں ۲۷ ہاتھ اونچی کئے گئے۔ چھ ستونوں کی جگہ صرف تین رکھے۔ |
| ساتویں مرتبہ | حجاج بن یوسف ثقفی نے | سنہ ۶۵ ہجری میں | عبد اللہ بن الزبیرؓ نے حطیم کو کعبے میں شامل کر لیا تھا حجاج نے اُس کو ناپسند کیا اور عبد الملک سے اجازۃ حاصل کر کے حطیم کو پھر کعبے سے خارج کر دیا۔ | | غربی دروازہ تو بند کیا۔ حطیم کو کعبے سے خارج کر دیا۔ دروازہ اتنا ہی اونچا رکھا جتنا پہلے تھا کعبے کے اندر سیڑھی لگائی اور اس پر دو روشندان رکھے۔ |

## پیغمبر صاحب کے اجدادِ کرام کی خدمات متعلقہ کعبہ اور پیغمبر صاحب کا شجرۂ نسب مع ازواجِ مطہرات




ہم نے شجرۂ نسب میں صرف سات اُمہات المؤمنین کا نسب دکھایا ہے کیونکہ یہی قریشیہ تھیں اور ان ہی کا سلسلۂ نسب جناب پیغمبر صاحب کے شجرۂ نسب سے ملتا ہے ان کے علاوہ چار اُمہات المؤمنین یعنی امّ المؤمنین زینب ام المساکین۔ امّ المؤمنین صفیہ۔ امّ المؤمنین میمونہ۔ امّ المؤمنین جویریہ بھی پیغمبر صاحب کے سلسلۂ ازواج میں داخل ہیں چونکہ یہ قریشیہ نہیں ہیں اس سے ہمارے

شجرۂ نسب میں نہیں آسکتیں اِن کا نسب اِن کے حالات میں مذکور ہوگا۔

پیغمبر صاحب کے شجرۂ نسب کو شروع سے دیکھو گے تو گیارھویں پشت میں ایک شخص فہر کو پاؤ گے اِس کا دوسرا نام ہی قریش اور تمام قبائل قریش کا سلسلہ اسی فہر تک منتہی ہوتا ہی۔ فہر سے پیشتر اس سلسلے میں کوئی شخص قریشی نہ تھا بلکہ کنانی کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ قرش کے اصلی معنے جمع کرنے کے ہیں چونکہ فہر نے تمام قبائل قریش کو اپنی طرف جمع کر لیا تھا اور سب کا سلسلۂ نسب اسی پر جاکر منتہی ہوتا تھا اِس سے اِس کا نام قریش پڑ گیا۔ یا یوں کہو کہ قرش کے لغوی معنے تفتیش کے ہیں فہر کی اولاد اس کے حکم سے چونکہ محتاج آدمیوں کی ضروریات کی تفتیش کرکے اپنے ذاتی سرمائے سے اُن کی ضروریات و حاجات کو رفع کرتی تھی اس سے فہر کو قریش کہا جاتا تھا۔ ابن عباس کا قول ہی کہ قریش ماخوذ ہی قرش سے اور قرش دریا کے ایک جانور کا نام ہی جو اور مچھلیوں کو کھا کھا کر اپنا پیٹ بھرتا ہی اور اُسے کوئی نہیں کھا سکتا وہ سب دریائی مچھلیوں پر غالب رہتا ہی اور اُس پر کوئی غالب نہیں آتا چونکہ قبائل قریش میں بھی علوّ و غلبے کی صفت دیکھی جاتی تھی اِس سے لوگ اُنھیں قریش کہنے لگے[1] پھر ابن عباس نے ایک عربی شاعر کے اِن چند شعروں سے اپنے اِس قول پر استشہاد کیا ؎

وَقُرَيْشٌ هِيَ الَّتِي تَسْكُنُ الْبَحْرَ — بِهَا سُمِّيَتْ قُرَيْشٌ قُرَيْشَا

سَلَطَتْ بِالْعُلُوِّ فِي لُجَّةِ الْبَحْرِ — عَلَى سَاكِنِ الْبُحُورِ جُيُوشَا

تَأْكُلُ الْغَثَّ وَالسَّمِينَ وَلَا تَتْرُكُ فِيهَا لِذِي الْجَنَاحَيْنِ رِيشَا

هٰكَذَا فِي الْكِتَابِ حَيُّ قُرَيْشٍ — يَأْكُلُونَ الْبِلَادَ أَكْلًا كَمِيشَا

وَلَهُمْ آخِرَ الزَّمَانِ نَبِيٌّ — يُكْثِرُ الْقَتْلَ فِيهِمْ وَالْخُمُوشَا

يَمْلَأُ الْأَرْضَ خَيْلَةً وَرِجَالًا — يَحْشُرُونَ الْمَطِيَّ حَشْرًا كَمِيشَا

قبائل قریش بالنسبۃ الی قبائل اُخرا اگرچہ بعض خصوصیتوں کی وجہ سے ہمیشہ امتیاز و وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے مگر ابتدا میں کئی پشتوں تک اُن کے اقتدارات بالکل محدود تھے کیونکہ عرب میں سب سے زیادہ مقتدر سب سے زیادہ وقعت سب سے زیادہ معزز و ممتاز وہ لوگ گنے جاتے تھے جن کے ہاتھ میں خانہ کعبہ کی تولیت تھی اور جن کو بیت اللہ کی خدمات سپرد تھیں اور یہ خدمات ایک زمانے تک قریش کے علاوہ اور لوگوں سے متعلق رہیں حضرت اسمٰعیل علےٰ نبینا و علیہ السلام کی وفات کے بعد اُن کی اولاد اِس مقدس معبد کی محافظ تھی مگر تھوڑے ہی دنوں میں زمانے نے کچھ ایسا پلٹا کھایا کہ بجز قیدار بن اسمٰعیل کے اسمٰعیلؑ کی ساری اولاد عرب کے مختلف مقامات میں منتشر ہوگئی اور چونکہ بنی اسمٰعیل اور بنی جرہم میں باہم کی رشتہ داری تھی خانہ خدا کی تولیت بنی اسمٰعیل سے نکل کر بنی جرہم کے ہاتھوں میں چلی گئی۔ پھر کچھ عرصے کے بعد بنو عمالیق بنو جرہم

[1] اور قریش وہ (ایک طرح کا جانور) ہی جو دریا میں رہتا ہی اور اسی پر قریش کا نام قریش رکھا گیا وہ دریا کی لہروں میں اپنے علو کی وجہ سے تمام دریائی جانوروں پر غالب آتا اور دُبلے موٹے سب (جانوروں) کو کھا جاتا اور دریا میں کسی دو بازوں والے کا پَر تک نہیں چھوڑتا اسی طرح قبیلۂ قریش بھی شہروں (کے باشندوں) کو ہڑپ کر جاتے یعنی اُن پر غالب آتے ہیں۔ اُن میں ایک آخر الزماں نبی ہی جو اِن کے بہت لوگوں کو قتل کرتا اور بہتوں کو زخمی۔ وہ زمین کو پیادوں اور سواروں سے بھر دے گا اور لوگ سواریوں کو کوشش سے چلائیں گے ۱۲۔

پر غالب ہو گئے اور خانۂ کعبہ کی تولیت ان کے ہاتھوں سے چھین لے گئے۔ بنو جرہم نے جب دیکھا کہ بنو عمالیق نے ہماری برسوں کی محنت و جانفشانی پر ایک دم سے پانی پھیر دیا اور ہماری سالہا سال کی آبائی عزۃ و آبرو کو خاک میں ملا دیا تو انہوں نے اپنی گئی ہوئی عزۃ کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے بنو اسمٰعیل کو اپنے ساتھ ملا لیا اور دونوں نے متفقہ کوشش سے بنی عمالیق کو خدا کے مقدس گھر سے بالکل بے دخل کر دیا۔ مگر پھر قبیلۂ بنو بکر بنو جرہم کی مخالفت میں اُٹھ کھڑا ہوا اور ایک نہایت خونریزی کے بعد بنو جرہم ہمیشہ کے لئے مغلوب ہو گئے اور اب سے خانۂ خدا کی تولیت بنو بکر اور بنو خزاعہ کے قبضے میں آ گئی۔ ایک زمانے کے بعد قصیّ بن کلاب نے جو جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں پانچ پشت اوپر تھا بنو بکر اور بنو خزاعہ سے مکّے کی حکومت اور خانۂ خدا کی تولیت چھین لی اور اُن کو بے دخل کر کے خود حاکم بن گیا۔ اب سے قریش کے اقتدارات بڑھنے اور پھیلنے شروع ہوئے۔ قصیّ کا اصلی نام زید یا یزید تھا مگر اُس زمانے کے لوگ اُسے مجمع بھی کہتے تھے کیونکہ خدائے تعالیٰ نے قبائلِ قریش کو بعد اس کے کہ وہ مختلف مقامات میں منتشر تھے قصیّ کے زمانے میں اُس کی کوشش سے مکّے میں جمع کر دیا تھا۔ قصیّ ابتدا ہی سے نیک چلن اور با مروّت اور سخی اور دلیر تھا اور شروع ہی سے اس کی طینت میں ہمدردی اور حمیتِ قومی کا خمیر کر دیا گیا تھا۔ اس کے خیالات پاک اور بے لوث تھے اور اخلاق بالکل شائستہ اور مہذب اسی وجہ سے خلیل خزاعی نے جو بنو خزاعہ کا ایک نہایت دانشمند اور ممتاز شخص تھا اور خدا کے مقدس گھر کی تولیت جو ابھی تک بنو خزاعہ میں وراثۃً چلی آتی تھی اسکے ہاتھ میں تھی اپنی بیٹی حبّیٰ کو قصیّ کے نکاح میں دیدیا تھا خلیل کی موت کا زمانہ قریب ہوا تو اُس نے اپنی بیٹی قصیّ کی بیبی کو خانۂ کعبہ کی تولیت کی وصیت کی لیکن اُس نے اپنے باپ سے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ میں خدا کے مقدس معبد کی خدمت کے قابل نہیں ہوں اور خانۂ کعبہ کے دروازے کے کھولنے اور بند کرنے کی طاقت نہیں رکھتی پس یہ خدمت کسی قوی اور ہوشیار مرد کے سپرد کرنی چاہیئے چنانچہ خلیل نے خانۂ خدا کی تولیت کی باگ ابو غبشان خزاعی کے ہاتھ میں دیدی جو اس کا قریبی رشتہ دار بھی تھا۔ مگر پھر چند ہی روز کے بعد قصیّ نے شراب کی کئی مشکیں اور کچھ اونٹ اور کچھ کپڑے ابو غبشان کو دے کر خانۂ کعبہ کی تولیت اور مکّے کی حکومت خرید لی۔ قبیلۂ خزاعہ کو خبر ہوئی تو وہ نہایت جوش کے ساتھ قصیّ کے مقابلے کو کھڑا ہو گیا۔ قصیّ نے نہایت چستی کے ساتھ قریش اور بنی کنانہ کو اپنی مدد کے لئے جمع کیا اور وہ جوشِ قومی سے فوراً مسلح ہو کر اُس کی کمک کو آموجود ہوئے۔ دونوں فریق عین حرم میں اور خاص ایام تشریق میں معرکہ آرا ہوئے کئی روز تک برابر خونریزی رہی اور بنو خزاعہ کے بہت لوگ مارے گئے۔ آخر کار صلح کی تحریک ہوئی اور فریقین اس بات پر راضی ہو گئے کہ عرب کے ایک ہوشیار اور منصف مزاج صاحب الرائے سردار کو پنچ مقرر کیا جائے اور پھر جو کچھ بھی وہ فیصلہ دے فریقین اُس کے فیصلہ کے آگے بے چون و چرا گردن تسلیم خم کر دیں چنانچہ یعمر بن عوف جو عرب کا مشہور کاہن تھا۔ فیصلے کے لئے منتخب ہوا۔ دونوں فریق کے سردار یعمر کے پاس گئے تو اُس نے کہا تم سب لوگ کل صبح کو صحن کعبہ میں جمع رہنا میں وہاں آ کر تم میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دوں گا۔ دوسرے روز فریقین صحن کعبہ میں جمع ہو گئے۔ یعمر نے ایک اونچی جگہ پر کھڑے ہو کر با آواز بلند کہا کہ لوگو! سنو اور غور سے سُنو کہ جو فیصلہ میں تم لوگوں کو سُناتا ہوں میرے نزدیک نہایت منصفانہ اور بے لگاؤ فیصلہ ہے۔ میں ربّ کعبہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہارے مقدمے میں میں نے ایسا صاف اور سیدھا فیصلہ تجویز کیا ہے جس میں ذرّہ بھر ایک کا حق دوسرے پر چھوڑا نہیں گیا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ قصیّ مکّے کی تولیت کا استحقاق

رکھتا ہے اور خانۂ کعبہ کی حفاظت کا تعلق اُسی کو شایاں ہے اور وہی اِس کو نباہ بھی سکتا ہے۔

یعمر کی یہ گفتگو سُن کر بنو خزاعہ گردنیں نیچے کئے ہوئے پیچھے ہٹ گئے اور قُصیؔ کے برخلاف کوشش کرنی پھر کبھی اُنھوں نے جراۃ ہی نہیں کی۔ اِس وقت سے قُصیؔ مکّے کا خود مختار اور مستقل حاکم تسلیم کیا گیا اور سقایۃ اور رفادۃ اور حجابۃ اور ندوۃ اور لواء اور قیادۃ کے تمام عہدے اُس کے ہاتھ میں آ گئے۔

اصل میں خانۂ کعبہ کے متعلق یہی چھ بڑی خدمتیں تھیں جن کی وجہ سے متولیٔ کعبہ نہایت عظمت و بزرگی کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا اور سارا عرب اُس کا انتہا سے زیادہ ادب و احترام کرتا تھا۔

(۱) سقایۃ یعنی حُجّاج کو پانی پلانے کی خدمت۔

(۲) رفادۃ یعنی حاجیوں کو کھانا دینے کی خدمت۔

(۳) حجابۃ یعنی خدا کے مقدس معبد کے حفاظت کی خدمت۔

(۴) ندوۃ یعنی دارالندوہ میں صدرِ انجمن بننے کا استحقاق۔

(۵) لواء یعنی لڑائی کے وقت عَلَم برداری کی خدمت۔

(۶) قیادۃ یعنی جنگ کے وقت لشکر کی سپہ سالاری کرنے کی خدمت۔

قُصیؔ کے یوں تو کئی فرزند تھے مگر بلحاظِ عمر سب سے بڑا عبدالدار اور بحیثیت فضل و شرف سب میں ممتاز عبدِ مناف تھا عبدِ مناف اپنے باپ قُصیؔ کی زندگی ہی میں عظمت و بزرگی کے ساتھ مشہور ہو گیا تھا اور اُس کے فضل و بزرگی کی دلچسپ باتیں قبائل قریش کی زبان پر جستہ جستہ آنے لگی تھیں چنانچہ اسی زمانے میں قریش نے اس کے جود و کرم اور سخاوت کی وجہ سے اس کو فیاض کا لقب دے دیا تھا اور عام قبائل میں وہ اسی لقب سے پکارا جاتا تھا مگر اکبر اولاد ہونے کی وجہ سے قُصیؔ عبدالدار سے زیادہ محبت کرتا تھا اور اسی محبت کا نتیجہ یہ تھا کہ اُس نے اپنے مرضِ وفات میں خانۂ کعبہ کے تمام مذکورہ بالا عُہدے عبدالدار کے نام زد کر دیئے تھے بلکہ ایک عظیم الشان مجمع میں اس کا اعلان بھی کر دیا تھا احتضار کے وقت قُصیؔ نے عبدالدار کو پاس بلا کر کہا بیٹا! اگرچہ تیرے دوسرے بھائی اور نیز عم فضل و شرف میں تجھ پر کُھلی فوقیت رکھتے ہیں اور اسی وجہ سے تو اُن سے فروتر درجے میں ہے مگر میں نے خانۂ کعبہ کے تمام مناصب تجھے دے کر اُن میں ملا دیا ہے اب تاوقتیکہ تُو کعبے کا دروازہ کھولے گا اُن میں کا کوئی شخص بھی کعبہ میں جانے کا (یعنی حجابۃ) اور جب تک تُو لڑائی کا جھنڈا نہ اُٹھائے گا قریش میں کا ایک آدمی بھی لڑائی میں نہ جائے گا (یعنی لواء) تیرے علاوہ حُجّاج کسی کا پانی نہیں پئیں گے (یعنی سقایۃ) اور نہ اہلِ موسم کسی اور کا کھانا کھائیں گے (رفادۃ) قبائل قریش تیرے ہی گھر (دارالندوہ) میں تجھے پریسیڈنٹ بنا کر مشورہ کریں گے اور لڑائی کے موقع پر تیرے سوائے دوسرا فوج کی سپہ سالاری کا استحقاق نہیں رکھے گا۔ (یعنی قیادۃ)

الغرض قُصیؔ کے انتقال کے بعد عبدالدار اُس کی جگہ مسند آرا ہو گیا اور جو خاص خاص عُہدے خود قُصیؔ سے متعلق تھے سب عبدالدار کے ہاتھ میں آ گئے مگر بعد کو عبدالدار نے اپنی مرضی سے اپنے بھائی عبدِ مناف کو ان عہدوں میں اپنا شریک کر لیا عبدالدار اور عبدِ مناف کے جیتے جی تو کسی طرح کا جھگڑا اور فساد اُٹھا نہیں اِن کے انتقال کے بعد دونوں کی اولاد میں ایک خاندانی نزاع

پیدا ہوئی۔ بنوعبدِ مناف یعنی ہاشم اور مطلب اور عبد الشمس اور نوفل کہ یہی عبدِ مناف کے مشہور فرزند تھے سب نے مِل کر چاہا کہ اپنے بنی عم یعنی عبد الدار کی اولاد کو بالکل بے دخل کر دیں اور اُن کے ہاتھوں سے وہ سب عُہدے چھین لیں جو اُن سے متعلق ہیں اور چونکہ اُن کا یہ منشا باہمی صلح و سازگاری کے ساتھ پورا ہونے والا نہ تھا اِس لئے فریقین جنگ پر آمادہ ہو گئے۔ بنوعبدِ مناف عطر سے بھرا ہوا ایک طشت لیکر نکلے اور مسجد الحرام میں پہنچ کر کعبے کے دروازے پاس رکھ دیا اور ہر چہار طرف پکار دیا کہ جو شخص ہم سے مخالفت کرنا اور ہمارے ساتھ ہونا چاہے اِس عطر کے بھرے ہوئے طشت میں ہاتھ ڈبوئے چنانچہ قریش کے ایک جمِ غفیر نے بنوعبدِ مناف کے ساتھ ہمدردی ظاہر کرنے کے لئے طشت میں ہاتھ ڈبو دیئے اور یہ لوگ متطیّبون کے لقب سے پکارے گئے گروہِ متطیّبون کے ساتھ قریش کے پانچ مشہور اور زبردست قبائل نے ہمدردی ظاہر کرکے بہت سا چندہ جمع کیا۔ بنوعبدِ مناف ایک۔ بنوزہرہ دو۔ بنواسد بن عبد العزیٰ بن قصی تین۔ بنوتیم بن مُرّہ چار۔ بنوالحرث بن فہر پانچ۔ اُدھر بنوعبد الدار کو یہ کیفیت معلوم ہوئی تو وہ بھی بنومخزوم اور بنوسہم اور بنوجمح اور بنوعدی بن کعب کو ساتھ لیکر کہ یہی چار قبیلے ان کے حلیف تھے نہایت جوش و خروش کے ساتھ رجزیہ اشعار پڑھتے ہوئے نکلے اور ایک جوان اور قوی اونٹ ذبح کر کے اُس کا خون طشت میں بھرا اور ہر طرف اعلان کرا دیا کہ جو شخص ہمارا ساتھ دینا چاہے اس خون میں ہاتھ ڈبوئے اور اس میں سے کچھ چاٹ بھی لے چنانچہ بہت لوگوں نے بنوعبد الدار کا ساتھ دینے کی غرض سے ایسا کیا اور یہ لوگ لعقۃ الدم کہلائے الغرض دونوں طرف سے لڑائی پر آمادگی ظاہر کی گئی مگر خیریت یہ ہوئی کہ ابھی فریقین میدانِ جنگ میں نہ اُترے تھے کہ صلح کے گھوڑے دوڑنے لگے اور آخر کار اِس بات پر صلح ہوگئی کہ رفادۃ اور سقایۃ اور قیادۃ کے تینوں عُہدے بنوعبدِ مناف کے قبضے میں رہیں اور حجابۃ اور لوا کے منصب پر بنوعبد الدار قابض رہیں اور دار الندوہ کی صدارت دونوں میں مشترک ہیں اِس فیصلے پر فریقین راضی ہو گئے اور ہنسی خوشی اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ بنوعبدِ مناف جب مذکورہ بالا تین عہدوں یعنی رفادۃ اور سقایۃ اور قیادۃ کے مالک ٹھیرائے گئے تو اُنھوں نے اِن عہدوں کو باہم اس طرح تقسیم کیا کہ قیادۃ یعنی جنگ کے وقت فوج کی سرداری کا عہدہ عبدِ مناف کے فرزند عبد شمس کو دیا گیا۔ چنانچہ عبد شمس جب تک جیتا رہا اس عُہدے پر برقرار رہا اور اس کے مرنے پیچھے اِس کا بیٹا اُمیّہ اور اُمیّہ کے بعد اس کا بیٹا حرب اور حرب کے بعد اس کا بیٹا ابوسفیان یکے بعد دیگرے اپنے اپنے وقت میں اِس عہدے کے مالک رہے معرکۂ اُحد اور اُحد کے بعد غزوۂ احزاب جو ہجرۃ کے بعد پیغمبر صاحب اور نو مسلم مہاجرین و انصار کیساتھ مدینے میں پیش آئے ابوسفیان بن حرب جو ابھی تک مشرّف باسلام نہیں ہوئے تھے جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں افواجِ مکہ کے سپہ سالار بن کر آئے تھے لیکن جنگِ بدر کے موقع پر یہ عہدہ عبد شمس کے پوتے ربیعہ کے بیٹے عتبہ کے نام زد تھا اور اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ عتبہ ابوسفیان سے عمر میں بڑا تھا اور دوسری وجہ یہ تھی کہ اس موقع پر ابوسفیان مکّے میں موجود نہ تھے بلکہ سالارِ قافلہ بن کر تجارۃ کی غرض سے ملکِ شام گئے ہوئے تھے اِن کے جانے کے بعد لشکرِ مکّہ نے پیغمبر صاحب پر چڑھائی کی اور موضعِ بدر میں معرکہ آرا ہوا۔

عُہدۂ رفادۃ یعنی اہلِ موسم کو کھانا دینے کا منصب عبدِ مناف کے دوسرے فرزند ہاشم کے نام زد ہوا اور ہاشم کے بعد اُنکے فرزند عبد المطلب کو پھر عبد المطلب کے بعد اُن کے بیٹے ابوطالب کو پھر اِن کے بھائی عباس کو ملا اور عباس کے بعد اُن کی اولاد

میں مستمر رہا چنانچہ جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات بابرکات کے زمانے میں خود عباس اِس عُہدے پر ممتاز رہے اور خلفاء راشدین کے عہد میں ان کی اولاد۔ بلکہ جب تک بغداد و مصر میں خلفاء عباسیہ کا دور دورہ رہا رفادۃ کا عہدہ حضرت عباس ہی کی اولاد میں محفوظ رہا۔ عُہدہ سقایۃ یعنی حُجّاج کو پانی پلانے کی خدمت یہ بھی ہاشم کے ساتھ میں تھا اور ہاشم کے بعد اُنکے بھائی مطلب کے ہاتھ میں رہا لیکن جب ہاشم کے فرزند عبدالمطلب سنِ بلوغ کو پہنچے تو اُن کے چچا مطلب نے اِس خدمت کو ان کے سپرد کر دیا مگر مطلب کے مرے پیچھے اُس کے بھائی نوفل بن عبدمناف نے اپنے بھتیجے عبدالمطلب سے یہ عُہدہ چھین لیا اور عبدالمطلب کے کچھ مکانات اور زمین بھی غصب کر لی۔ اس موقع پر اگرچہ عبدالمطلب نے اپنی قوم سے بہت کچھ فریاد کی لیکن نوفل کی وجاہت سے کسی کو اُس کے مقابلے میں ان کی مدد کرنے کی جرأۃ نہیں ہوئی۔ عبدالمطلب نے مجبور ہو کر مدینے اپنے ماموں ابوسعد بن عدی کو یہ سارا واقعہ لکھ بھیجا۔ ابوسعد بھانجے کے اس خط کو دیکھتے ہی رو دیا اور فوراً اسّی مسلح سواروں کو ساتھ لے مدینے سے چل کھڑا ہوا مکے میں آیا تو مقام ابطح میں اُترا۔ عبدالمطلب کو ماموں کے آنے کی خبر ہوئی اور ملاقات کے بعد اپنے گھر لانے کی استدعا کی تو ابوسعد بولا تا وقتیکہ میں نوفل سے بات نہ کر لوں تمہارے گھر نہیں جا سکتا۔ ہاں تو مجھے بتاؤ اِس وقت نوفل کہاں ہے عبدالمطلب نے کہا حطیم کے متصل عظماء قریش کی مجلس میں۔ ابوسعد جھٹ کھڑا ہو گیا اور مسلح ہو کر حطیم میں داخل ہوا۔ نوفل نے جوں ہی ابوسعد کو آتے دیکھا تعظیماً کھڑا ہو گیا اور کہا یا ابا سعد انعم صباحا جس کے جواب میں ابوسعد نے نہایت طیش کے لہجہ میں کہا لا انعم اللہ لک صباحا یہ کہتے ہوئے فوراً تلوار میان سے کھینچ لی اور کہا ربِّ کعبہ کی قسم اگر تو نے میرے بھانجے عبدالمطلب کو اُس کی زمین اور مکانات اور عُہدۂ سقایۃ ابھی واپس نہ کیا تو اسی تلوار سے تیرا خون پانی کی طرح بہا دونگا۔ اس موقع پر نوفل کو بجز اسکے اور کچھ کہتے ہی نہ بن پڑا کہ میں عبدالمطلب کی زمین اور مکانات اور عُہدۂ سقایۃ ابھی اُسکو واپس کرتا اور اس پر ان تمام عظماء قریش کو ضمانت میں پیش کرتا ہوں۔ ابوسعد باطمینانِ تمام واپس آیا اور تین روز تک عبدالمطلب کے گھر مہمان رہا پھر عمرہ کر کے مدینے واپس چلا گیا سقایۃ کا عہدہ بدستور عبدالمطلب کے ہاتھ میں آ گیا اور ان کے بعد ان کا بیٹا ابوطالب اس پر مامور ہوا مگر ابوطالب نے اپنی زندگی ہی میں یہ عہدہ اپنے بھائی عباس کی طرف منتقل کر دیا اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ابوطالب اپنے باپ عبدالمطلب کی طرح ہر سال اہلِ موسم کے لئے پانی میں تر و خشک کھجوریں بھگوتے اور سب کو پانی کی جگہ شربت پلاتے۔ کئی برس کے بعد اتفاق سے ابوطالب مفلس ہو گئے اور ایک سال انھوں نے اپنے بھائی عباس سے آنے والے موسم کے وعدے پر دس ہزار درہم قرض لے کر انھیں حُجّاج پر صرف کیا لیکن سالِ آئندہ جب ان کے پاس کچھ پس انداز نہیں ہوا تو پھر دوسرے سال کے وعدے پر چار ہزار درہم اور قرض لینے چاہے۔ عباس نے اس شرط پر چار ہزار درہم قرض دیئے کہ اگر سالِ آئندہ تک دونوں دفعہ کا کل قرضہ ادا نہ کروگے تو تمہیں سقایۃ کے عہدے سے دست بردار ہونا پڑے گا اور تمہاری جگہ میں اس پر مسلط ہو جاؤں گا ابوطالب نے اس شرط کو منظور کر لیا مگر چونکہ دوسرے سال تک بھی ابوطالب عباس کا قرضہ ادا نہیں کر سکے شرط کے مطابق عُہدۂ سقایۃ سے الگ ہو گئے اور اب سے یہ عُہدہ بھی عباس کے نام زد ہو گیا عباس کے بعد اُن کے فرزند عبداللہ اس عہدے سے ممتاز ہوئے اور رفادۃ سقایۃ کے دونوں عُہدے انقراضِ خلافۃ عباسیہ تک بنو عباس میں رہے۔ رہا عہدۂ حجابۃ تو زمانۂ اسلام تک تو بنو عبدالدار میں باقی رہا۔ فتح مکہ کے روز عباس رض نے جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا

کہ خانہ کعبہ کی کنجی مجھے مل جائے تاکہ رفادۃ و سقایۃ اور حجابۃ کی تینوں خدمتیں میرے ہی ہاتھ میں رہیں۔ پیغمبر صاحب نے اس بارے میں کوئی قطعی رائے قائم نہیں کی تھی کہ آیۃ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَھْلِھَا[1] نازل ہوئی پیغمبر صاحب نے عبد العزیٰ بن عثمان بن عبد الدار کے پوتے طلحہ کے بیٹے عثمان کو بلایا اور کعبے کی کنجی اُس کے حوالے کردی عثمان الحجبی کے انتقال کے بعد اُسکا بھائی شیبہ اس عہدے سے ممتاز ہوا اور پھر یہ خدمت ہمیشہ بنی شیبہ سے متعلق رہی۔ علیٰ ہذا القیاس عہدہ علم برداری بھی ایک عرصہ تک بنو عبد الدار ہی میں باقی رہا جنگ احد میں اسی قبیلے کے زیادہ لوگ مسلمانوں کے ہاتھ سے مقتول ہوئے کہ انہیں کا ایک علم بردار مارا جاتا دوسرا اسکی جگہ جھنڈا اٹھا لیتا۔

عبد مناف کے کئی فرزند تھے مگر سب میں زیادہ سیر چشم اور فیاض ہاشم تھے ان کا اصلی نام تو عمرو تھا مگر علوِ شان کی وجہ سے لوگ ان کو عمرو العلا بھی کہتے تھے یہ اور عبد شمس دونوں حقیقی بھائی تھے اور اتفاق سے دونوں جوڑواں پیدا ہوئے تھے اور اس طرح پیدا ہوئے تھے کہ ہاشم کے پاؤں کا پنجہ عبد شمس کی پیشانی سے چپکا ہوا تھا اور اس مضبوطی کے ساتھ چپکا ہوا تھا کہ بجز سیلانِ دم الگ ہونا ممکن نہ تھا۔ چنانچہ جب ہاشم کا پنجہ عبد شمس کی پیشانی سے چھڑایا گیا تو اس قدر خون بہا کہ عبد شمس سر سے پاؤں تک لہو میں نہا گیا۔ اس پر اُس زمانے کے کاہنوں اور نجومیوں نے ان دونوں کے متعلق یہ پیشین گوئی کی کہ عنقریب ان دونوں کی اولاد میں ایسی سخت اور عام خونریزی ہو گی جو تاریخ کے صفحوں سے کبھی نہیں مٹے گی اور ایسا ہی ہوا کہ ہاشم اور عبد شمس کے بعد دونوں کی اولاد میں خونریزی متوارث ہوگئی یہاں تک کہ سنہ ۱۳۲ھ ہجری میں بنو العباس جو ہاشم کی اولاد میں سے تھے اور بنو اُمیہ جو عبد شمس کی نسل میں تھے دونوں میں حد سے زیادہ خونریزی ہوئی جس نے بنی اُمیہ کی قوۃ کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل کر دیا۔

ہاشم نے جو فطرۃً فیاض اور سیر چشم تھا اہلِ موسم کی نگرانی کی خدمت شاہانہ عظمت کے ساتھ ادا کی، وہ خود بڑا دولتمند تھا اور قبائلِ قریش کے بہت سے عمائد اور رؤسا نے اُسکے پاس ایک معقول رقم چندے کی جمع کردی تھی کہ حاجیوں کی تواضع اور مدارات میں حسبِ موقع اپنے ہاتھ سے خرچ کرے جس رات ذی الحجہ کا چاند دکھائی دیتا ہاشم اُس کی صبح کو تمام قبائلِ قریش کو جمع کرتے اور خود کعبے کی دیوار سے پیٹھ لگا کر دروازے کے سامنے مونھ کر کے کھڑے ہوتے اور ایک نہایت موثر خطبہ دلکش لہجے میں پڑھتے۔ خطبے میں عمائدِ قریش کو مخاطب کر کے نہایت زوردار لفظوں میں کہتے معاشرِ قریش! تم عرب کے سردار ہو۔ تمہاری وجاہت اور شرافتِ نسب اور ہوشمندی کا شہرہ عرب کے کونے کونے میں پڑا گونج رہا ہے اور تمہاری فضیلت و بزرگی سارے حجاز کو تسلیم ہے تم خدا کے مقدس معبد کے ہمسایے ہو اور اُس کے محافظ قرار دیئے گئے ہو۔ خدا نے اپنی ولایۃ اور اپنے حقِ جوار کی وجہ سے تمام بنی اسمٰعیل میں تمہیں ممتاز فرمایا اور اپنے معزز گھر کی محافظۃ و خبر گیری کی خدمۃ تمہارے ہاتھ میں دے کر تمہیں خصوصیت کا تمغہ عنایۃ کیا ہے جو لوگ خدا کے اس تقدس مآب گھر کی زیارت کو آتے اور اس کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں وہ درحقیقت خدا کے مہمان ہیں اور خدا کے مہمانوں کی خاطر مدارات کرنے کے سب سے پہلے تم مستحق ہو۔ پس خدا کے مہمانوں اور اُس کے گھر کے زائروں کی خوش دلی سے تعظیم و توقیر کرو اور اُن کو پیٹ بھر کر کھانا پانی دو۔ میں اس مقدس معبد کے پروردگار کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر میرے پاس اسقدر دولت ہوتی جس سے یہ سارے کام کاج چل جاتے تو میں تمہیں ایک درہم کی بھی تکلیف نہیں دیتا اور بے دریغ اپنی ساری دولۃ خدا کے مہمانوں کی خدمۃ میں خرچ کر ڈالتا۔ میں اس موقع پر اپنی حلال کمائی اور طیب مال میں سے وہ رقم نکال کر چندے میں دیتا

[1] (مسلمانو) اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت (رکھنے) والوں کی امانتیں (جب مانگیں) اُن کے حوالے کر دیا کرو ۱۲۔

ہوں جس میں نہ تو قطع رحمی کا شائبہ ہو اور نہ ظلماً جمع کی گئی ہو تو تم میں سے بھی جو شخص چاہے تنگ دلی سے نہیں بلکہ خوش دلی کے ساتھ ایسا کرے لیکن ساتھ ہی میں تمہیں بھی اس مقدس معبد کی حرمت و عظمت کی قسم دلاتا ہوں کہ جو مال خانۂ خدا کے زائروں کی مہمانی اور اُن کی خاطر و مدارات کے لئے نکالو بالکل پاک اور بے لوث ہو غرض کہ جب ہاشم اس طرح کا خطبہ پڑھکر فارغ ہوتے تو سامعین دولت کے جمع کرنے میں اَن تھک کوشش کرتے اور بہت سامال اکٹھا کرکے دارالندوہ میں لا ڈالتے۔

خلاصہ یہ کہ ہاشم نے بڑی دریادلی اور فیاضی کے ساتھ حُجّاج کی خدمت کرکے اور اپنا ذاتی بہت سامال خرچ کرکے مکّے میں ایک عمدہ لنگر قائم کی اور ساتھ ہی قبائلِ قریش نے بھی بڑی سرگرمی اور مستعدی کے ساتھ اُس کو مال سے مدد دی ہر ہر قبیلے کے ایک ایک شخص نے اپنی گنجایش کے موافق چندہ دیا اور حُجّاج کی ایک کثیر جماعۃ کو کھانے اور پانی کی طرف سے مطمئن کردیا۔ جب تک اہلِ موسم کا ہجوم رہتا کھانا پانی نہایت سیرچشمی کے ساتھ برابر تقسیم ہوتا رہتا۔ اس طرح مکّے کی نام آوری ہاشم کی وجہ سے بخوبی قائم رہی مگر جس وجہ سے ہاشم کا نام بہت زیادہ مشہور ہوا وہ اُنکی اعلیٰ درجے کی خیرات ہے جس کی اہلِ مکّہ کو ہمیشہ سخت ضرورۃ رہتی تھی ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ عرب میں کال پڑا اور قریش بھوکوں مرنے لگے۔ ہاشم سے اُن کی یہ تکلیف دیکھی نہیں گئی۔ اپنی ذاتی بہت سی دولت لے کر ملک شام گیا اور وہاں سے آٹے اور روٹیوں کا بڑا ذخیرہ خرید کر اونٹوں پر لادلایا یہاں آکر بہت سے اونٹ ذبح کئے اور کعک (بسکٹ) اور روٹیوں کو توڑکر سالن میں بھگو اور ثرید بنا لوگوں کو یہاں تک کھلایا کہ وہ خوب سیر ہوگئے۔ اس وقت سے لوگ اس کو ہاشم کہنے لگے کیونکہ ہشم کے لغوی معنے توڑنے کے ہیں۔ ہاشم نے سالن میں روٹی توڑکر بھگوئی اور اُسے ثرید بنایا تھا اس سے ہاشم کے نام سے مشہور ہوا۔

ہاشم کو فیاضی اور سیرچشمی کے علاوہ ذاتی وجاہت اور تمکنت و وقار بہت کچھ حاصل تھا اور قدرۃ نے اسکے جسمانی ساخت میں بھی ایک خاص طرح کا اعتدال ودیعۃ رکھا تھا یہی وجہ تھی کہ قبائل عرب کے عمائد اور وفود اجبار اپنی لڑکیاں ان کے نکاح میں دینے کی غرض سے پیش کرتے تھے یہاں تک بادشاہ روم نے ایک مرتبہ ہاشم کے پاس بایں مضمون پیغام بھیجا کہ میری ایک لڑکی ہے نہایت حسین اور حسین ہونے کے علاوہ لطیفہ گو بذلہ سنج اگر تم یہاں آجاؤ تو میں تمہارے ساتھ اُس کی شادی کردوں کیونکہ میں نے تمہارے مکارمِ اخلاق اور جود و سخا کا شہرہ سُنا ہے۔ ہاشم نے صاف لفظوں میں انکار کردیا اور روم کا بادشاہ کے پیام کی مطلق پروا نہیں کی۔ خزرجیوں میں کا ایک مشہور قبیلہ بنی عدی بن النجار یثرب (مدینے) میں بستا تھا۔ ہاشم نے اِس قبیلے میں کی ایک شریف النسب و نجیب الطرفین عورۃ سے شادی کی اور اسی عورۃ کے بطن سے ایک باوقار لڑکا پیدا ہوا جو آگے چل کر عبدالمطلب و شیبۃ الحمد کے نام سے پکارا گیا۔ یہ لڑکا ابھی دودھ ہی پیتا تھا کہ ہاشم کا پیمانۂ حیات لبریز ہوکر چھلک گیا اور وہ اپنے ہونہار بچّے کو ماں کی گود میں سوتا چھوڑ نہایت حسرۃ کے ساتھ عالمِ آخرۃ کو سفر کرگیا۔

عبدالمطلب کچھ عرصے تک اپنی ماں کی آغوشِ محبت اور پھر اپنے چچا مطلب کے سایۂ عاطفت میں پرورش پاتے رہے اور جب ابتدائی عمر کے مرحلے طے کرکے سنِ شعور کو پہنچے تو الوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ[1] کے مطابق تمام کمالات و فضائل کو اپنے میں جمع کرلیا اور آبائی شرف و بزرگی کے علاوہ بعض اُن خصوصیتوں کی وجہ سے جو اُن میں موجود تھیں تھوڑے ہی دنوں میں اپنے باپ

[1] بچّہ اپنے باپ کا نوٹو ہوتا ہے۔ ۱۲

ہاشم کی طرح نامور اور مشہور ہوگئے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مجاب الدعوۃ بھی تھے۔ انھوں نے اپنے اوپر شراب کا استعمال مطلقاً حرام کرلیا تھا۔ یہ پہلے شخص تھے جو تعبداً غارِ حرا میں بیٹھے۔

سیر کی کتابوں میں لکھا ہے کہ رمضان کا مہینا آتا تو عبدالمطلب حرا پہاڑ پر چڑھ جاتے اور لوگوں سے علیحدہ ہوکر عالمِ خموشی میں خدا کے جلال و عظمت اور اُس کے اسماء و صفات میں غور و فکر کرتے اور مساکین کو نہایت سیر چشمی کے ساتھ کھانا تقسیم کرتے۔ ان کے دسترخوان سے پرندوں کے لئے کھانا اُٹھایا جاتا اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر دور تک پھیلا دیا جاتا اور اسی سے لوگ ان کو مُطعِمُ الطّیر بھی کہا کرتے تھے۔

عبدالمطلب پیدا ہوئے تو ان کے سر پر سفید بال تھے، اس سے لوگوں نے ان کا نام شیبۃ الحمد رکھا تھا۔ شیبہ اس لئے کہ عربی میں سفیدیِ سر کو شیب کہتے ہیں اور الحمد اس لئے کہ خاندان کے بڑے بوڑھوں کی توقع تھی کہ یہ بڑھاپے کو پہنچیں گے اور لوگ ان کو حمد و ثنا کے ساتھ یاد کریں گے اور ایسا ہی ہوا بھی کہ عبدالمطلب ایک سو چالیس برس کی عمر کو پہونچے اور اُن کی کمال شرافت، سیادت اور قومی ہمدردی اور مصیبت زدوں کی امداد اور اپاہجوں کی خبرگیری کی وجہ سے اُس زمانے کے لوگ انھیں ہمیشہ نیک نامی اور تعریف کے ساتھ یاد کرتے رہے۔

ان کے عبدالمطلب کے ساتھ نامزد ہونے کے متعلق کتابوں میں نہایت دلچسپ روایتیں مذکور ہیں۔ ازاں جملہ یہ کہ ہاشم کے انتقال کے بعد کچھ عرصہ تک شیبۃ الحمد ماں کے آغوشِ محبت میں رہے اور یہاں تک کہ چلنے پھرنے کھیلنے کودنے کے لائق ہوگئے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ مدینے کے ایک وسیع میدان میں چند بچے تیروں سے کھیل رہے تھے۔ ایک شخص اُس طرف سے گذرا اور ذرا کی ذرا دم لینے اور بچوں کا تماشا دیکھنے کی غرض سے یہاں ٹھہر گیا۔ بچے نہایت آزادی کے ساتھ تیر چھوڑتے اور اِدھر سے اُدھر اُدھر سے اِدھر بھاگے بھاگے پھرتے تھے۔ دفعۃً ایک بچے کا تیر نشانے پر جا لگا اور بے ساختہ اُس کی زبان سے نکلا انا ابن سید البطحا۔ جوں ہی یہ جملہ بچے کے مُنہ سے نکلا گزرنے والا شخص جو یہاں کھڑا بچوں کا تماشا دیکھ رہا تھا نہایت تیزی کے ساتھ اس بچے کی طرف بڑھا اور لگا پوچھنے کہ صاحبزادے! تمہارا کیا نام ہے؟ بچے نے سادگی سے جواب دیا کہ مجھے شیبۃ الحمد کہتے ہیں۔ کہا اور تمہارے والد کا نام؟ جواب دیا ہاشم بن عبد مناف۔ یہ سن کر وہ شخص یہاں سے چل کھڑا ہوا اور مکے میں آکر ہاشم کے حقیقی بھائی مطلب بن عبد مناف کو تلاش کیا۔ معلوم ہوا کہ مطلب حطیمِ کعبہ میں موجود ہے۔ یہ اُس کے پاس گیا اور جو واقعہ آنکھوں سے دیکھا تھا زبان سے ادا کیا۔ مطلب فوراً مکے سے نکل مدینے پہونچا اور شیبۃ الحمد میں اپنے باپ عبد مناف کی شباہت پاکر پہچان لیا۔ بے ساختہ اُس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے مگر اُس نے بڑے ضبط سے اپنے دلی جوش کو روکا۔ شیبۃ الحمد کو پیار کیا اور تھوڑی دیر تک گلے سے لگائے چپکے چپکے روتا رہا۔ پھر تسلی اور دلدہی کے لہجہ میں بولا۔ پیارے شیبۃ الحمد! میں تیرا چچا ہوں اور تجھے تیرے خاندان کے لوگوں میں لے جانے کی غرض سے یہاں آیا ہوں۔ شیبۃ الحمد یہ سن کر خاموش ہوگئے۔ مطلب نے اپنی اونٹنی بٹھا اور چچا بھتیجے دونوں سوار ہو یہ جا وہ جا۔ شیبۃ الحمد کی ماں کو معلوم ہوا تو اُس کی نظروں میں ساری دُنیا اندھیر ہوگئی مگر غریب کر ہی کیا سکتی تھی صبر کرکے دل کلیجہ مسوس کے بیٹھ رہی۔ مطلب شیبۃ الحمد کو اونٹنی پر سوار کئے ہوئے مکے میں داخل ہوا۔ قریش نے دیکھکر باوازِ بلند کہا ھٰذا عبدالمطّلب یعنی یہ لڑکا مطلب کا غلام ہے۔ مطلب نے جواب دیا نہیں میرا غلام نہیں ہے، میرے مرحوم بھائی ہاشم کا پیارا فرزند اور میرا عزیز بھتیجا ہے۔

اُس وقت سے شیبۃ الحمد کا نام عبدالمطلب پڑ گیا۔

الغرض عبدالمطلب نے اپنے چچا مطلب کے کنارِ عاطفت میں پرورش پائی اور وہ جو کہتے ہیں کہ پُوت کے پاؤں پالنے میں پہچانے جاتے ہیں عبدالمطلب ابتدا ہی سے نیک سیرۃ نیک خصلت نظر آتے تھے یہاں تک جب پورے جوان ہوئے تو تمام صفاتِ حمیدہ اور خصائلِ بزرگانہ اِن میں جمع ہو گئے تھے مطلب کے مرنے پیچھے اُن کے تمام مناصب اِن کی طرف عود کر آئے اور مکے کی ریاست کی باگ اِن کے ہاتھ میں آ گئی۔

حلبی اپنی سیرۃ میں عبدالمطلب کے ذاتی حالات لکھتے ہوئے ابن جوزی سے نقل کرتے ہیں کہ عبدالمطلب آخر عمر میں بُتوں کی پرستش ترک کر کے خدا کی وحدانیت کے قائل ہو گئے تھے اور مکے کی چار دیواری کے اندر بہت سے اُن طریقوں کی بنیاد ڈال دی تھی جن کی تعلیم بعد کو اسلام کے ذریعے سے اوّل عرب میں پھر تمام روئے زمین میں دی گئی مثلاً وفاءِ نذر۔ محارم سے نکاح کی ممانعت قطعِ یدِ سارق۔ دُختر کُشی کی مناہی۔ تحریمِ خمر و زنا اور یہ کہ کوئی شخص خانۂ کعبہ کا ننگا طواف نہ کرے۔

عبدالمطلب کے واقعاتِ زندگی میں ایک بڑا واقعہ چاہِ زمزم کا ہے جس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ جب سے خدا کے اُس مقدس معبد کا نام جو سرزمین مکّہ میں واقع ہے کعبہ رکھا گیا ساتھ ہی اِس چشمے کا نام زمزم رکھا گیا۔ بلکہ بناءِ کعبہ کی تاریخ سے اِس چشمے کی تاریخ کچھ پہلے ہی تسلیم کی گئی ہے گویا یہی چشمہ مکے کی آبادی اور بناءِ کعبہ کا سبب واقع ہوا۔ اِس چشمے کی اصلیت یہ ہے کہ حضرۃ ابراہیمؑ کی دو بیویاں تھیں ہاجرہ اور سارا اور دونوں سوکنوں میں سازگاری نہ تھی اس لئے حضرۃ ابراہیمؑ ہاجرہ کو اُن کے بیٹے اسمٰعیل سمیت اس جگہ لے آئے جہاں اب خانۂ کعبہ موجود ہے اور دونوں ماں بیٹوں کو اِس غیر آباد صحرا میں چھوڑ کر ملکِ شام واپس چلے گئے یہاں ہاجرہ و اُنکے معصوم بچے کو پیاس لگی کیونکہ جو پانی وہ اپنے ساتھ لائی تھیں ہو چکا۔ پیاس کی شدت اور پانی نہ ملنے کی وجہ سے اِن پر مایوسی طاری ہوئی تو بیقراری کی حالت میں ہر چہار طرف پانی تلاش کرتی پھرتی تھیں۔ اتفاق سے کنکروں پتھروں و کوڑے کرکٹ کے نیچے پانی کا نشان معلوم ہوا۔ کنکروں پتھروں کو ہٹایا تو پانی نکل آیا۔ ہاجرہ اِس نعمتِ غیر مترقبہ پر شکرِ خدا بجا لائیں خود بھی سیر ہو کر پانی پیا اور اپنے فرزند کو بھی پلایا اور چشمے کو محفوظ رکھنے کے لئے اُس کے گرداگرد مُنڈیر بنا دی۔ برسوں تک یہ چشمہ جاری رہا اور اسکی وجہ سے اردگرد کے بہت سے قبائل یہاں آ بسے ایک مدت کے بعد جرہمیوں نے جو سب سے پہلے چشمۂ زمزم کے قریب آباد ہوئے جب خدا کی مقدس عبادت گاہ میں طرح طرح کے فسادات برپا کئے تو عمرو بن حارث جرہمی نے جو اِن کا سردار تھا اِس خوف اس سرزمین سے بھاگ جانے کا ارادہ کیا کہ مبادا جرہمیوں پر اُن کے کردارِ ناشائستہ کی وجہ سے عذابِ الٰہی ٹوٹ پڑے اور میں بھی انکے ساتھ مبتلائے عذاب ہو جاؤں چنانچہ اُس نے اپنی ساری قوم کو جمع کر کے اپنا یہ ارادہ ظاہر کیا قوم کے سربرآوردہ لوگوں نے اسکی اس رائے سے اتفاق اور سب نے سرزمین مکّہ سے نکل جانے پر عزمِ مصمم ظاہر کیا۔ عمرو نے قوم کے نفیس و قیمتی مال مثلاً سونے کی دو ہرنیاں و تلواریں و زرہیں اور حجر الرکن یا حجر المقام جو کچھ بھی کعبے کا چڑھاوا تھا اِس چشمے میں جو مرورِ زمانے کی وجہ سے ایک خاصہ عمیق گڑھا ہو گیا تھا ڈالدیئے اور مُنڈیریں توڑ تاڑ کنکروں پتھروں سے پاٹ دیا یہاں تک کہ اُس کا نام و نشان تک بھی باقی نہیں رہا۔ پھر عمرو اپنی قوم کو یمن کی طرف لے بھاگا۔ اُس زمانے سے مدتوں تک یہ چشمہ پٹا پڑا رہا اور سینکڑوں برس گزر گئے کسی کو اُسکی طرف خیال بھی نہیں ہوا مگر عام الفیل کے سال عبدالمطلب کو اِس کا خیال ہوا اور اِنھوں نے وہ جگہ کھود کر پانی نکالا۔

عبدالمطلب کو اس مقامِ خاص کے دریافت ہونے کی نسبت مورخوں نے بڑی بڑی موشگافیاں کی ہیں مگر ایک روایۃ جو عقل و نقل دونوں کے مطابق صحیح تسلیم کی گئی ہے مشہور مورخ ابن اسحاق نے حضرۃ علی کرم اللہ وجہہ سے اس موقع پر نقل کی ہے کہ عبدالمطلب کا بیان ہے کہ میں ایک روز حطیمِ کعبہ میں سوتا تھا خواب میں ایک شخص آ کر کہنے لگا کہ طیبہ کو کھود کر پانی نکال میں نے پوچھا طیبہ کہاں ہے اس نے کچھ جواب نہیں دیا اور غائب ہو گیا دوسرا اور تیسرے دن بھی یہی واقعہ پیش آیا اور وہ شخص نئے نئے نام لیتا رہا چوتھے روز کہا زمزم کو کھود میں نے زمزم کا پتہ پوچھا تو کہا قریۃ النمل کے متصل میں صبح ہوتے ہی اپنے بیٹے حارث کو ساتھ لے اس موقع پر پہنچا اور کھودنا شروع کیا۔ تین روز تک ہم دونوں باپ بیٹے برابر کھودا کئے چوتھے روز ایک پختہ منڈیر نمودار ہوئی اور اندر سے پانی چمکا۔

عبدالمطلب زمزم کے کھودنے میں کامیاب ہوئے تو اُن کی زبان سے بےساختہ نعرہ اللہ اکبر نکلا اور ساتھ ہی یہ بھی هذا طَمِیُّ اِسْمٰعِیْلَ یہ سُن کر بہت سے لوگ زمزم پر جمع ہوئے اور عبدالمطلب کی مزاحمۃ کر کے فساد پر آمادہ ہو گئے اور لگے کہنے کہ یہ کنواں ہمارے باپ اسمٰعیل کا بنایا ہوا ہے اس میں ہم اور تم دونوں شریک ہیں گے اگر تم ہماری شرکت تسلیم کرو بہتر ورنہ ہم تم کو اس پر مجبور کریں گے کہ یا تو تم ابھی اس پر سے اپنا قبضہ اٹھا لو یا ہم سے لڑنے پر آمادہ ہو جاؤ۔ ہم اس کنویں کو بدستور سابق پاٹ دیں گے اور پھر اپنے خرچ سے کُھدوا کر تیار کر لیں گے۔ عبدالمطلب نے نرمی کے ساتھ اس فساد کی آگ کو دبا دیا اور کسی تدبیر سے اپنے مقصد پر کامیاب ہو گئے۔

یوں تو عبدالمطلب کی اولاد ذکور بقول بعض دس اور بقول بعض تیرہ تھی مگر سب میں زیادہ باوفا اور عقلمند ابوطالب تھے یہ ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر بہت مہربان تھے اور اپنے باپ عبدالمطلب کے انتقال کے بعد پیغمبر صاحب کی پرورش کے متکفل یعنی پیغمبر صاحب کی کفالۃ و تربیت ان ہی سے متعلق تھی۔ پیغمبر صاحب نے ان ہی کے کنارِ عاطفت میں نشو و نما پایا اور جب تک زندہ رہے پیغمبر صاحب کی حمایۃ و نصرت میں مصروف رہے عبدالمطلب کے چھوٹے فرزند عبداللہ پیغمبر صاحب کے والد نہایت متین اور سنجیدہ اور شریف طبیعت کے آدمی تھے اور نہ صرف جلالتِ نسب بلکہ مکارمِ اخلاق کی وجہ سے تمام جوانانِ قریش میں امتیاز کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔ محاسنِ اعمال اور شمائلِ مطبوع میں فرد تھے۔ حرکات موزوں اور لطف گفتار میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ ان کی شادی وہب بن عبدِ مناف کی بیٹی آمنہ سے قرار پائی۔ وہب اس وقت مر چکے تھے اور بی بی آمنہ اپنے چچا وہیب کی سرپرستی میں زندگی بسر کرتی تھیں۔ وہیب کو اس تجویز پر اطلاع ہوئی تو گھر کی بات تھی اُس نے اس پیام کو خوشدلی کے ساتھ منظور کر لیا اور عبدالمطلب کو عبداللہ سمیت بلا بھیجا اور عظمائے قریش کے ایک بڑے مجمع میں عبداللہ کا آمنہ سے اور عبدالمطلب کا ہالہ بنت وہیب سے نکاح ہو گیا۔ لبطنِ ہالہ سے حمزہ اور بطنِ آمنہ سے جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے جس سال عبداللہ کی شادی ہوئی ملک عرب پر چاروں طرف سے آفات کی بھرمار تھی اور طرح طرح کے لشکرِ مصائب لوگوں پر ٹوٹ رہے تھے۔ اگرچہ یہ سارا سال واقعاتِ ہائلہ سے پُر اور مصائب و آفات کا دنگل بنا ہوا تھا لیکن ایک وہ واقعہ جس نے عرب کی بنیادوں تک کو ہلا ڈالا اور تمام ملک میں عام طور پر ہلچل ڈال دی یعنی یمن کے حاکم کا خانۂ خدا پر خونخوار حملہ خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہے۔

یمن کا حاکم اُبرہۃ الاشرم ایک نہایت سخت متعصب عیسائی تھا جس نے مذہبی تعصب کی وجہ سے خانۂ کعبہ کی تخریب کا ارادہ کیا۔ اس نے جب دیکھا کہ لوگ موسمِ حج میں نہایت ذوق شوق سے دور دراز کا سفر طے کرکے جوق جوق خانۂ کعبہ میں آتے اور طواف و زیارۃ سے آتشِ شوق کو بجھاتے ہیں تو اس کے مذہبی تعصب کی آگ اور بھڑک اُٹھی اور خانۂ کعبہ کی تعظیم اور انتہا سے زیادہ جاہ و جلال دیکھ کر آتشِ حسد پر لوٹنے لگا۔ شہرِ صنعاء میں ایک عظیم الشان گرجا بنایا اور زُوّارِ کعبہ کو اس کی زیارۃ کی تکلیف دی لیکن جب لوگ اس گرجا کی زیارۃ کو نہ آئے تو اُبرہہ غصّے میں جھلّا اُٹھا اور ایک خونخوار لشکر کی سرکردگی میں خوفناک اور مہیب ہاتھیوں پر سوار ہوکر مکّے کی طرف بڑھا۔ مکّے کے لگ بھگ پہنچا تو قریش اور کنانہ اور خزاعہ اور ہذیل کے قبائل سب مل کر لڑنے کو تیار ہوتے لیکن جب اُنھوں نے اُبرہہ کی فوج سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں دیکھی تو اپنے اہل و عیال کو لے مکّے کی اونچی اونچی پہاڑیوں پر جا چڑھے۔ عرب بے شک بہادر تھے۔ جانباز تھے۔ بڑے بڑے معرکوں میں بے خوف کُود پڑتے تھے۔ خطرناک اور جان جوکھوں کے مواقع میں اندھا دُھند گھس جاتے تھے۔ ہمیشہ سر بکف نہایت آزادی سے پھرتے تھے۔ اور جان دے دینا اُن کے نزدیک کوئی بات ہی نہ تھی لیکن تو بھی اُنھوں نے گوارا نہیں کیا کہ ایسے زبردست اور ڈراونی شکل کے جانوروں کے مقابلے میں سینہ بسینہ اور کلّہ بکلّہ ہوکر لڑیں۔

اُبرہہ نے رستے میں سے حمیر کو بطریقِ سفارۃ سردارانِ قریش کی طرف روانہ کیا اور کہلا بھیجا کہ میں تم لوگوں سے لڑنے کے ارادے سے نہیں بلکہ صرف کعبے کو ڈھانے کے لئے آیا ہوں اگر تم لوگ میری مزاحمت کروگے اور جنگ کی طرف مائل ہوگے تو میرے پاس بہت سا سامانِ حرب موجود ہے۔ اس گفت و شنید میں کئی روز گزر گئے اور قبائلِ قریش میں سے کسی کو اُبرہہ سے مقابلہ کرنے کی جراۃ نہیں ہوئی۔ اُبرہہ نے رستہ صاف دیکھا تو جھٹ شہر مکہ میں آدھمکا۔ قبائلِ قریش پہلے ہی مکّے کی پہاڑیوں میں جا چُھپے تھے تاہم کعبۂ مقدّس کی عمارۃ میں کچھ لوگ اس غرض سے جمع بھی تھے کہ لشکرِ یمن کعبے پر حملہ آور ہوگا تو ہم ایک خونریز جنگ کرکے اپنی جانیں کعبے پر قربان کردیں گے۔ اُبرہہ کو معلوم ہوا تو اُس نے اس روز کعبے پر دھاوا کرنا مناسب نہ سمجھا اور آج کے حملے کو کل کے لئے اُٹھا رکھا۔ دوسرے دن کی صبح کو اپنی خونخوار فوج ساتھ لے آگے بڑھا لیکن قبل اس کے کہ فوج کو دھاوے کا حکم دے اُسے خیال آیا کہ جو لوگ کعبے میں موجود ہیں اُنھیں پیام تو پہنچا دیا جائے تاکہ غفلت میں مرکر نہ رہ جائیں چنانچہ اُس نے لوگوں سے دریافت کیا کہ کعبے کے مجاوروں کا سردار کون ہے سب نے کہا عبدالمطلب۔ اُبرہہ نے عبدالمطلب کو بُلایا اور تخلیے میں گفتگو کی۔ عبدالمطلب یہ کہتے ہوئے اُبرہہ کی مجلس سے باہر نکل آئے کہ جو اس گھر کا مالک ہے وہی اس کا محافظ بھی ہے ہمیں یقین ہے کہ وہ اپنے گھر کو مخالفوں کی زد بچائے گا اور اپنے گھر کے خادموں کو ذلیل و رسوا نہیں کرے گا۔

الغرض اُبرہہ لشکر کو لے کر آگے بڑھا اور جب کعبے کی دیواریں نظر آنے لگیں تو یکبارگی دھاوا کر دینے کا حکم دے دیا۔ خدا کا کرنا جوں ہی گستاخ لشکر نے خانۂ خدا کی جانب قدم اُٹھاتے مکّے کی غربی سمت سے لشکرِ الٰہی نمودار ہوا یعنی بہت سے پرند چھوٹی چھوٹی کنکریاں پنجوں اور چونچوں میں لئے ہوئے فوج فوج آگئے اور لشکرِ یمن پر کنکریاں برسانے لگے جس پر کنکری پڑتی گولی کا اثر کرتی۔ تھوڑی دیر میں سارا لشکر خداوندی غضب میں مبتلا ہوکر غارت ہوگیا ظالم اور گستاخ اُبرہہ اگرچہ زخموں سے

چور ہو کر یمن کی طرف بھاگا لیکن اُس کا مرغِ روح عقابِ موت کے چنگل سے بچ نہیں سکا اور رستے ہی میں مر کر رہ گیا۔
اس عبرتناک واقعے کے کچھ ہی دنوں بعد جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ کا انتقال ہو گیا۔ یہ تجارۃ کا کچھ سامان لے کر ملکِ شام گئے ہوئے تھے اور اُن دنوں شام ہی ایک ایسا ملک تھا جو تجارۃ کا مرکز اور اہلِ تجارۃ کا جولانگاہ بنا ہوا تھا عبداللہ شام سے لوٹے تو کچھ روز مدینے ٹھہرے اور وہیں بیمار ہو کر انتقال کر گئے۔ عبدالمطلب نے اپنے قابل و فخرِ خاندان و قوم فرزند کی خبرِ علالۃ سُنکر اپنے دوسرے فرزند زُبیر کو مدینے روانہ کیا لیکن یہ وہاں تک پہنچنے بھی نہ پائے تھے کہ عبداللہ کے انتقال کی خبر ان کے کانوں میں پہنچی تاہم جوں توں کر کے تجہیز و تکفین میں شریک ہوئے اور دارِ نابغہ کی سرائے میں عبداللہ کو دفن کیا۔ عبداللہ اور ابوطالب اور زبیر تینوں حقیقی بھائی تھے جو عمرو بن عائذ کی بیٹی فاطمہ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔
عبداللہ کے انتقال کے بعد ایک لونڈی ام ایمن۔ پانچ اونٹ۔ بکریوں کا ایک مختصر سا ریوڑ ایک تلوار تھوڑی سی چاندی یہ چیزیں باقی رہیں جو بعد کو بحقِ وراثۃ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اُٹھا رکھی گئیں۔
ہم نے سِیَر کی کتابوں سے جُن کر پیغمبر صاحب کے اجداد کا جو تھوڑا تھوڑا حال لکھدیا ہے اس سے ضرورۃً یہ بات تو تا حدِّ تیقّن ثابت ہوتی ہے کہ پیغمبر صاحب کے اجداد اپنے اپنے وقت میں مکارمِ خصال و محاسنِ اخلاق کے اعتبار سے کا بر اعن کا بر بڑے باوقار لوگ ہوتے آئے ہیں۔ ہم نے فی محلّہ دو باتیں ثابت کی ہیں، ایک یہ کہ تمام ادیان میں دینِ فطرۃ ہی دینِ برحق ہے اور دینِ اسلام بھی وہی دینِ فطرۃ ہے یعنی فطرۃ اور اسلام نام دو ہیں مصداق اور مسمّٰی ایک۔ دوسری یہ کہ دینِ فطرۃ کی غرض و غایۃ ہے دنیا میں امن و عافیۃ کا قائم کرنا اور چونکہ دنیا میں امن و عافیۃ کا قائم کرنا مکارمِ اخلاق کے بدون ہو نہیں سکتا نتیجہ یہ نکلا کہ مکارمِ اخلاق عین دینِ اسلام ہیں، دینِ فطرۃ شروع سے اب تک نہیں بدلا<sup>ن</sup> لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ اور جب تک یہی آدمی ہیں اور یہی زمین و آسمان ہیں بدلے گا بھی نہیں اس لئے کہ یہ قانون خدا کا بنایا ہوا ہے اور اُس کی کسی بات میں تغیر اور تبدّل کو دخل نہیں۔ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ۔ بشری طبیعۃ تو ناممکن التبدیل ہے مگر تعلیم تربیۃ تقلیدِ زمانی مکانی خارجی تاثیرات کی وجہ سے قوی اور ضعیف ہوتی رہتی ہے، طبیعۃ بشری کو خلقی اعتدال پر قائم رکھنے کی غرض سے خدا تعالیٰ وقتاً فوقتاً پیغمبر بھیجتا رہا ہے مگر بشری طبیعۃ خود قبولِ حق کے لئے ہمہ وقت آمادہ ہے اُس میں قبولِ حق کی صلاحیۃ من جانب اللہ ودیعۃ رکھی گئی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اقوامِ روزگار ہر جگہ ہر ملک میں مکارمِ اخلاق کا ادب کرتی رہی ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ باوجود خلافِ عقائد جہاں تک اَمن و عافیۃ سے تعلق ہے سب لوگ اچھے کام کو اچھا اور بُرے کام کو بُرا سمجھتے ہیں یعنی مقصود قریب قریب سب کا ایک ہے اس لئے کہ طبیعتیں سب کی قریب قریب یکساں ہیں۔ زمانۂ حال کی ایک مثال سے اس کو اچھی طرح سمجھو گے کہ ہندوستان میں انگریزوں کی سلطنت بھی خدا کی قدرت کا ایک عجیب کرشمہ ہے۔ کون خیال کر سکتا تھا کہ انگریز کالے کوسوں دُور کے رہنے والے خشکی اور تری دونوں رستے خطرناک قدم قدم پر جان کا ڈر کبھی بھی ہندوستان میں آکر سلطنت کرینگے مگر خدا کو منظور تھا کی اور کر رہے ہیں اور ایسی کر رہے ہیں جو کرنے کا حق ہے۔ شاہانِ مغلیہ بالہائے دراز سے اچھی خاصی طرح

لہ خدا کی زبانی ہوئی (بناوٹ میں ردّ و بدل نہیں ہو سکتا یہی دین (کا) سیدھا رستہ ہے مگر اکثر لوگ نہیں سمجھتے لہ ہمارے یہاں (جو ایک) بات (قرار پا چکی ہے) نہیں بدلی جایا کرتی۔ ۱۲۔

سلطنتِ ہند پر جمے ہوئے بیٹھے تھے کہ ان کی سلطنت پر زوال آنا شروع ہوا۔ ہندوستان سارے جہان میں سونے کی چڑیا کر کے تو مشہور تھا ہی، اسی اثنا میں انگلستان کے چند باہمت لوگوں نے مل کر ہندوستان کے ساتھ تجارت کرنے کیلئے ایک کمپنی کھڑی کی۔ کمپنی کے کچھ ایجنٹ سمندر کی راہ ہندوستان آئے انہیں ایک بڑا حاذق ڈاکٹر بھی تھا اتفاق سے بادشاہ بیگم کسی مہلک عارضے میں مبتلا ہوئیں۔ ڈاکٹر کے علاج سے شفا پائی۔ بادشاہ نے خوش ہو کر کمپنی کو کلکتہ بمبئی سورت میں تجارت کی کوٹھیاں بنا لینے کی اجازت دی، بس یہ ہی سلطنتِ انگریزی کی بنیاد ہے ؎

کیسے اللہ ہی چھوٹوں کو بڑائی دینا — آسماں آنکھ کی پتلی میں دکھائی دینا

زمامِ سلطنت ہاتھ میں آئی تو انگریزوں کو ہندوستان بالکل نئی دنیا دکھائی دیا کہ انگلستان اور ہندوستان میں سوائے اسکے کہ دونوں ملکوں کے باشندے آدم زاد ہیں کسی طرح کی مماثلت اور مشابہت نہیں۔ نہ زبان میں نہ مذہب میں نہ رسم و رواج میں نہ معلومات میں نہ خیالات میں نہ آب و ہوا میں نہ شکل و صورت میں نہ طرزِ ماند و بود میں نہ خو خصلت میں گویا کہ ہندوستان کے لوگ کسی دوسرے باوا آدم کی نسل ہیں، حیوانیت سے قریب انسانیت سے دور نیم وحشی نیم مہذب۔ طرزِ حکومت کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہاں کے لوگ قدیم الایام سے شخصی حکومت کے خوگر ہیں۔ اپنے تئیں تو لیاقت نہیں، نیک و بد حاکمِ وقت کے حوالے کر کے آپ پڑے اینڈا کرتے ہیں۔ آب و ہوا نے کاہل۔ پست ہمت۔ آرام طلب کثرت پیداوارِ اراضی نے ہنر سے غافل بنا دیا ہے ایک بڑی آفت اختلافِ عقائد کی ہے جو ان میں اتحادِ قومی نہیں ہونے دیتی۔ اگر خراج کی رقم کثیر کا لالچ نہ ہوتا تو انگریز اس ملک میں کھڑے پانی نہ پیتے ع روح را صحبتِ ناجنس عذابیست الیم ٭ مگر سلطنت اور سلطنت بھی ہندوستان کی سلطنت کس سے چھوڑی جاتی ہے، انگریز بھی اس کو دانتوں سے پکڑے ہوئے ہیں۔ ولایت کو قربان کر دیں گے اور کسی غیر کو ہندوستان کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھنے دیں گے ؎

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن نہ دہم — گوش را نیز حدیثِ تو شنیدن نہ دہم

آخر جو ان میں بڑے مدبر تھے انھوں نے یہ تدبیر سوچی کہ ہندوستانیوں کو اپنے جیسے آدمی بناؤ اور اطمینان کیساتھ ان پر حکومت کئے جاؤ جیسے انگلستان میں کرتے ہو، خراج ہم لیں اور اندرونی رگڑے جھگڑے یہ لوگ آپ سمجھ بوجھ لیا کریں۔ پھر یہ سوال پیش آیا کہ ہندوستانی انگریزوں جیسے نہیں تو کیسے بنیں۔ جواب ظاہر تھا کہ بنیں انگریزی تعلیم سے۔ یہ سوچ سمجھ کر حکماً انگریزی تعلیم کو رواج دیا۔ لیکن اس تعلیم میں ہندوستان کے لحاظ سے چند در چند نقص تھے جو تعلیم کے رواج دینے والوں کو اس وقت نہیں سوجھے اور آخر کار اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ مروجہ تعلیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزی خوانوں کو انگریزی زبان آگئی زبان کوئی سی بھی ہو ذریعہ ہوتی ہے اظہارِ مافی الضمیر اہلِ زبان کا۔ اسی سے یہ کلیہ مستنبط کیا گیا ہے کہ لٹریچر (علمِ ادب) آئینہ ہوتا ہے ان لوگوں کے حالات اور خیالات کا جن کا وہ لٹریچر ہے۔ اور یہ بات بجائے خود ٹھیک بھی ہے۔ ادبِ عربی کی کتابیں پڑھنے سے ہم معلوم کرتے ہیں کہ اہلِ عرب شجاع تھے سخاوت مہمان نوازی سپہ گری جفاکشی وامثالہا کے خوگر تھے اہلِ فارس عاشق مزاجی و عیاشی کے۔ دوسری بات یہ ہے کہ لٹریچر بھی بجائے خود معلم اور ادب آموز ہے اور چونکہ آدمی میں مادۂ تقلید کا بھی ہے جو شخص جس طرح کا لٹریچر پڑھتا رہتا ہے ویسے ہی اخلاق اختیار کر لیتا ہے۔ انگریزی خوانوں کے لئے درسی کتابوں کے علاوہ اخبارا ور ناولوں میں

لٹریچر کی افراط تھی۔ انگریزی لٹریچر کا سر جوش آزادی پی پی کر مست ہو گئے الا ماشاءاللہ معدہ تھا ضعیف غذا پہنچی قوی تخمہ ہوا ہی چاہے۔ انگریزوں کے آزادی کے گر کو تو پایا نہیں باوجود بے سامانی کے لگے آزادی کے خواب پریشان دیکھنے ع آنچہ آدم می کُند بوزینہ ہم ؎

اِس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے اسد
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

ہم تعلیمی کمیشن کے ممبروں کے سامنے کوئی اظہار تو دے نہیں رہے کہ تعلیم مروّجہ کے نقصانوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کریں ع ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مکانے دارد۔ ہاں تعلیم مروّجہ کا ایک بڑا بھاری نقص فقدان تعلیم مذہبی ہے جس سے ہم کو تعلق ہے سرکاری مدارس میں خدا جانے کیا کیا پڑھایا جاتا ہے مگر نہیں پڑھایا جاتا تو مذہب ہندوستانیوں کے اختلاف عقائد کی وجہ سے انگریزوں کو دھوکا ہوا۔ اُنھوں نے اختلافِ عقائد کو دیکھکر حکومۃ کے کئی شعبوں میں کسی مذہب سے کچھ تعلق نہیں رکھا یہاں تک کہ اپنے مذہب عیسائیۃ سے بھی سرکاری عدالتیں انصاف کے آگے کسی مذہب کا خیال نہیں کرتیں اور یہ نہایت دانشمندانہ اصول ہے اور استحکام سلطنۃ میں اس کو بہت بڑا دخل ہے۔ مگر یہ اصول جیسا دانشمندانہ ہے ویسے ہی اس میں ایک غلطی بھی ہے غلطی یہ ہے کہ عقیدہ ہے تو جزوِ مذہب غلطی سے اُس کو تمام مذہب سمجھ لیا گیا ہے حالانکہ مذہب ایک مجموعے کا نام ہے اور اس مجموعہ کا ایک جزو عقیدہ بھی ہے۔ ممکن ہے کہ عقائد مختلف ہوں اور مختلف العقائد لوگ عقائد کے علاوہ کسی اور جزو مذہب میں متفق و متحد ہوں مثلاً جھوٹ بولنا مردم آزاری مسلمانوں عیسائیوں ہندوؤں پارسیوں سب کے نزدیک بُرے کام ہیں یہاں تک کہ اُن لوگوں کے نزدیک بھی جو کوئی مذہب نہیں رکھتے یا مذہبی خیال سے نہیں بلکہ بھلمنساہت کے خیال سے جھوٹ نہیں بولتے کسی کو ناحق نہیں ستاتے اور امن و عافیۃ کے متعلق کتنی ایسی باتیں نکلیں گی جن میں سب مذہب بلکہ تمام متمدن آدمی متفق ہیں متمدن لوگ امن و عافیۃ ہی کے خیال سے تمدن اختیار کرتے ہیں اور جو لوگ کسی مذہب کے پابند ہیں فطرۃ ہی نے ان کے دلوں میں بھی امن و عافیۃ کا خیال پیدا کیا ہے۔ فرق اتنا ہے کہ پابندِ مذہب کے خیالِ امن و عافیۃ کی بنیاد مستحکم ہے کیونکہ وہ امن و عافیۃ کو موجب رضائے الٰہی سمجھتا ہے اور جو خدا کے خیال سے امن و عافیۃ کا عامل نہیں اُس کا عمل تو محمود ہے مگر اُس کی بنیاد مستحکم نہیں۔ یہ معنے ہیں اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ کے۔ مذہبی اور غیر مذہبی لوگوں کے عمل یکساں ہوں مگر مذہبی کا عمل رجسٹری شدہ دستاویز ہے اور غیر مذہبی کا بے رجسٹری۔ اُن باتوں میں جو سب مذہبوں کی متفق علیہ ہیں حاکمِ وقت کا ادب بھی ہے۔ ہندو تو راجہ کو مذہباً خدا کا اوتار مانتے ہیں مسلمان اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کی رُو سے اطاعۃِ حاکم کو فرض منصوص۔ اگر سرکاری مدارس میں انگریزی تعلیم کے ساتھ ساتھ مذہبی تعلیم بھی دی گئی ہوتی مسلمانوں کو قرآن و حدیث کی ہندوؤں کو وید پران کی تو خودسری کا خیال ہی کسی کے دل میں خطور نہ کرتا۔ تعلیم مروّجہ نے مذہبی تعلیم سے بے تعلقی کر کے مذہب اور مذہبی حکام کا ادب انگریزی خوانوں کے دلوں سے اُٹھا دیا۔ ان میں سے مذہب کو کوئی کچھ سمجھتا ہی نہیں ادب کرے کیا خاک تعلیم میں اتنی فضول چیزیں بھر دی ہیں کہ مذہبی تعلیم کی طرف متوجہ ہونے کے لئے وقت نہیں مل سکتا۔ اب حال میں سر بر آوردہ ہندو جمع ہو کر ویسرائے کے پاس گئے اور درخواست کی کہ سرکار ہماری مذہبی تعلیم کا انتظام کرے۔ ان لوگوں نے ضرور سمجھا ہوگا کہ یہ شورش

۵۱ اعمال کا مدار نیتوں پر ہے۔ ۱۲ ۵۲ (مسلمانو!) اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور جو تم میں سے صاحب حکومۃ ہیں ان کا بھی ۱۲

جو آج کل جگہ جگہ ہو رہی ہے فقدانِ مذہبی تعلیم کا نتیجہ ہے۔ اگر واقع میں ان لوگوں نے ایسا ہی سمجھا ہو تو انھوں نے مرض کی درست تشخیص کی اور ٹھیک درد کی جگہ انگلی رکھی۔ اور مسلمان تو مدتوں سے اس کو سمجھے بیٹھے ہیں اور انھوں نے علی گڑھ کالج اور لاہور اسلامیہ کالج میں کہ مسلمانوں کی یہی دو بڑی درس گاہیں ہیں مذہبی تعلیم کو انگریزی تعلیم کا ضمیمہ بنا رکھا ہے اور اسی لئے شریکِ شورش نہیں ہوئے۔ ویسرائے نے ہندوؤں کو جواب دیا اور جب تک تعلیم مروّجہ کا نظام نہ بدلا جائے وہ اور کیا جواب دے سکتے تھے کہ مذہبی تعلیم کا آپ لوگ خود انتظام کریں سرکار بھی مدد دے گی بارے سے

| | |
|---|---|
| پس از سی سال ایں معنے محقق شد بخاقانی | کہ بورانی است بادنجان و بادنجان است بورانی |

اے کاش تعلیم مروّجہ کو رواج دینے وقت مذہبی تعلیم کی ضرورت تسلیم کی گئی ہوتی جو اب بعد خرابی بصرہ دبی زبان سے تسلیم کی جاتی ہے۔ انگریزی عملداری سے پہلے ہندوستان میں مذہبی اور دوسرے علوم کی تعلیم یکجائی مسلمانوں کی مسجدوں اور خانقاہوں اور مدرسوں میں اور ہندوؤں کے مندروں اور پاٹ شالاؤں میں ہوتی تھی بے تنخواہوں کے استاد اور گرو طالب العلموں اور ودّیارتھیوں کو بلا فیس پڑھاتے تھے بلکہ بسا اوقات طالب العلموں اور ودیارتھیوں کو کھانا اور بھوجن مدرسے اور پاٹ شالا سے ملتا تھا۔ بادشاہ اور راجہ اور خوش حال لوگوں کی طرف سے خیرات کے طور پر امداد ہوتی رہتی تھی۔ مذہبی تعلیم کے شمول کی وجہ سے شاگرد استاد کا بہت ادب کرتے تھے۔ انگریزوں نے تنخواہ دار استاد رکھ کر اور شاگردوں سے فیس لیکر پڑھوانا شروع کیا استادوں کا اگلا ادب بالکل اُٹھ گیا۔ زمانہ حال کی شورش کرنے والوں پر انگریزوں کے ایک چھوڑ دو دوہرے حقوق تھے حکومت اور راج کا ایک استادی کا دو۔ ایک مذہبی تعلیم کے نہ ہونے سے انھوں نے دونوں حق تلف کئے علمی دنیا میں ناخلف شاگرد کہلائے اور اس قطعے کے مصداق بن کر بدنام ہوئے۔ قطعہ

یا وفا خود نبود در عالم ۔ یا مگر کس دریں زمانہ نکرد ۔ کس نیاموخت علم تیر از من ۔ کہ مرا عاقبت نشانہ نہ کرد ۔

ہمارے ہوش میں پہلی بدامنی ۱۸۵۷ عیسوی میں ہوئی جو غدر کے نام سے مشہور ہے تو وہ فوجی بغاوت تھی اور اس میں کچھ نادان رعایا کے لوگ بھی شامل ہو گئے تھے۔ اصل میں نئی قسم کے کارتوس فوج میں تقسیم کئے گئے۔ معمولی کارتوسوں میں کاغذ کی نلی میں بارود بھری ہوتی تھی۔ نئے کارتوسوں میں اوپر کے کاغذ کو چکنا کر دیا گیا تا کہ بارود سیلنے نہ پائے۔ کسی نابکار نے سپاہیوں کو برافروختہ کرنے کے لئے مشہور کر دیا کہ ان کارتوسوں میں گائے اور سور کی چربی ہے اور سرکار ان کارتوسوں کے ذریعے سے مسلمانوں اور ہندوؤں کا دھرم لینا چاہتی ہے۔ افواہ نے چاروں طرف ملک میں غدر مچا دیا۔ آخر انگریزوں نے بزورِ شمشیر غدر کو فرو کیا۔ غدر کے فرو ہوئے پیچھے اسبابِ بغاوت کی جستجو ہونے لگی اور رائے یہ قرار پائی کہ بغاوت کا اصلی سبب لوگوں کی جہالت ہے کہ یہ سرکار انگریزی کی قوت اور شوکت سے واقف نہیں۔ تب سے تعلیم انگریزی پر زور دیا جانے لگا اور یہ سمجھا گیا کہ تعلیم انگریزی سے سرکار اور رعایا کی باہمی اجنبیت دور ہو کر انگریزی خوانوں کے ساتھ ساتھ سرکاری خیر خواہوں کا شمار بڑھتا جائے گا۔ یہیں سے تو خدا پہچانا جاتا ہے عرفنا اللہ بفسخ العزائم کہ آدمی سوچتا کچھ ہے اور ہوتا کچھ ہے۔ یہی انگریزی خواں غدر کے باغیوں سے بڑھ کر مفسد نکلے۔ غدر کے باغی مارے کوٹے سے دب تو گئے۔ ان شورش کرنے والوں کا تو یہ حال ہے کہ ع چکنے گھڑے پہ بوند پڑی اور پھسل پڑی۔ خیر سرکاری تعلیم میں تو مذہبی تعلیم کے فقدان کا نقص تھا مشن کالجوں نے کون سے ٹکے پرکھا دیئے۔ انکے یہاں تو مذہبی تعلیم

مقصود بالذات ہی اور مذہبی تعلیم بھی وہ تعلیم کہ کوئی تیرے دلہنے گلّے پہ طمانچہ مارے تو بایاں گلّہ بھی سامنے کردے کرتے اور جس کو ایسی تعلیم دی گئی ہو قوانینِ اَمْن وعافیۃ کا نقص کرہی نہیں سکتا۔ پادری صاحبان یہ عذر پیش کرسکتے ہیں کہ مشن کی تعلیم صرف محدود حلقے میں ہی عام نہیں ہی۔ مگر ہمارے نزدیک مشن کی تعلیم میں دو نقص اور بھی ہیں۔ ایک یہ کہ ہم نے مشن کی تعلیم کی نسبت لوگوں کو کہتے سُنا ہی کہ ہاتی کے کھانے کے دانت اور ہیں اور دکھانے کے اور۔ انگریز عیسائی ہونیکے مُدّعی ہیں اگر مذکورۂ بالا طمانچے کے مسئلے کے عامل ہوتے تو وہ ہندوستان کی سلطنۃ حاصل ہی نہ کرسکتے اور زبردستی سرپڑی تھی تو سنبھال نہ سکتے خیر یہ تو رسمی مناظرے کی سی باتیں ہیں مشن کی تعلیم کا دوسرا نقص یہ ہی اور وہ ہمارے دل کو بھی لگتا ہی کہ معتقداتِ مختصۂ عیسائیۃ الوہیت مسیح مسائل تثلیث وکفارہ صلیب پر زیادہ زور دیا جاتا ہی اور شریعۃ کی طرف جس کا دوسرا نام قانونِ اَمْن وعافیۃ ہی کم تر توجّہ کی جاتی ہی بلکہ مطلق نہیں کی جاتی گویا شریعۃ جزوِ مذہب نہیں ہی شریعۃ جو کچھ ہی انگریزی قانون ہے اور بس۔ خدا سے اِس کو کچھ واسطا ورسروکار نہیں۔ غرض تعلیم مروّجہ سرکاری کالجوں کی ہو تو اور مشنری کالجوں کی ہو تو اخلاق اور قوانینِ اَمْن وعافیۃ کے اعتبار سے بالکل ناقص اور ناکافی ہی اور اسکی اصلاح مشکل اور غور طلب ہو گئی ہی ہم بھی ایک رائے رکھتے ہیں مگر نقار خانے میں طوطی کی آواز سُنتا ہی کون ہی۔ موقع پر آئی ہوئی بات رُک نہ سکی ورنہ ہم نے شروع سے چپّی سادھ رکھی تھی۔ اب پھر اصل مطلب کی طرف لوٹتے ہیں۔ ہم کو پیغمبر صاحب کے نسب نامے میں اس بات کی ٹوہ لگانی تھی کہ پیغمبر صاحب کے بزرگ مذہب کے اعتبار سے کتنے پانی میں تھے۔ تو مذہب سے ہماری مراد ہی دینِ فطرۃ جس کا بعد کو دینِ اسلام نام ہوا اور جس کا مذکور اِس تحریر میں بار بار آچکا ہی۔ پھر دینِ فطرۃ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو خدا سے شروع ہو کر قوانینِ اَمْن وعافیۃ پر ختم ہوتا ہی۔ دوسرا وہ جو صرف قوانینِ اَمْن وعافیۃ پر بولا جاتا ہی۔ پہلی قسم دینِ کامل ہی اور اُس کے مقابلے میں دوسری قسم دینِ ناقص پہلے دین کی تشریح یہ ہی کہ آدمی نے پہلے فطرۃ کی رہ نمائی سے خدا کو پہچانا جتنا پہچان سکتا ہی۔ پھر اُسی فطرۃ کی رہ نمائی سے دریافت کیا کہ دنیا کا انتظام بہ زبانِ حال بتلا رہا ہی کہ کارخانۂ عالَم کا پیدا کرنیوالا اور اُس کو ایک انتظام کے ساتھ چلانے والا الحی القیوم یہ چاہتا ہی کہ ایک وقتِ خاص یعنی قیامۃ تک جس کا علم اُس کے سوائے کسی کو نہیں اَكَادُ اُخْفِيْهَا[1] سکون کے ساتھ چلتا رہے اور چونکہ سکون میں انسان بہت کچھ خلل انداز ہوسکتا تھا اُس حکیم علے الاطلاق نے خود انسانی طبائع میں ایسی باتیں القا کیں فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا[2] جن پر عمل کرنے سے آدمی دنیا کی چلتی گاڑی میں روڑے نہ اٹکا سکے وہی باتیں قوانینِ اَمْن وعافیۃ اور شرائع انبیا کہلائے صلوات اللہ علیہم اجمعین۔ دوسری قسم کا دینِ فطرۃ بھی پہلی قسم کا سا جملہ ہی خبر دی ہی مبتدا نداردیا پہلی قسم کا سا قصیدہ ہی مقطع وہی ہی مطلع ندارد۔ پیغمبر صاحب کے نسب نامے پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہی کہ پہلی قسم کا دینِ فطرۃ پیغمبر صاحب ہی کے جدّ اعلے ابراہیمؑ نے ایجاد کیا اور ایجاد نہیں بھی کیا تو جیسا وہ تھا اُسکو رواج دیا کہ ایسا رواج دینا بھی ایجاد کا ہم پلہ ہی۔ ابراہیمؑ کی دو بیبیاں تھیں سارا اور ہاجرہ۔ انھوں نے ہاجرہ اور اِن کے فرزند اسمٰعیلؑ کو اُس سرزمین میں لا کر بسایا جہاں شہرِ مکّہ واقع ہی۔ اور وہیں خدائے واحد کی عبادۃ کیلئے مسجد بنائی جو کعبہ کہلاتی ہی اُسوقت یہ جگہ بالکل اُجاڑ تھی۔ ربّنا انّی[3]

اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم ربنا لیقیموا الصلوٰۃ فاجعل افئدۃ من الناس تہوی الیہم وارزقہم من الثمرات

[1] اور ہم اُسکے یعنی قیامۃ کے وقت کو (لوگوں سے) پوشیدہ رکھنے کو ہیں ۱۲ [2] (خدا نے) اُس (انسان) کی بدکاری اور پرہیزگاری (دونوں باتیں) اُس کو سمجھا دیں ۱۲ [3] اِس کا ترجمہ اوپر گزر چکا۔ ۱۲۔

یعلمہم یشکرون۔ خدا نے ابراہیمؑ کی نسل وراُن کی بنائی ہوئی مسجد میں برکت دی کہ ابراہیمؑ کی نسل ایسی پھولی پھلی کہ اس اُجاڑ جگہ میں تو شہر مکہ بس گیا اور بہت سے قبائل جہاں جس کے سینگ سمائے اطراف میں پھیل گئے دینِ ابراہیمؑ تمام جزیرۂ عرب کا دین اور کعبہ تمام جزیرۂ عرب کا معبدِ عام قرار پایا۔ ابراہیمؑ کو اپنے بنائے کعبے کی خبر رکھنی ضرور تھی اور خدا کا حکم بھی تھا طَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ یوں خانۂ کعبہ کی تولیت ابراہیمؑ اور اُن کی اولاد اور اولاد کی اولاد میں متوارث ہوتی چلی آئی — اور جوں جوں مکے کی آبادی بڑھتی گئی اور حاجی لوگ کثرت سے زیارتِ کعبہ کیلئے آنے لگے سقایۃ رفادۃ حجابۃ دارالندوہ قیادۃ لواء کی خدمتیں تولیتِ کعبہ کے ساتھ شامل ہوتی گئیں اور متولیِ کعبہ ایک طرح کا عظیم عرب سمجھا جانے لگا اور کعبے کے تعلق سے اہلِ عرب سارے قبیلۂ قریش کا ادب کرنے لگے۔ اِس اثناء میں خاندانِ قریش بھی بڑا وسیع خاندان ہو گیا تھا خاندان کے لوگوں نے متولی کے وسعتِ اختیارات پر حسد کرنا شروع کیا اور لگے ہمارے ملک کے مجاوروں کی طرح آپس میں لڑنے یہاں تک کہ بعض خدمتیں متولی سے چھین کر خاندان کے دوسرے لوگوں کے حوالے کی گئیں خلاصۂ مقال یہ ہے کہ پیغمبر صاحب کی خاندانی عظمت مذہبی عظمت تھی متفرع ابراہیمؑ کے نسب پر اور خانۂ کعبہ کی تولیت پر۔ اگرچہ پیغمبر صاحب نے اپنی زندگی میں ایسے ایسے کارنمایاں کئے کہ اپنی ذات سے تمام خاندان پر شرف لے گئے ؎ لَا بِقَوْمِي شَرُفْتُ بَلْ شَرُفُوا بِي ۔ وَبِجَدِّي عَلَوْتُ لَا بِجُدُودِي [1]

قَالُوا أَبُو الصَّقْرِ مِنْ شَيْبَانَ قُلْتُ لَهُمْ ۔ كَلَّا لَعَمْرِي وَلَكِنْ مِنْهُ شَيْبَانُ ۔ وَكَمْ أَبٍ قَدْ عَلَا بِابْنٍ ذُرَى شَرَفٍ ۔ كَمَا عَلَا بِرَسُولِ اللهِ عَدْنَانُ

| المنۃ للہ کہ نیازم بہ نسب نیست | اینک بشہادۃ طلبم لوح و قلم را |
| --- | --- |

مگر ہم نے صرف اتنی بات دکھانے کے لئے پیغمبر صاحب کے نسب نامے کا نام بھی لیا کہ یوں تو پیغمبر صاحب نہایت سلجھی ہوئی طبیعت خدا کے یہاں سے لے کر آئے تھے اور دین کے جیسے اچھے خیالات خود اُن کے دل سے پیدا ہوتے تھے مگر خاندانی اثر نے بھی سونے پہ سہاگہ کا کام دیا تھا اور اگرچہ ابراہیمؑ کے مدتوں بعد دین میں بڑے رخنے پڑ گئے تھے یہاں تک کہ قریش نے خدا کے گھر کو بت خانہ بنا دیا تھا اور کھلم کھلا بتوں کو پوجنے اور پجوانے لگے تھے مگر وہ جو کہتے ہیں کہ اول با خر نسبتے دارد فطرۃ کی چنگاری جو بت پرستی کی راکھ میں دبی ہوئی تھی عبدالمطلب ورابوطالب میں ازسرنو چمکی اور پیغمبر صاحب کے بزرگوں میں یہی دو بزرگ ایسے قریب کے بزرگ تھے کہ خارج سے کسی کے خیالات کا اثر پیغمبر صاحب پر پڑتا تو ان دو بزرگوں کے خیالات کا پڑتا پیغمبر صاحب پیدا بھی نہیں ہوئے تھے کہ ان کے والد انتقال کر گئے۔ آٹھ برس کی عمر تک دادا عبدالمطلب نے پرورش کیا اُن کی وفات کے بعد آٹھ برس کی عمر سے لے کر پچیس برس کی عمر تک چچا ابوطالب نے۔ اور عبدالمطلب ورابوطالب کے حالات سے روزِ روشن کی طرح ظاہر ہے کہ دونوں دینِ فطرۃ کو ناقص ہی سہی بڑی مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھے اور چونکہ اُن کا زمانہ فترۃ کا زمانہ تھا دینِ فطرۃ ہی کے وہ مکلف بھی تھے۔

[1] میں اپنی قوم کی وجہ سے شرف و بزرگی کو نہیں پہنچا بلکہ اُن کو میری وجہ سے شرف حاصل ہوا اور میں اپنی کوشش کے سہارے بلند مرتبے کو پہنچا نہ آباؤ اجداد کی وجہ سے [2] لوگوں نے کہا کہ ابوالصقر شیبان (کے قبیلے) سے ہے (اور اسی وجہ سے معزز ہے) میں نے اُن سے کہا مجھے اپنی جان کی قسم یہ بات ہرگز نہیں بلکہ شیبان کو جو تعزز حاصل ہوا ابوالصقر سے حاصل ہوا (کیونکہ) بہت سے باپ بیٹے کی وجہ سے عزۃ و بزرگی کے اونچے درجے کو پہنچ جاتے ہیں جس طرح جناب پیغمبر خدا کی وجہ سے عدنان بلند مرتبے کو پہنچا ۱۲۔

# اُمّ المومنین حضرۃ خدیجہ رضی اللہ عنہا

خدیجہ نام۔ طاہرہ لقب۔ ان کے والد خویلد قریش کے معزز قبیلے میں سے تھے اور ماں فاطمہ تھی۔ ان کا شجرۂ نسب باپ کی طرف سے اس طرح ہے۔ خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی۔ قصی جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے جد اعلیٰ کا نام ہے۔ اس صورۃ میں اُمّ المومنین بی بی خدیجہ کا سلسلۂ نسب چوتھی پشت میں جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے شجرۂ نسب سے جا ملتا ہے۔ ماں کی طرف سے ان کا شجرۂ نسب یوں ہے۔ خدیجہ بنت فاطمہ بنت زائدہ بن الاصم بن ہرم بن رواحہ بن حجر بن معیص بن عامر بن لوی۔ اس صورۃ میں ان کا سلسلۂ نسب دسویں پشت میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرۂ نسب تک پہنچ جاتا ہے۔ اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ اُمّ المومنین خدیجہ نجیب الطرفین تھیں۔ ان کا جناب پیغمبر صاحب سے خاندانی تعلق ظاہر کرنے کی غرض سے خود پیغمبر صاحب اور اُمّ المومنین کے طرفین کا شجرۂ نسب ذیل میں درج ہوتا ہے۔

عدنان — معد — نزار — مضر — الیاس — مدرکہ — خزیمہ — کنانہ — نضر — مالک — فہر — غالب — لوی — کعب — مرہ — کلاب — قصی — عبد مناف — ہاشم — عبد المطلب — عبد اللہ — محمد رسول اللہ

لوی — عامر — معیص — عبد — حجر — رواحہ — ہرم — اصم — زائدہ — فاطمہ — خدیجہ

قصی — عبد العزیٰ — اسد — خویلد — خدیجہ

اِن کی ولادۃ سنہ ۵۵۵ء عیسوی اور سنہ ۲۴ کسروی میں ہوئی۔ زمانۂ جاہلیت میں جو زبون حالت اہلِ عرب کی تھی اور جو ناگفتہ بہ رسم و رواج اور بد اخلاقیاں اُن میں رواج پذیر تھیں کس پر مخفی ہیں؟ مگر بیبی خدیجہ ابتدا ہی سے اس درجہ نیک نہاد اور عفت مآب بیبی تھیں کہ اُس تاریکی کے زمانے میں بھی طاہرہ کے لقب سے پکاری جاتی تھیں اور لوگوں نے بلحاظِ سیادۃ و شرافۃ اِن کو سیدۃ نساء قریش کا گرانبہا تمغہ دیا تھا۔

اِن کے والد خُویلد تجارت کیا کرتے تھے اور اسی تجارت کی بدولت انھوں نے لوگوں میں وہ نام پایا تھا کہ قریش کے معزز ترین قبائل بنی تیم اور بنی کعب میں عزۃ و وقعت اور امتیاز کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ قریش کا قبیلہ یوں بھی ایک بڑا معزز اور نامور قبیلہ تھا اور خویلد نسباً قریشی ہی تھے مگر اِن کی دیانت اور سچائی اور ایمانداری اور رحمدلی اور نیک کرداری اور مروّت اور سب سے بڑھ کر تموّل اور تموّل کے ساتھ ایثار و بخشش نے اِن کے نام کو اور بھی چمکا دیا تھا۔

زمانۂ اسلام سے بہت پہلے خدیجہ رض کی پہلی شادی زُرارہ تمیمی کے بیٹے بناّش سے ہوئی جو ابو ہالہ کے ساتھ زیادہ شہرت رکھتا تھا۔ اِس سے بی بی خدیجہ کے ہاں دو لڑکے ایک ہالہ دوسرے ہند پیدا ہوئے۔ بناّش تو زمانۂ جاہلیت ہی میں مر گیا۔ مگر ہند پیغمبر صاحب کا زمانۂ نبوت پاکر صحابہ کے سلسلہ میں داخل ہوا۔ حضرۃ علی کرّم اللہ وجہہ کے فرزندِ اکبر حسن رض اِن ہی ہند سے روایۃ حدیث کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ یہ حدیث میرے حقیقی ماموں ہند نے مجھ سے بیان کی ہے۔ ہند یوم الجمل میں حضرۃ علی کرّم اللہ وجہہ کے ساتھ اُن کے لشکر میں موجود تھے اور اسی معرکے میں شہید ہوئے۔ بناّش کے مرنے پیچھے بیبی خدیجہ کا دوسرا نکاح عتیق بن عائذ مخزومی سے ہوا اور اس سے ایک لڑکی کہ اُس کا نام بھی ہند تھا پیدا ہوئی۔ ہند آخر میں ایک عرصے تک جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کنارِ عاطفۃ میں پرورش پاتی رہیں اور نبوۃ کے پہلے ہی سال پیغمبر صاحب پر ایمان لاکر صحابیات کے رجسٹر میں اپنا نام لکھوا لیا۔ عتیق کے انتقال کے بعد بیبی خدیجہ نے کچھ زمانہ بیوگی کی حالت میں بسر کیا اور چونکہ اِن کے باپ خویلد اس وقت بوڑھے اور کمزور اور تجارۃ کے بکھیڑوں سے اُکتا کر خانہ نشین ہو گئے تھے اب خود بیبی خدیجہ نے تجارت کے کام کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ اس وقت ان کی تجارت ایک طرف یمن میں پھیلی ہوئی تھی اور دوسری طرف شام کے ملکوں میں گو بابل کے قرب و جوار اور بصرے میں بعض منڈیاں ایسی بھی تھیں جہاں تجارت کی گرم بازاری تھی لیکن اِن دنوں شام کا ملک تجارت کا مرکز بن رہا تھا اور اسی وجہ سے قریش کے تاجر سال میں ایک دفعہ تجارۃ کے لئے ملک شام میں ضرور جاتے تھے۔ بیبی خدیجہ بھی اپنے تجارتی سامان کے اونٹ وہیں بھیجتیں اور اپنے غلاموں اور ملازموں کو اُن کے ساتھ کر دیتیں۔ یہ لوگ وہاں جاکر خرید و فروخت کرتے اور معتدبہ فائدہ حاصل کرکے لاتے اور اس سے بیبی خدیجہ کو سال کے سال معقول آمدنی ہوتی تھی۔ علاوہ بریں بیبی خدیجہ نے اپنی تجارۃ میں وسعت دینے کے لئے چند تجارۃ پیشہ لوگوں سے مضاربۃ کر رکھی تھی اور کئی غلام مستقلاً اِن کے لئے تجارۃ کرتے تھے۔ با این ہمہ بیبی خدیجہ کو ایک معتبر سچے دیانت دار قابل آدمی کی ضرورۃ تھی۔ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقۃ و دیانۃ اور قابلیۃ و امانۃ اور اخلاقِ کریمانہ کا شہرہ اُنھوں نے

سُنا تو فوراً آپ کو بُلا بھیجا۔ اِدھر پیغمبر صاحب کے چچا ابوطالب جن کی کفالۃ میں اِس وقت تک پیغمبر صاحب تھے قحط و گرانی کی وجہ سے بہت مفلس ہوگئے تھے اور ساتھ ہی کثیر العیال بھی تھے۔ ابوطالب اِس سے پہلے بھی کچھ ایسے دولتمند تو تھے نہیں مگر تجارۃ کے ذریعے سے باہر ملکوں میں پھر پھرا کر کچھ کما لاتے تھے جس سے خود اُنکی اور اُنکی اہل وعیال کی اور جناب پیغمبر صاحب کی خوش حالی کے ساتھ تو نہیں مگر خیر لَشْٹم پَشْٹم زندگی بسر ہوتی تھی۔ اب اِدھر تو سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے اِن کی تجارۃ ٹھپ ہوگئی اور اُدھر عیال بڑھ گئی قرضے کا بار سر پر الگ ہوگیا آمدنی کم خرچ بہت۔ آخرکار ابوطالب نے مجبور ہوکر جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا فرزند من! تم دیکھ رہے ہو کہ زمانہ مجھ پر کس قدر سختیاں کر رہا ہے۔ جزیرۂ عرب میں ہر چہار طرف قحط کی گھنگھور گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں اور لوگ دانے دانے کو پڑے ترس رہے ہیں۔ میرے پاس اب کچھ سرمایہ بھی نہیں رہا کہ تجارۃ کروں اور اُس سے اپنا اور اہل وعیال کا پیٹ پال سکوں مصلحۃ یہ ہے کہ تمہاری قوم کے کچھ لوگ خدیجہ کی طرف سے تجارۃ کرتے ہیں اور ہر سفر میں اُنھیں ایک معقول رقم ہاتھ لگ جاتی ہے چنانچہ ابھی کل پرسوں ہی میں قریش کا تجارتی قافلہ شام کے ملک میں جانے کو تیار ہے اور خدیجہ بھی اپنے سامان کے اونٹ بھیجنے والی ہیں اگر تم خدیجہ کے پاس جاکر درخواست کرو تو مجھے قوی اُمید ہے کہ وہ ضرور تمہیں اِس کام پر ملازم رکھ لیں گی اور عجب نہیں کہ بہ نسبۃ اَوروں کے تنخواہ بھی زیادہ دیں کیونکہ میں نے سُنا ہے کہ اُنھیں ایک قابل اور امین آدمی کی ضرورۃ ہے اور یہ بھی مجھے معلوم ہے کہ خدیجہ کے کانوں میں تمہاری دیانۃ وامانۃ کا شہرہ پہنچ چکا ہے اور تمہاری صفائی معاملات پر اُنہیں پورا بھروسا ہے۔ اگرچہ ملک شام کو تمہارا سفر میں جانا مجھے نہایت شاق اور گراں گزرتا ہے لیکن مجبوری کی حالت میں سب کچھ گوارا کرنا پڑتا ہے۔ پیغمبر صاحب نے نہایت خاموشی کے ساتھ اپنے چچا کی گفتگو سُنی اور خدیجہ کے پاس جاکر اظہار مدعا کیا۔ خدیجہ نے یہ معلوم کرکے کہ پیغمبر صاحب تجارۃ کے کام میں اشتغال رکھنا چاہتے ہیں بڑی مسرۃ ظاہر کی اور آپ کو بہت سا مال و اسباب دے کر اور اپنے غلام میسرہ کو آپ کے ہمراہ کرکے ملکِ شام کو روانہ کیا۔ چلتے وقت بیبی خدیجہ نے میسرہ کو بتاکید فہمائش کردی تھی کہ وہ کسی معاملے میں پیغمبر صاحب کی رائے کے خلاف نہ کرے اور نہ آپ کی کسی بات پر نکتہ چیں ہو۔ ہاں جو واقعات ومعاملات نظر سے گزرتے جائیں اپنے حافظے میں جمع کرتا جائے اور بے کم وکاست آکر بیان کردے اور اِس کی وجہ یہ تھی کہ بیبی خدیجہ کی طبیعۃ اپنے دوسرے شوہر عتیق کے مرنے کے بعد دُنیا سے بالکل اُکتا گئی تھی اور اسی لئے وہ اکثر اوقات خانہ کعبہ میں جاکر عبادۃ میں مصروف رہتیں۔ اُس وقت کی کاہنہ عورتیں جو اُس زمانہ میں بزرگ خیال کی جاتی تھیں اِن کے پاس آمدورفت کرتی تھیں۔ یہ اُن کی باتیں نہایت عقیدتمندی سے سُنتیں اور اُن کی بتائی ہوئی نیک باتوں پر عمل کرتیں اِنھوں نے اُن سے یہ بھی سُنا تھا کہ عنقریب پیغمبر آخرالزماں مبعوث ہونے والا ہے اور مبعوث ہوگا بھی تو تمہاری ہی قوم قریش میں سے مبعوث ہوگا۔ بیبی خدیجہ نے پیغمبر صاحب کے اخلاقِ حسنہ اور شمائل پسندیدہ کا شہرہ سُنا تو اُن کا ذہن فوراً اِس طرف منتقل ہوا کہ شاید وہ شخص جس کی خبر کاہنہ دیتی ہیں یہی ہو۔ اِسی وجہ سے اِنھوں نے اپنے غلام میسرہ کو چلتے وقت یہ حکم فرمایا کہ وہ پیغمبر صاحب کے معاملات پر نظر رکھے اور جو واقعات پیش آئیں اُن کو بے کم وکاست آکر بیان کردے اور غالباً اسی ایک اُمید نے اِنھیں پیغمبر صاحب سے نکاح کرنے پر آمادہ کردیا ورنہ پیغمبر صاحب کے پاس کوئی

ایسی چیز نہ تھی جس نے ان کو آپ سے نکاح کرنے کی طرف مائل کیا ہو اور نہ انھیں نہ یادی دولت اور وجاہت کی پروا تھی چنانچہ کتب سیر میں لکھا ہے کہ بیبی خدیجہ کے دوسرے شوہر عتیق مرے تو بہت سے قریش کے سرداروں کو یہ آرزو دامنگیر ہوئی کہ ان سے شادی کریں کیونکہ متموّل ہونے کے علاوہ حسن و خوبصورتی میں بھی تمام قبیلۂ قریش کی عورتوں سے ممتاز تھیں اور انتظام خانہ داری میں مشہور لیکن انھوں نے کسی شخص سے نکاح کرنا پسند نہیں کیا اگرچہ ایک شخص نے تو ان کو یہاں تک توقع دلائی کہ مجھ سے نکاح کرنے پر راضی ہو جائیں تو کئی سو اونٹ مہر میں ادا کروں لیکن انھوں نے اس کی کچھ پروا نہ کی۔

غرض کہ پیغمبر صاحب بیبی خدیجہ سے رخصت ہو کر قافلے کے ساتھ شہر مکّہ سے باہر نکلے آپ کے چچاؤں نے بالخصوص ابو طالب نے سالار قافلہ کو وصیّت کی کہ ذرا محمد کی نگرانی کرتے رہنا اور ہر طرح کا فراز و نشیب اور معاملات کی اونچ نیچ بتاتے رہنا کیونکہ ان کو سفر اور تجارت کے متعلق ابھی زیادہ تجربہ نہیں ہے۔ الحاصل یہ قافلہ مکے سے شام کی طرف روانہ ہوا اور منزل بہ منزل قیام کرتا ہوا شام کے متصل پہنچا۔ پیغمبر صاحب یہاں پہنچ کر ایک راہب نسطورا کے جھونپڑے کے قریب ایک درخت کے سائے میں اُترے۔ راہب نے پیغمبر صاحب کو درخت کے تلے بیٹھے دیکھا تو بیبی خدیجہ کے غلام میسرہ سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے کہا اہل حرم کے ایک معزز سردار عبد المطلب کا پوتا عبد اللہ کا بیٹا۔ راہب بولا کہ یہ شخص عنقریب اس اُمّت کا نبی ہونے والا ہے کیونکہ مقدس کتاب کی رو سے اس درخت کے تلے بجز نبی کے اور کوئی بیٹھ نہیں سکتا۔ میسرہ راہب کی یہ حیرت انگیز گفتگو سن کر خاموش ہو گیا۔ اب قافلہ شہر میں پہنچا اور تاجروں نے خرید فروخت شروع کر دی۔ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی بازار تشریف لے گئے اور جس قدر سامان ساتھ لے گئے تھے اچھے خاصے فائدے پر فروخت کر دیا اور شام کی عمدہ اور نفیس چیزیں خرید کر وطن کی طرف لوٹے سارے رستے میں آپ کا برتاؤ ہر شخص کے ساتھ بزرگانہ اور خوش معاملگی کے ساتھ تھا اور اسی وجہ سے میسرہ جان و دل سے آپ کا مطیع تھا۔ جس وقت قافلہ مکّے میں واپس آیا پیغمبر صاحب نے نقد و اسباب جو کچھ لاتے تھے بیبی خدیجہ کے سپرد کر دیا حساب لگانے سے معلوم ہوا کہ اس سال ہر سال کی بہ نسبت اضعافاً مضاعفہ فائدہ حاصل ہوا میسرہ نے تمام حالات پیغمبر صاحب کے بیان کئے۔ بیبی خدیجہ ایک طرف جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملات کی صفائی اور سچائی دیکھ کر اور دوسری طرف میسرہ کی زبانی راہب کی پیشن گوئی سنکر بہت خوش ہوئیں اور پیغمبر صاحب کو ان کی مقررہ اُجرت سے دو چند دیا۔ بیبی خدیجہ پیغمبر صاحب کی دیانت اور حسن معاملہ کا شہرہ تو پہلے ہی سن چکی تھیں اور اسی وجہ سے انھوں نے اپنی تجارت کے کام کو انجام دینے کے لئے آپ کو منتخب کیا تھا لیکن اب راہب کا قصّہ میسرہ کی زبانی سنکر ان کی عقیدت بیحد ترقی کر گئی اور ان کو یقین ہو گیا کہ بے شک یہ کوئی معمولی آدمی نہیں ہے عجب نہیں کہ آخر کار نبوۃ کے معزز عہدے سے سرفراز ہوں پس یہی ایک عقیدۃ تھی جس نے بیبی خدیجہ کو جناب پیغمبر صاحب سے نکاح کرنے پر آمادہ کر دیا اور انھوں نے اپنے دل میں قطعی فیصلہ کر لیا کہ جس طرح ہو سکے پیغمبر صاحب کو اس طرف توجہ دلائی جائے چنانچہ انھوں نے پیغمبر صاحب کو پیام دیا کہ آپ کی شرافت و بزرگی اور صداقت و دیانت اور حسن اخلاق اور قابلیت نے مجکو اس بات پر آمادہ کر دیا ہے کہ میں اپنے

تئیں آپ کے نکاح میں دے دوں اور پھر میں کوئی غیر اور اجنبی بھی نہیں ہوں آپ سے قرابتہ قریبہ رکھتی ہوں یعنی آپ کے جدِ اعلیٰ قُصَیّ کے پوتے اسد کی پوتی خُویلد کی بیٹی ہوں پیغمبر صاحب نے یہ پیام پاکر اپنے چچا ابوطالب سے مشورہ کیا۔ بیبی خدیجہ کوئی معمولی عورۃ تو تھیں نہیں بلحاظِ النسب افضل نساءِ قریش تھیں صورۃ شکل میں سب سے ممتاز متمول دریاست میں سب سے بڑہ ابوطالب نے پیغمبر صاحب کو مشورہ دیا کہ ضرور خدیجہ سے نکاح کرلو۔ اس سے لوگوں کی آنکھ میں تمہاری عزۃ و وقعت دوبالا ہوگی اور دنیاوی اسباب کے لحاظ سے تمہیں اُس کام میں بڑی کامیابی ہوگی جس کو تم نے اختیار کر رکھا ہے علاوہ بریں خدیجہ بجائے خود ایک بڑی ہوشمند اور صاحبِ فراست بیبی ہے اُس سے تمہیں بہت مدد پہنچے گی۔ پیغمبر صاحب بیبی خدیجہ سے نکاح کرنے پر راضی ہوگئے اور اپنے چچا ابوطالب اور حمزہ اور دیگر معززانِ قریش کو ساتھ لے کر بیبی خدیجہ کے مکان پر پہنچے اور خویلد کی ولایتہ سے نکاح ہوگیا مگر مورخ ابن اثیر کا بیان ہے کہ بیبی خدیجہ کا نکاح اُن کے چچا عمرو بن اسد نے اپنی ولایتہ سے کیا کیونکہ ان کے والد خُویلد اس سے پہلے مر چکے تھے۔

سیرۃ النبویہ میں پیغمبر صاحب کے اس نکاح کے بارے میں یوں لکھا ہے کہ پیغمبر صاحب ملک شام کے سفر سے واپس آئے تو بیبی خدیجہ نے اپنی لونڈی منیّہ کی بیٹی نفیسہ کو پیغمبر صاحب کی خدمت میں اس غرض سے روانہ کیا کہ وہ آپکو ان سے نکاح کرنے کی ترغیب دے چنانچہ وہ پیغمبر صاحب کے پاس گئی اور عرض کیا کہ آپ نکاح کرنا چاہتے ہیں؟ پیغمبر صاحب نے فرمایا میرے پاس نہ تو کچھ سرمایہ ہے نہ کسی طرح کا سامان۔ نکاح کروں تو کیونکر کروں نفیسہ بولی کہ اگر میں کسی صاحبِ مال وجمال اور شریف بلکہ تمہاری ہی ہم قوم عورۃ سے تمہارا نکاح ٹھیرا دوں تو تمہیں کچھ عذر تو نہ ہوگا، فرمایا نہیں مگر بتا تو دو کہ وہ کون ہے نفیسہ نے کہا خدیجہ خُویلد کی بیٹی۔ پیغمبر صاحب نے فرمایا مجھے تو اُمید نہیں کہ خدیجہ مجھ جیسے مفلس آدمی کو پسند کرے۔ نفیسہ نے کہا اس کی ذمہ دار میں ہوں اور اس کا سرانجام بھی میرے ہی متعلق ہے آپ کچھ فکر نہ کریں میں سب کچھ کرلوں گی۔

نفیسہ کا بیان ہے کہ میں پیغمبر صاحب سے رُخصت ہوکر خدیجہ کے پاس گئی اور ساری گفتگو اُن سے دوہرائی۔ خدیجہ نے مجھ سے کہا کہ اچھا تو محمدؐ کو بُلا لاؤ۔ میں آئی اور پیغمبر صاحب کو ساتھ لوا لے گئی۔ خدیجہ نے پیغمبر صاحب سے کہا کہ مجکو آپ سے نکاح کرنے کی صرف اس لئے رغبت ہوئی کہ آپ کے اخلاق نہایت ستھرے اور پاکیزہ ہیں اور صداقت و دیانت آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ پیغمبر صاحب یہ سُنکر اپنے چچا ابوطالب کے پاس گئے اُن سے اِس کا تذکرہ کیا وہ بہت خوش ہوئے۔ بیبی خدیجہ نے اپنے چچا عمرو بن اسد کو بُلا بھیجا اور قبیلے کے معزز لوگوں کو جمع کیا۔ ابوطالب نے عمرو بن اسد کو بیبی خدیجہ کے نکاح کا پیام دیا اور عمرو نے فوراً منظور کرلیا۔ بیس اونٹ مہر کے تجویز ہوئے جو آپ کے چچا حمزہ نے ادا کر دیئے۔ ابوطالب نے رؤساءِ مُضر کے سامنے اس طرح خطبہ پڑھنا شروع کیا۔

الحمد للہ الذی جعلنا من ذریۃ ابراھیم وزرع اسمٰعیل وضئضئ معد وعنصر مضر وجعلنا
حَضَنَۃَ بیتہ وسوّاس حرمہ وجعل لنا بیتاً محجوجا وحرما امنا وجعلنا الحکام علی الناس
ثم ان ابن اخی ھذا محمد بن عبد اللہ لا یوزن برجل الا رجح بہ شرفا ونبلا و فضلا وعقلا فان کان

فی المال قل فان المال ظل زائل وامر حائل ومحمد من قد عرفتم قرابۃ وقد خطب خدیجۃ بنت خویلد وبذل لہا ما اجلہ وعاجلہ کذا وھو واللہ بعد ھذا لہ نبأ عظیم وخطر جلیل جسیم۔

ابوطالب خطبہ پڑھ چکے تو بیبی خدیجہ کے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل نے ایک مختصر سا مضمون اس طرح پڑھا

الحمد للہ الذی جعلنا کما ذکرت وفضلنا کما عددت فنحن سادۃ العرب وقادتہا وانتم اھل ذلک کلہ لا ینکر العشیرۃ فضلکم ولا یرد احد من الناس فخرکم وشرفکم وقد رغبنا فی الاتصال بحبلکم وشرفکم فاشھدوا علیّ معاشر قریش بانی قد زوجت خدیجۃ بنت خویلد من محمد بن عبد اللہ علی کذا۔

یہاں تک پہنچ کر ورقہ خاموش ہوگئے ابوطالب نے کہا میں چاہتا ہوں کہ خدیجہ کے چچا عمرو بن اسد بھی تمہاری شرکت قبول کریں اس پر عمرو بن اسد بولے کہ معاشر قریش! تم گواہ رہو کہ میں نے خویلد کی بیٹی خدیجہ کو محمد بن عبد اللہ کے نکاح میں دیا۔ پیغمبر صاحب اور بیبی خدیجہ کی طرف سے ایجاب و قبول ہوا۔ صنادید قریش نے ابوطالب کو مبارک بادی اور مجلس عقد برخاست ہوئی۔ بیبی خدیجہ نے پیغمبر صاحب کو زنانخانے میں بلا کر کہا کہ اونٹ ذبح کرکے کھانا پکواؤ پیغمبر صاحب نے ایسا ہی کیا۔

اس وقت اُمّ المؤمنین بیبی خدیجہ کی عمر چالیس برس کی تھی اور جناب پیغمبر صاحب کی پچیس برس کی پیغمبر صاحب کے ازدواج کا شرف سب سے پہلے حضرۃ خدیجہ ہی کو حاصل ہوا اس سے پہلے پیغمبر صاحب نے کسی عورۃ سے نکاح نہیں کیا اور یہی ایک ایسا ممتاز و مخصوص شرف ہے جس کی وجہ سے مورخین نے بیبی خدیجہ کو تمام ازواج مطہرات پر فضیلت دی ہے اور حق یہ ہے کہ وہ اس فضیلت کی مستحق تھیں بھی۔ انھوں نے اپنا تن من دھن سب پیغمبر صاحب کی کامیابی اور مدد میں صرف کردیا اور جب کبھی کسی طرح کی تکلیف آپکو مخالفین کی طرف سے پہنچتی تو بیبی خدیجہ ہی تسکین دیتیں اور طرح طرح سے ہمت بندھاتیں۔

پیغمبر صاحب کی طبیعۃ تو شروع ہی سے از خود بت پرستی اور لوازم بت پرستی سے متنفر تھی بلکہ بت پرستی ان کی چڑ تھی مگر جدھر آنکھ اٹھا کر دیکھتے تھے شرک اور بت پرستی کے سوا کچھ نظر ہی نہیں آتا تھا اس وقت پیغمبر صاحب کے دل دردمند پر جو کچھ گزرتی تھی ان ہی کا دل خوب جانتا ہوگا وہ تو بیبی خدیجہؓ ہی ایسی فہمیدہ اور خداشناس تھیں کہ پیغمبر صاحب اُن سے اپنا درد بیان کرتے تو وہ ہر طرح پر ڈھارس بندھاتیں اور نہایت دلسوزی سے تسلی دیتیں زمانۂ بعثت سے کچھ پہلے پیغمبر صاحب کو ایک بڑی سخت مشکل پیش آئی کہ پیغمبری کے آثار جن کو ارہاصات کہتے ہیں مترتب ہو چلے تھے۔ سیدھے سیدھے رستہ چلے جا رہے ہیں کہ پتھر اور درخت سلام کرتے ہیں آوازیں سنائی دیتی ہیں اور بولنے والا دکھائی نہیں دیتا۔ پیغمبر صاحب کو پہلے بھی واہمہ گزرا کرتا تھا اب خیال ہونے لگا کہ کہیں میرے دماغ میں کسی طرح کا فتور تو نہیں ہوگیا اس موقع پر بی بی خدیجہؓ نے پیغمبر صاحب کو زیادہ پریشان دیکھکر ایک ایسے پیرایہ میں موانست و ہمدردی کا اظہار کیا کہ پیغمبر صاحب کی ساری پریشانی یکلخت دور ہوگئی۔

پیغمبر صاحب کی عمر چالیس برس سے متجاوز ہوئی تو نبوۃ کا جگمگاتا ہوا تاج عطا ہوا۔ نبوۃ سے کچھ دنوں پہلے پیغمبر صاحب کو خلوت بہت پسند تھی باوجود خانہ داری کے کئی کئی دن کی قوت لایموت گھر سے لیجاکر شہر کے باہر تین میل کے فاصلے کے قریب حرا پہاڑ کے غار میں دن رات اکیلے بیٹھے ہوئے عبادۃ الٰہی میں مستغرق رہا کرتے تھے آخر کار خدا کی زبردست نشانی یعنی جبریل فرشتے اپنی اصلی صورۃ میں آپ کے پاس آئے اور تاج نبوۃ سر مبارک پر رکھ کر چلے گئے۔ پیغمبر صاحب خدا کے فرشتے کو دیکھ کر ڈر گئے اور تھراتے کانپتے گھر تشریف لائے اور فرمایا مجھے گرم کپڑا اُڑھاؤ بیبی خدیجہ نے آپ کو چادر اُڑھادی اور طبیعت میں کچھ سکون ہوا تو پوچھا کیا حال ہے پیغمبر صاحب نے سارا واقعہ بیان کر دیا اور فرمایا مجھے اپنے نفس پر خوف ہوتا ہے بیبی خدیجہ رضؓ نے دلسوزی کے لہجے میں آپکو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ خدا سے بہت بعید ہے کہ آپ جیسے سچے امانت دار نیک دل مہربان خیرخواہ خلائق بہمہ صفات موصوف شخص کو ضائع ہونے دے۔ تم خدا سے ڈرتے۔ رشتے داروں کے ساتھ سلوک کرتے محتاج و مسکین کو صدقہ دیتے ہو تم جیسے شخص کو خدا کبھی ضائع نہیں کرے گا۔ اس کے بعد بیبی خدیجہ رضؓ پیغمبر صاحب کے مزید اطمینان کے لئے آپ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ ورقہ صحف سماوی توراۃ و انجیل وغیرہ لکھتے پڑھتے رہا کرتے تھے۔ پیغمبر صاحب نے سب حالات بیان کئے تو اُنھوں نے بڑے وثوق سے کہا کہ آسمانی کتابوں کی رُو سے ایک پیغمبر کی آمد کا وقت آگیا ہے اور میں یقین کرتا ہوں کہ وہ پیغمبر موعود تم ہی ہو خدائے تعالیٰ تمہیں نبوۃ سے سرفراز فرمائے گا اور تمہاری قوم تم کو تمہارے وطن سے نکال باہر کرے گی کاش میں اُس وقت تک زندہ رہتا تو تمہارا ساتھ دیتا اور پوری قوۃ کے ساتھ تمہاری مدد کرتا۔ ورقہ کی اس گفتگو سے پیغمبر صاحب کی حیرت بہت کچھ بشارت سے مبدّل ہوگئی اور آپ فرحاں و شاداں بیبی خدیجہ کے ساتھ واپس تشریف لے آئے۔

ایک روایۃ میں یوں آیا ہے کہ پیغمبر صاحب نے غار حرا کی کیفیت بیبی خدیجہ سے بیان کی تو وہ آپ کو گھر میں چھوڑ کر ورقہ کے پاس گئیں اور جو کچھ پیغمبر صاحب سے سُنا بیان کیا ورقہ کی زبان سے بے ساختہ نکلا قدوس قدوس۔ پھر کہا خدیجہ قسم خدا کی اگر یہ امر واقعی ہے تو محمدؐ کے پاس اُسی ناموس اکبر کا نزول ہوا ہے جس کا موسیٰ پر ہوا تھا یعنی وہ خدا کا امین فرشتہ جبریل ہے اور محمدؐ اس اُمت کا نبی۔ تو تم محمدؐ سے کہو کہ گھبراؤ نہیں ثابت قدم رہو بیبی خدیجہ نے گھر واپس آکر پیغمبر صاحب سے بیان کیا اور اس سے آپ کو بہت کچھ تسلّی ہوئی اس کے بعد خود ورقہ پیغمبر صاحب سے ملے اور کہا بھتیجے! جو واقعات تم نے آنکھ سے دیکھے کان سے سُنے ہیں سب مجھ سے بیان کرو پیغمبر صاحب نے اپنی ساری سرگذشت ورقہ سے دوھرائی تو اُنھوں نے کہا محمدؐ! قسم خدا کی تم اس اُمت کے نبی ہو اور جو غار میں تمہارے پاس آیا خدا کا فرشتہ جبریل ہے۔

اس سے پہلے بیبی خدیجہ پیغمبر صاحب کو عداس کے پاس بھی لے گئی تھیں۔ یہ شخص نصرانی تھا نینویٰ کا رہنے والا راہب اور مسن کہ بڑھاپے کی وجہ سے بھنویں آنکھوں پر گر پڑی تھیں۔ بیبی خدیجہ نے کہا عداس! میں تجھے خدا کی قسم دیتی اور پوچھتی ہوں کہ تیرے پاس جبریل کی بھی کوئی خبر ہے یعنی جبریل کا کچھ تذکرہ آسمانی کتابوں میں بھی ہے۔

کیونکہ مکّے اور نہ صرف مکّے بلکہ سارے جزیرۂ عرب میں یہ لفظ نامانوس سا ہے۔ عداس نے کہا قدّوس قدّوس اس سرزمین میں جہاں کے باشندے مشرک اور بُت پرست ہیں جبریل کا نام کیسا۔ بیبی خدیجہ نے کہا میں جو بات پوچھتی ہوں اُس کا جواب دینا چاہیئے۔ کہا جبریل خدا کا امین ہے خدا میں اور اُس کے پیغمبروں میں اور یہی موسےٰ اور عیسےٰ کے پاس آیا کرتا تھا۔ اب بیبی خدیجہ نے پیغمبر صاحب کا سارا واقعہ عداس سے بیان کیا اُس نے کہا خدیجہ! کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ شیطان آدمی کے پاس آکر اُسے عجیب و غریب باتیں معلوم کراتا ہے تم میرا یہ خط محمدؐ کے پاس لیجاؤ اگر وہ مجنون یا آسیب زدہ ہیں تو اچھے ہو جائیں گے اور نبی ہیں تو اُن کو اس سے کچھ مضرت نہیں پہنچے گی۔ بیبی خدیجہ گھر آئیں تو جبریل پیغمبر صاحب کو ذیل کی آیتیں باوازِ بلند پڑھا رہے تھے۔
نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ہ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ہ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ہ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ہ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ہ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ہ خدیجہؓ یہ آیتیں سُن کر بہت خوش ہوئیں اور جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میرے ساتھ عداس کے پاس تشریف لے چلیئے۔ پیغمبر صاحب عداس کے پاس گئے تو اُس نے پشت پر سے کپڑا ہٹایا اور مُہر نبوۃ کو دیکھکر سجدے میں گر پڑا اور پکار کر لگا کہنے قسم خدا کی تم ہی وہ نبی ہو جس کی موسیٰؑ اور عیسےٰؑ بشارۃ دے گئے ہیں۔

الغرض جس قدر اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی مدد بیبی خدیجہؓ نے کی اتنی کسی نے نہیں کی اِن کی ثابت القلبی اور مستقل المزاجی نے ایسے نازک وقت میں پیغمبر صاحب کی ہمّت بندھائی جب کہ وہ سب طرف سے بالکل مایوس ہو چکے تھے' وہ پیغمبر صاحب کی کامیابی میں ایک نہایت قوی اور زبردست بازو تھیں اور ہر وقت ایک بڑے مستعد مددگار کی طرح آپ کی مدد کے لئے تیار رہتی تھیں۔ وہ سب سے پہلے آپ پر ایمان لائیں اور سب سے پہلے آپ کے حکم کی تعمیل بجا لائیں اور اِس کی تائید امّ المؤمنین بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی اُس حدیث سے خوب ہوتی ہے جسے امام بخاری نے روایت کیا ہے چنانچہ حضرۃ عائشہؓ کہتی ہیں کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم بیبی خدیجہ کی وفات کے بعد جب گھر میں تشریف لاتے خدیجہؓ کا ذکر کرکے اُن کی بہت کچھ تعریف کرتے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ آپ نے معمول کے مطابق اُن کی تعریف کرنی شروع کی' مجھے رشک آیا میں نے کہا وہ تھیں کیا' ایک بُوڑھی بیوہ عورۃ تھیں خدا نے آپ کو اُن کے عوض اُن سے بہتر بیبی عنایت کی۔ یہ سُنکر پیغمبر صاحب کا چہرۂ مبارک مارے غصّے کے تمتما اُٹھا اور لگے فرمانے کہ خدا کی قسم اُن سے اچھی بیبی مجھے نہیں ملی۔ وہ ایمان لائی تھیں جب کہ سب لوگ کافر تھے۔ اُنھوں نے میری تصدیق کی تھی جب کہ سب لوگ مجھے جھٹلاتے تھے اُنھوں نے اپنے دھن مال کو مجھ پر فدا کر دیا تھا جب کہ سب لوگوں نے مجکو محروم کیا۔ خدا نے اُن کے بطن سے مجھے اولاد دی اور کسی بیبی سے اولاد نہیں ہوئی۔ بیبی عائشہؓ کہتی ہیں میں نے اُس روز سے اپنے دل میں عہد کر لیا کہ اب سے پیغمبر صاحب کے سامنے کبھی ایسی بات نہیں کہوں گی۔

پیغمبر صاحب کا حال یہ تھا کہ وہ بیبی خدیجہ رضؓ پر پورا بھروسا رکھتے اور تمام معاملات میں ان سے مشورہ لیتے اور نہ صرف مشورہ لیتے بلکہ ان کے مشورے کے مطابق عمل کرتے یہی وجہ تھی کہ بیبی خدیجہ کے انتقال سے پیغمبر صاحب کو اس قدر رنج پہنچا کہ ان کے بعد اگر بیبی عائشہ آپ کے نکاح میں نہ آتیں تو اُس رنج کی کچھ بھی تلافی نہ ہوتی جب تک بیبی خدیجہ زندہ رہیں مخالفین کو پیغمبر صاحب کی ایذا رسانی اور زیادہ تکلیف دہی پر جرأت نہیں ہوئی۔ ان کا انتقال ہونا تھا کہ چاروں طرف سے مصیبتوں کا پہاڑ آپ پر ٹوٹ پڑا۔ ان کا انتقال نبوۃ کے دسویں سال یعنی ہجرت سے تین سال پیشتر رمضان کے مہینے میں ہوا اور مکّے کے مشہور قبرستان حجون میں مدفون ہوئیں۔

خدیجہ رضؓ کے نکاح کے حالات جو ہم نے سِیَر اور احادیث کی کتابوں سے چھانٹ کر لکھے ہیں اور وہ سب واقعات نفس الامری ہیں اور ان میں کوئی بات ایسی نہیں کہ کوئی بدگمان اُن کی نسبت میراں نمے پر ندم بداں مے برانند کا اشتباہ کر سکے۔ ان حالات سے دوست دشمن ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ پیغمبر صاحب اور بیبی خدیجہ رضؓ دونوں کو صرف تقاضائے دین داری نکاح کا محرّک ہوا۔ حالات میں ایک ہی بات ہے خدیجہ کے غلام میسرہ کا نسطورا راہب سے اور خدیجہ رضؓ کا ورقہ بن نوفل اور عداس سے معلوم کرنا کہ پیغمبر صاحب ہی پیغمبرِ موعود ہیں سو یہ کچھ تعجب کی بات نہیں۔ اس سے تو کسی کو انکار نہیں کہ توراۃ اور انجیل دونوں میں خدا کا وعدہ تھا کہ میں ایک پیغمبر بھیجوں گا۔ اُس وقت سے لوگ اپنی اپنی جگہ خیال دَوڑا رہے تھے۔ اگر نسطورا راہب ورورقہ بن نوفل اور عداس نے پیغمبر صاحب کو پیغمبر موعود سمجھا تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ ایک نسطورا اور ایک ورقہ اور ایک عداس نے کیا سمجھا ایسے ایسے سینکڑوں ہزاروں لاکھوں کروروں نے سمجھا خدیجہ رضؓ کے نکاح کے بارے میں پیغمبر صاحب پر نکتہ چیں کا اعتراض تو وارد ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ یہ آپ کا پہلا نکاح تھا اعتراض کریں نہ کریں وہ لوگ جو سرے سے زن و فرزند کے تعلّقات کو خلافِ شانِ پیغمبری سمجھتے ہیں تو اس کا جواب جَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً خود قرآن میں موجود ہے ہم تو سوائے حضرۃ مسیح علیہ السلام کے کسی پیغمبر کو نہیں پاتے جو زن و فرزند کے تعلّقات سے پاک صاف رہا ہو اور حضرۃِ مسیح نے بھی ان تعلّقات سے بری رہنے کی اُمت کو تعلیم نہیں دی۔ ہاں خود تجرید کی زندگی بسر کرکے اپنا نمونہ بے تعلّقی کا دکھا دیا کہ یہ بھی ایک طرح کی تعلیم ہے تو اِن کی زندگی ہی کیا تھی کل ۳۳ برس۔ بنی اسرائیل کی مخالفتوں سے ان کو نکاح کا خیال نہ آیا ہو گا اور آیا ہو اور ان کو رہبانیۃ کی تعلیم منظور رہی ہو تو اس کا جواب عیسائی دین کہ حضرت مسیح نے کیوں حکمۃِ آلہٰی کا ابطال کرنا چاہا۔

اُمّ المومنین حضرۃ خدیجہ رضؓ کے بطن سے جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے یہاں سات اولادیں چار صاحبزادیاں تین صاحبزادے بایں تفصیل پیدا ہوئیں۔ زینبؓ۔ رقیہؓ۔ اُمّ کلثومؓ۔ فاطمۃؓ الزہرا رضی اللہ عنہن۔ قاسمؓ۔ طاہرؓ۔ عبداللہؓ۔ رضی اللہ عنہم۔ پیغمبر صاحب نے قاسم کے نام پر اپنی کنیت ابوالقاسم رکھی تھی۔ صاحبزادوں میں سب سے عمر میں بڑے قاسم تھے اور صاحبزادیوں میں زینب۔ یہ چاروں صاحبزادیاں

اور تینوں صاحبزادے پیغمبر صاحب کے زمانہ بعثت سے پیشتر ہی پیدا ہو چکے تھے بلکہ تینوں صاحبزادے تو نبوۃ سے پہلے ہی وفات بھی پا گئے تھے۔ ہاں صاحبزادیوں نے نبوۃ کا عہد مبارک پایا اور سب مشرف باسلام ہوئیں۔ بیبی زینب جو سب بہنوں میں بڑی تھیں پیغمبر صاحب کے نکاح کے پانچ سال بعد پیدا ہوئیں یعنی ان کی ولادۃ کے وقت پیغمبر صاحب کی عمر شریف تیس برس کی تھی۔ ان کا نکاح ابوالعاص بن الربیع سے ہوا جو بیبی خدیجہ کے حقیقی بھانجے تھے۔ بیبی زینب کے یہاں ابوالعاص سے ایک صاحبزادے علی نام اور ایک صاحبزادی اُمامہ پیدا ہوئیں۔ علی بلوغ کے قریب پہنچ کر انتقال کر گئے اور اُمامہ جوان ہو کر فاطمۃ الزہرا کے انتقال کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بیاہی گئیں۔ لیکن جب امیرالمومنین علی کرم اللہ وجہہ نے شہادۃ پائی تو اُمامہ کا دوسرا عقد مغیرہ بن نوفل بن حارث سے ہوا اور ان سے ایک فرزند رشید یحییٰ نام پیدا ہوئے۔

بیبی رقیہ اور بیبی اُمِ کلثوم کا پہلا عقد پیغمبر صاحب کے چچا ابو لہب کے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے ہوا۔ اور پھر دونوں صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے حضرۃ عثمان بن عفان رضہ کے عقد میں آئیں یعنی پہلے بیبی رقیہ اور انکے انتقال کے بعد بیبی اُمِ کلثوم عثمان رضہ سے بیاہی گئیں۔ حضرۃ عثمان کے یہاں بیبی رقیہ سے ایک صاحبزادے عبداللہ پیدا ہوئے جو چھ برس کی عمر کو پہنچ کر انتقال کر گئے۔ حضرت عثمان کی کنیت ابوعبداللہ ان ہی سے مشہور ہوئی۔ بیبی اُمِ کلثوم سے کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی۔

پیغمبر صاحب کی چوتھی صاحبزادی فاطمۃ الزہرا رضہ آپ کے چچازاد بھائی علی بن ابی طالب سے بیاہی گئیں اور ان سے تین صاحبزادے حسن حسین محسن رضی اللہ عنہم اور دو صاحبزادیاں اُمِ کلثوم اور زینب پیدا ہوئیں۔ محسن تو حالتِ رضاعت ہی میں انتقال کر گئے اور حسن و حسین بڑے ہو کر صاحبِ اولاد ہوئے۔ حسن رضہ نے آخر میں زہر کے صدمے سے وفات پائی اور حسین رضہ معرکۂ کربلا میں شہید ہوئے۔ بڑی صاحبزادی اُمِ کلثوم کا پہلا عقد حضرۃ عمر بن الخطاب رضہ سے ہوا۔ ان سے ایک صاحبزادے زید اور ایک صاحبزادی رقیہ پیدا ہوئے۔ حضرت عمر رضہ کے انتقال کے بعد بیبی اُمِ کلثوم کا دوسرا عقد عون بن جعفر سے اور ان کے انتقال کے بعد تیسرا عقد محمد بن جعفر سے ہوا۔ حضرۃ فاطمہ رضہ کی دوسری صاحبزادی بیبی زینب کی شادی عبداللہ بن جعفر سے ہوئی اور ایک لڑکا علی نام پیدا ہوا جو کم سنی ہی میں انتقال کر گیا۔

# اُمُّ المؤمنین حضرت سَودہ رضی اللہ عنہا

ان کا نام سَودہ۔ باپ کا نام زمعہ۔ یہ بھی قریشیہ ہیں اور چونکہ ان کا سلسلۂ نسب عامر بن لُوی تک پہنچتا ہے اس سے عامریہ کہلاتی تھیں۔ پیغمبر صاحب کا شجرۂ نسب دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ بیبی سودہ کا سلسلۂ نسب پیغمبر صاحب کی نویں پشت میں عامر بن لُوی سے جا ملتا ہے۔ ان کی ماں کا نام شموس تھا اور وہ بیٹی تھیں قیس کی قیس عدی بن النجار کے قبیلے میں سے تھا

جو اُس زمانے میں قریش کے برابر تو نہیں مگر قریش کے علاوہ اور تمام قبائل عرب میں امتیاز کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ بیبی سودہؓ حضرت خدیجہؓ کی طرح نہ تو چنداں مالدار تھیں نہ حسن صورۃ ہی کی وجہ سے کوئی ممتاز درجہ رکھتی تھیں انکو جس چیز نے قبائل قریش کی عورتوں میں فضیلت و بزرگی کی عام شہرت دے رکھی تھی وہ ان کی خوش خلقی اور نیک کرداری تھی۔

جب بیبی خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو خولہ نے بیبی عائشہ رضؓ سے پیغمبر صاحب کا نکاح کرا دیا لیکن چونکہ بیبی عائشہ رضؓ اُس وقت نہایت کم سن یعنی صرف چھ سال کی تھیں اور جناب پیغمبرؐ صاحب کے خانہ داری کے انتظام اور لڑکیوں کی غور و پرداخت کے لئے ایک منتظم اور سابقہ شعار اور مدبّر اور معمّر عورۃ کی ضرورۃ تھی اس لئے اسکے چند ہی روز بعد آپنے سودہؓ سے نکاح کیا۔

مورّخ ابن اثیر نے اس نکاح کی کیفیت اس طرح لکھی ہو کہ پیغمبر صاحب کو بیبی خدیجہ رضؓ کے انتقال سے جو صدمہ اور رنج ہوا قابل بیان نہیں خولہ نے آپکی یہ حالت دیکھکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ نکاح کیوں نہیں کر لیتے فرمایا کس سے کروں عرض کیا چاہیں تو کنواری سے کریں چاہیں دُہاجن سے۔ پیغمبر صاحب نے فرمایا کنواری کون ہو اور دُہاجن کون عرض کیا کنواری تو عائشہؓ ہو آپکے دوست ابو بکر صدیق کی بیٹی اور دُہاجن سودہ زمعہ کی بیٹی۔ پیغمبر صاحب نے فرمایا کہ دونوں سے درخواست کرو۔ خولہ سودہؓ کے پاس گئیں اور کہا لو بُوا تمہیں مبارک ہو خدا نے تمہارے لئے بہتری اور برکت کے سامان مہیا کر دیئے ہیں۔ بیبی سودہؓ نے پوچھا کہ وہ کیا؟ کہا جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہو اور اپنے واسطے تمہاری درخواست کی ہو۔ بیبی سودہؓ بولیں کہ خولہ مجھے یہ پیام بطوع خاطر منظور ہو لیکن میں چاہتی ہوں کہ تم میرے باپ کے پاس جاکر اسکا ذکر کرو۔ خولہ زمعہ کے پاس گئیں اور سودہ سے پیغمبر صاحب کے نکاح کا پیام دیا۔ زمعہ نے کہا خولہ! بات تو بہت اچھی ہو مگر تمہاری سہیلی سودہؓ کی کیا رائے ہو خولہ نے کہا وہ بخوشی منظور کرتی ہیں۔ زمعہ نے کہا تو اچھا سودہ کو میرے پاس بلا لاؤ خولہ ان کو اپنے ساتھ لوالے گئیں تو زمعہ نے کہا بیٹا سودہؓ محمد بن عبد اللہ نے تم سے اپنے نکاح کا پیام بھیجا ہو میرے نزدیک تو بات اچھی ہو کیا تم بھی میری رائے سے اتفاق کرتی اور محمد بن عبد اللہ سے نکاح کرنے کو پسند کرتی ہو؟ سودہ نے کہا ہاں۔ زمعہ نے کہا خولہ! تم اُن کو یہاں بلا لاؤ۔ پیغمبر صاحب تشریف لے گئے اور زمعہ نے بیبی سودہؓ کا آپ سے نکاح کر دیا۔ ان کا بھائی عبد بن زمعہ حج کو گیا ہوا تھا وہاں سے واپس آیا تو یہ خبر سن کر سر پر خاک اُڑانے لگا لیکن جب مشرف باسلام ہوا تو افسوس کے ساتھ بار بار کہتا تھا کہ جس روز میں نے یہ خبر سن کر کہ سودہؓ کا نکاح پیغمبر صاحب سے ہو گیا سر میں خاک ڈالی تھی میں اس روز بڑا احمق اور جاہل تھا اور درحقیقۃ میرے سر سے عقل جاتی رہی تھی۔

بیبی سودہؓ جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے پیشتر اپنے چچا زاد بھائی سکران بن عمرو کے نکاح میں تھیں۔ سکران اگرچہ ابتداء میں قریش کا ہم آہنگ تھا اور قریش جو پیغمبر صاحب کا قبیلہ تھا ہی سب سے زیادہ آپ کا دشمن بھی تھا لیکن خدا کی ہدایت و توفیق سے مسلمان ہو گیا تھا اس کے انتقال کے بعد پیغمبر صاحب نے سودہ رضؓ سے نکاح کر لیا۔ سکران کا انتقال ہجرۃ مدینہ سے تقریباً پانچ برس پہلے ہوا اور سودہ رضؓ کا نکاح پیغمبر صاحب سے ہجرۃ مدینہ کے تین برس پہلے۔

جب تک پیغمبر صاحب کے چچا ابو طالب اور بیبی خدیجہ رضؓ زندہ رہے کفار مکہ پیغمبر صاحب کا تو کچھ کر نہ سکے تو مسلمانوں کو وقت بے وقت جسمانی تکلیفیں پہنچاتے رہے لیکن ان دونوں کا مرنا تھا کہ کفار کی طرف سے تکلیفوں کا پہاڑ خود پیغمبر صاحب اور آپ کے ساتھیوں پر ٹوٹ پڑا اور مخالفین کھلم کھلا طرح طرح کی ایذائیں پہنچانے لگے۔ تاہم پیغمبر صاحب نہایت استقلال اور

صبر وتحمل کے ساتھ دعوۃِ اسلام کرتے رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ لوگ پیغمبر صاحب کی باتوں کو کان لگا کر سُننے لگے اور چونکہ آپ کی ساری باتیں مفید اور نتیجہ خیز ہوتی تھیں قریش ہی کے بعض خوش قسمت جماعۃ اسلام میں داخل ہوتے جاتے تھے۔ بیبی سَودہ بھی اِن ہی لوگوں میں سے تھیں اور ازبسکہ ابتدا ہی سے نیک طینت نیک خصلت اور سمجھدار تھیں اچھی اور سچی باتیں اِن کے دِل پر فوراً اثر کر جاتی تھیں۔ پیغمبر صاحب کی راستبازی اور حق گوئی کا شہرہ جب اِن کے کانوں میں پڑا اور قرآن مجید کی بعض آیتیں سُنیں تو پیغمبر صاحب کی صداقت اور قرآن کے منجانب اللہ ہونے کا اِن کو پورا الیقین ہو گیا ایک دو دفعہ خود بھی پیغمبر صاحب کی مجلس وعظ میں کسی تدبیر سے شریک ہوئیں اور اِن کو اچھی طرح اطمینان ہو گیا کہ بے شک یہ خدا کے برحق نبی ہیں۔ سکران بن عمروان کے شوہر اُسی پُرانے ڈہرے پر چلے جا رہے تھے اور قریش مکہ کے ہم آہنگ تھے یعنی جس طرح اور لوگ جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کو جھٹلاتے تھے یہ بھی جھٹلاتے تھے بیبی سَودہ رض اپنے شوہر کی اِس جہالۃ اور بدعقیدگی سے نہایت مجبور اور عاجز تھیں۔ چاہتی تھیں کہ جس طرح بن پڑے اس دار الکفر سے نکل کر پیغمبر صاحب کی پاک صحبۃ سے مستفید ہونا چاہیئے مگر پھر چند روز توقف کیا اور دِل کو سمجھایا کہ ابھی اپنا عقیدہ مخفی رکھنا بہتر ہے ممکن ہو کہ جس طرح خدا کی ہدایت نے میری دستگیری کی ہو سکران کی بھی رہنمائی کرے۔ یہ سوچ کر نہایت اطمینان و سکون سے بدستور گھر کے کاروبار میں مصروف رہیں اور کبھی کبھی اپنے شوہر سکران کو اسلام کی ترغیب دلاتی رہیں خدا کا کرنا چند ہی روز میں سکران کی طبیعت اسلام کی طرف مائل ہو گئی اور آخر کار دونوں میاں بیوی مشرف باسلام ہوئے۔

جس زمانے میں بیبی سَودہ رض اور اِن کے شوہر سکران مسلمان ہوئے اُس وقت نومسلموں پر کفار کی طرف سے طرح طرح کی سختیاں ہو رہی تھیں بات یہ ہی کہ پیغمبر صاحب نے مبعوث ہوتے ہی خدائی دین یعنی توحید کی مُنادی شروع کر دی تھی، توحید کی مُنادی میں شرک اور بُت پرستی کی توہین اور مذمت کرنی ہی تھی وہ گرم مزاج لوگ بُتوں کی تحقیر اور اپنے بزرگوں کی تحمیق کی تاب نہ لا کر بھڑوں کی طرح چھتّے سے باہر نکل پڑے اور پیغمبر صاحب کے ساتھ گستاخی بے ادبی اور دشنام دہی اور موقع پا کر زدوکوب کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا اور نومسلموں کو تو اس قدر تکلیفیں اور ایذائیں پہنچائیں کہ وہ بیچارے اُکتا کر ترکِ خانماں پر آمادہ ہو گئے کیونکہ ابھی تک اِن میں اتنی قوۃ نہیں تھی کہ مخالفوں سے انتقام لے کر فی الجملہ تسکین پاتے۔ پیغمبر صاحب نے اپنی خاندانی وجاہت کے بھروسے پر جہاں تک ہو سکا اِن نومسلموں کی حمایۃ کی لیکن نری وجاہت ایسے لوگوں کی عام شورش کے مقابلے میں کیا کام آتے جو ہر وقت مار کٹائی اور بے حرمتی پر تلے رہتے تھے، آخر پیغمبر صاحب نے اِن نومسلموں کے تحفّظ کے لئے اِن کو نجاشی بادشاہِ حبشہ کے یہاں چلنا کیا۔ پہلی بار گیارہ مردوں اور چار عورتوں نے حبشے میں جا پناہ لی۔ اِس گروہ میں جناب پیغمبر صاحب کی صاجزادی حضرت رقیہ رض اور اُن کے شوہر حضرۃ عثمان رض اور جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے پھوپی زاد بھائی زبیر بن عوّام بھی تھے اور اِن ہی میں سَودہ بنت زمعہ اور اِن کے شوہر سکران بھی تھے سکران حبشے ہی میں بیمار ہوئے اور وہیں اُن کا انتقال بھی ہو گیا بیبی سَودہ رض اِن کے انتقال کے بعد پھر مکے چلی آئیں کیونکہ اِس وقت مخالفوں کی شورش میں کچھ کمی ہو گئی تھی۔

بیبی سَودہ رض حبشے سے مکے آئیں تو اپنے قدیم مکان میں فروکش ہوئیں اور ہجرت کے تین سال پیشتر جناب پیغمبر خدا

صلے اللہ علیہ وسلم سے ان کا نکاح ہوا۔ کسی تاریخ سے اس بات کا ٹھیک پتہ نہیں لگتا کہ پیغمبر صاحب سے جب ان کا نکاح ہوا ان کی کتنی عمر تھی لیکن ان کے سنہ وفات اور سنہ اسلام کے ملانے سے یہ بات مستنبط ہوتی ہو کہ اس وقت ان کی عمر کم و بیش پچاس برس کی تھی۔ الغرض نکاح کے بعد بیبی سودہ تین سال تک جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکے میں رہیں پھر ہجرۃ کر کے مدینے آئیں اور ابو ایوب انصاری کے گھر میں رہیں جہاں پیغمبر صاحب فروکش تھے۔ مدینے میں آکر جب بیبی عائشہ اور ام سلمہ اور صفیہ رضی اللہ عنہن کئی بیبیاں پیغمبر صاحب کے نکاح میں آگئیں تو ام المومنین بیبی سودہ رض کو خیال ہوا کہ شاید جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم مجکو ضرورۃ سے زائد سمجھکر چھوڑ نہ بیٹھیں اور پھر میں پیغمبر صاحب کے شرف ازدواج سے محروم رہ جاؤں، یہ سوچ کر انھوں نے ایک روز جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ جانتے ہیں کہ میں سن رسیدہ اور بڑھیا ہو گئی ہوں میرے قویٰ بالکل ضعیف و کمزور پڑ گئے ہیں اور مجھ میں کسی طرح کی خواہش نام کو باقی نہیں رہی۔ میری منتہائے آرزو یہ ہو کہ آپکے ازواج کے رجسٹر میں میرا نام باقی رہے اور قیامت کے روز ان ہی بیبیوں میں میرا بھی حشر ہو۔ میں اپنی باری اور اپنا حق بطیب خاطر بیبی عائشہ کو دیتی ہوں پیغمبر صاحب نے بیبی سودہ کی اس درخواست کو قبول فرمایا اور ان کو طلاق نہیں دی۔

جس زمانے میں پیغمبر صاحب مدینے تشریف لائے ہیں مدینہ قصبہ بھی نہیں ایک گانوں تھا اور اس کا نام مدینہ بھی حضرۃ کا رکھا ہوا ہے ورنہ اسکا اصلی نام تھا یثرب چنانچہ قرآن میں بھی مدینے کو یثرب ہی فرمایا ہو۔ یثرب کے معنے عربی میں ہیں "اجڑا" "خراب ہوا" پیغمبر صاحب کو برے ناموں سے نفرۃ تھی آپنے اس کا نام مدینہ رکھا تب سے یہی نام پڑگیا جس کے معنے ہیں شہر۔ یثرب کی آب و ہوا بھی خراب تھی کہ حمی یثرب یعنی یثرب کی تپ مشہور تھی۔ نام کے ساتھ پیغمبر صاحب کی برکت سے آب و ہوا بھی بدل کر درست ہو گئی۔ یثرب میں بیت الخلا بھی نہ تھے۔ شرفا کی بہو بیٹیاں سب رفع حاجت کے لئے جھٹ پٹے کا وقت تاک کر گانوں کے باہر جاتی تھیں اور اس سے پیغمبر صاحب کی ازواج مطہرات بھی مستثنے نہ تھیں۔ گانوں کے شریر نوجوان آتی جاتیوں کو چھیڑتے بھی تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بات بہت ناگوار تھی اور وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح امہات المومنین کو پردے میں بیٹھنے کا حکم دیا جائے اسی لئے بار بار جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پردے کی بابت عرض کیا کرتے تھے مگر پردے کے بارے میں کوئی وحی تو آتی نہ تھی پیغمبر صاحب اپنی طرف سے کیسے حکم دے دیتے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ بیبی سودہ برفع حاجت کیلئے باہر نکلیں شام کا جھٹ پٹے کا وقت تھا کچھ تاریکی پھیل چلی تھی، ان کے ساتھ ایک بیبی اور بھی تھیں، حضرۃ عمر رض نے انکو جاتے دیکھا۔ ہر چند کہ یہ دبکی اور جھکی ہوئی چلی جاتی تھیں مگر چونکہ ڈیل ڈول کی بڑی اور دراز قد عورۃ تھیں حضرۃ عمر رض نے انکو پہچان کر کرخت لہجہ میں کہا سودہ ایسے تمکو دیکھ لیا ہے۔ بیبی سودہ رض خاموشی کے ساتھ بدستور چلی گئیں اور فراغت کے بعد واپس آئیں تو جناب پیغمبر صاحب سے حضرۃ عمر رض کی شکایت کی اور کہا کیا ہم اپنی ضرورۃ کو بھی باہر نہ نکلا کریں؟ پیغمبر صاحب نے فرمایا کہ میں عورتوں کو ان کی ضروریات کے لئے باہر نکلنے سے منع نہیں کرتا۔ بیبی سودہ کے یہاں پیغمبر صاحب سے کوئی اولاد نہیں ہوئی، پہلے شوہر سکران سے ایک بیٹا ہوا جس کا نام عبدالرحمن تھا۔ سودہ رض کا انتقال ۱۹ سنہ ہجرۃ کو حضرۃ عمر رض کی خلافت کے آخری دور میں مدینے ہوا اور

یہیں دفن بھی کی گئیں۔ اِن کی نظروں میں دنیاوی جاہ وجلال ذرا بھی وقعت نہیں رکھتا تھا۔ آن کی سیر چشمی اور فیاضی کی بہت سی مثالیں ہیں کُتب حدیث سے مستنبط ہوتی ہیں از انجملہ یہ کہ حضرۃ عمر رض نے اپنے زمانہ خلافت میں ایک مرتبہ ان کے پاس درہموں کی بھری ہوئی زنبیل بھیجی! انھوں نے یہ سمجھ کر کہ زنبیل میں کھجوریں ہوں گی کیونکہ اُس زمانے میں زنبیل میں کھجوریں ہی بھری جاتی تھیں خادم سے پوچھا کہ کیا کھجوریں ہیں۔ خادم نے عرض کیا کھجوریں نہیں درہم ہیں۔ بیبی سودہ نے فرمایا کھجوریں ہوتیں تو کھانے کے کام بھی آتیں درہم لے کر کیا کریں! چنانچہ زنبیل بھرے ہوئے درہم فوراً خیرات کر دئے۔

اس نکاح کے وقت پیغمبر صاحب اور سودہ دونوں کی حالۃ پر نظر کی جائے تو ماننا پڑے گا کہ خلاف تقدس کوئی امر طرفین کو نکاح کا محرک نہیں ہوا پیغمبر صاحب کی تو حالۃ یہ تھی کہ دعوۃ اِسلام کی وجہ سے اپنے ہی عزیز و قریب یعنی سارا قبیلۂ قریش کنفس واحدۃ مخالفۃ پر کمر بستہ تھے مارنے مرنے پر مستعد ؎

وَظُلْمُ ذَوِی الْقُرْبٰی اَشَدُّ مَضَاضَۃً — عَلَی الْمَرْءِ مِنْ وَقْعِ الْحُسَامِ الْمُھَنَّدِ

گھر میں خدیجہ رض کی ہمدردی اور دل دہی سے راحۃ ملتی تھی اور باہر ابوطالب کی حمایۃ سے اتنا تھا کہ جان کی طرف سے اطمینان تھا مگر موذیوں نے غریب نو مسلموں کا دم ناکوں میں کر رکھا تھا اور پیغمبر صاحب ان کی تکالیف کو اپنی ذاتی تکالیف سے بہت زیادہ احساس فرماتے تھے۔ اتنے میں پہلے تو خدیجہ رض نے انتقال کیا اور بعد ابوطالب نے۔ اب وہ الغریق یتشبث بالحشیش جتنا امن و اطمینان بھی گیا گزرا ہوا۔ خدیجہ اور ابوطالب کی مفارقۃ کا جو صدمہ پیغمبر صاحب پر ہوا ہم اُس کا ٹھیک اندازہ نہیں کر سکتے مگر ہاں کتابوں سے اتنا پتہ لگتا ہے کہ پیغمبر صاحب ابوطالب کے جنازے کے ساتھ بے اختیار زار و قطار روتے تھے ایسی حالت میں نکاح کی کیا سوجھ سکتی تھی مگر خدیجہ رض لڑکیاں چھوڑ مری تھیں! محتاج پرداخت اور ان کی پرداخت کیلئے سودہ جیسی سن رسیدہ تجربہ کار اور سب سے بڑھکر مسلمان عورۃ کا ہونا ضرور تھا۔ سودہ کے نکاح کو تکثیر سے تو کچھ تعلق نہیں۔ پیغمبر صاحب کی یہ دوسری بیبی ضرور تھیں مگر خدیجہ کے انتقال کے بعد اکیلی نہ اُن کے حین حیاۃ۔

# اُمّ المؤمنین حضرۃ عائشہ رضی اللہ عنہا

نام عائشہ۔ کُنیت اُمّ عبداللہ۔ لقب صدیقہ۔ اِن کے والد ابوبکر صدیق پیغمبر صاحب کے جانشین اوّل جو اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک انبیاء کے بعد تمام بنی آدم میں بہتر و افضل ہیں۔ والدہ اُمّ رومان جو عامر بن عُویمر کی بھتیجی بیٹی تھیں۔ بیبی عائشہ والد کی طرف سے قریشیہ ہیں جیسا کہ پیغمبر صاحب کے شجرۂ نسب سے ظاہر ہوتا ہے کہ اِن کا سلسلۂ نسب چھٹی واسطوں سے پیغمبر صاحب کے شجرۂ نسب سے جا ملتا ہے۔ اور ماں کی طرف سے کنانیہ[1] کیونکہ اِن کی والدہ اُمّ رُومان۔ عامر بن عویمر بن عبد شمس بن اذنیہ بن سبیع بن دہمان بن الحارث بن غنم بن مالک بن کنانہ کی بیٹی تھیں۔

[1] فہر سے پہلے اس سلسلے میں جس قدر قبائل تھے سب کنانہ کہلائے جاتے تھے فہر کے وقت سے اِن کا لقب قریش ہوا اور اس کی وجہ فہر کے بیان میں گذر چکی وہاں ملاحظہ ہو ہو[2] اِس کا ترجمہ آگے آتا ہے ۱۲

بیبی عائشہ رضہ ہجرتِ مدینہ سے نو برس پہلے مکے میں پیدا ہوئیں ان کے والد ابو بکر صدیق رضہ ہجرۃ مدینہ سے تیرہ برس پہلے یعنی نبوۃ کے پہلے برس اور پہلے برس کے بھی ابتدائی دنوں میں مشرف باسلام ہو چکے تھے اور ان کے تھوڑے دنوں بعد امِ رومان اسلام لے آئی تھیں۔ اس لئے یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ بیبی عائشہ رضہ پر ایک لمحہ بھی کفر کا زمانہ نہیں گزرا اور دنیا میں آتے ہی پرورش کے واسطے اسلامی آغوش پایا۔ بیبی عائشہ رضہ کچھ اپنے ماباپ کی اکلوتی بیٹی نہ تھیں کہ ان کی پرورش میں والدین کو خواہی نخواہی زیادہ توجہ ہوتی، انکے بھائی بہن اور بھی تھے لیکن جس چیز نے والدین کی نظروں میں ان کو زیادہ عزیز زیادہ باوقعت ثابت کیا وہ ان کی غیر معمولی ذہانت اور طبیعت کی تیزی اور خداداد حُسنِ صورۃ اور سلیقہ شعاری اور ادب اور بلند خیالی تھی۔ والدین ان کو سب بچوں سے زیادہ پیار کرتے تھے اور اسی وجہ سے ان کی پرورش میں کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے تھے اور اسی وجہ سے بہ نسبت اور بھائی بہنوں کے ان کا نشوونما بھی بہت اچھا ہوا۔

بیبی عائشہ رضی اللہ عنہا چھٹی برس کی تھیں کہ ان کا نکاح جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرۃ مدینہ کے تین برس پہلے ہوا۔ بیبی خدیجہ رضہ کے انتقال سے پیغمبر صاحب کو جو صدمہ ہوا اُس کا کسی طرح اندازہ نہیں ہو سکتا اور صدمہ ہونے کی بات بھی تھی کہ خانہ داری کا سارا انتظام ان ہی کے ہاتھ میں تھا اور مخالفینِ اسلام کی شورش کچھ ان کی وجہ سے اور کچھ پیغمبر صاحب کے چچا ابوطالب کی وجاہت سے دبی ہوئی تھی، ان دونوں کے آگے پیچھے انتقال کرتے ہی کفارِ مکّہ کی طرف سے طرح طرح کی تکلیفیں خود پیغمبر صاحب اور نومسلموں کو پہنچنے لگیں جس سے پیغمبر صاحب کا رنج وغم دوبالا ہو گیا۔ پیغمبر صاحب ایک عرصہ تک اسی رنج وغم میں مبتلا رہے ایک دن کا ذکر ہے کہ پیغمبر صاحب کو مخالفینِ اسلام سے زیادہ تکلیف پہنچی اور اس قسم کی تکلیفیں ہمیشہ پہنچتی ہی رہتی تھیں شب کو گھر تشریف لائے تو بیبی خدیجہ کو اور اُن کی اُس غم خواری اور دلدہی کو یاد کر کے سخت مغموم ہوئے۔ صبح کو حکیم بن الاوقص کی بیٹی عثمان بن مظعون مشہور صحابی کی بیوی خولہ آپ کے پاس آئیں اور لگیں عرض کرنے یا رسول اللہ آپ کوئی نکاح کیوں نہیں کر لیتے، پیغمبر صاحب نے فرمایا کہاں کروں اور کس سے کروں، کہا اگر آپ چاہیں کنواری عورت سے شادی کریں چاہیں دُہاجن سے، فرمایا بھلا کنواری کون ہے اور دُہاجن کون۔ کہا کنواری تو ابو بکر کی بیٹی عائشہ ہے اور دُہاجن زمعہ کی بیٹی سودہ۔ اور ان دونوں کے آپ پر کچھ نہ کچھ حقوق بھی ہیں۔ عائشہ کے باپ ابو بکر رضہ آپ کے دینی بھائی ہیں اور وہ ابتدا سے آپ کے دُکھ درد کے شریک رہے ہیں اور سودہ ایک عرصے سے آپ کے فرماں برداروں میں داخل ہیں پیغمبر صاحب نے فرمایا کہ اچھا تو ابو بکر رضہ اور زمعہ سے جا کر کہو۔ خولہ خوشی خوشی پہلے ابو بکر صدیق رضہ کے گھر گئیں۔ ابو بکر رضہ تو مکان پر موجود تھے نہیں انھوں نے بیبی عائشہ رضہ کی والدہ ام رومان سے کہا کہ بیبی! مبارک ہو خدا تعالے نے تمہارے لئے بڑی خیر و برکت کا سامان کر دیا ہے، اُمّ رومان نے پوچھا وہ کیا؟ کہا مجھے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے پاس اِس غرض سے بھیجا ہے کہ میں تم کو پیغمبر صاحب کے ساتھ عائشہ رضہ کے نکاح کا پیام دوں اُمّ رومان نے تعجب کے لہجے میں کہا کہ خولہ! کیا عائشہ رضہ کا نکاح پیغمبر صاحب سے ہو سکتا ہے میرے خیال میں تو نہیں

ہوسکتا کیونکہ عائشہ کے باپ ابوبکر پیغمبر صاحب کے بھائی کہلاتے ہیں اور جب وہ پیغمبر صاحب کے بھائی کہلائے گئے تو عائشہ پیغمبر صاحب کی بھتیجی ہوئی اور چچا بھتیجی میں نکاح کیسا۔ لیکن خولہ تم ذرا کی ذرا ٹھیرو عائشہ کے باپ آیا ہی چاہتے ہیں اُنسے کہوگی تو وہ کوئی معقول جواب دیں گے۔ تھوڑی دیر میں ابوبکر رضؓ بھی آگئے اور خولہ نے اُن سے بھی وہی کہاکہ ابوبکرؓ! خدانے تمہارے لئے بڑی خیرو برکہ کا سامان کردیا ہو لیعنی پیغمبر صاحب نے عائشہؓ کے ساتھ اپنے نکاح کا پیغام تم کو دیا ہو۔ ابوبکر رضؓ نے کہا میں یہ پیغام بطوع خاطر منظور کرتا ہوں لیکن بات یہ ہو کہ میں پیغمبر صاحب کا بھائی ہوں اور خولہ! کیا ایک بھائی کی لڑکی دوسرے بھائی کے لئے حلال ہو۔ خولہ نے کہا تم صبر کرو میں ابھی جاکر پیغمبر صاحب سے یہ مسئلہ پوچھ آتی ہوں۔ چنانچہ خولہ پیغمبر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور سارا واقعہ بیان کیا۔ پیغمبر صاحب نے فرمایا ابوبکرؓ میرے دینی بھائی ہیں قرابتی بھائی نہیں ہیں اور ایک دینی بھائی کی لڑکی سے دوسرے دینی بھائی کا نکاح ہوسکتا ہو۔ خولہ پھر ابوبکرؓ کے پاس گئیں اور انہوں نے اُسی وقت پیغمبر صاحب کو بُلاکر عائشہ رضؓ کا نکاح آپ سے کردیا۔ اِس وقت بیبی عائشہؓ کی عمر چھ سال کی تھی اور جناب پیغمبر صاحب کی پچاس برس کی۔ چونکہ اِس وقت بیبی عائشہؓ کی عمر بہت چھوٹی تھی اِس سے والدین نے اِن کو اِس موقع پر رخصت نہیں کیا۔ ہجرۃ مدینہ کے ایک برس بعد جب کہ اِن کی عمر نو برس کی تھی وداع کی گئیں۔ پیغمبر صاحب کی ازواج میں صرف ایک یہی کنواری تھیں باقی سب دُہاجنیں۔

بیبی عائشہ رضؓ سے پیغمبر صاحب کو کس قدر محبت تھی اِس کا ثبوت ذیل کی چند حکایتوں سے خوب ہوتا ہے

(۱) پیغمبر صاحب کو مرضِ وفات پیش آیا تو آپ نے تمام ازواجِ مطہرات کو جمع کرکے فرمایا کہ اگر تم اجازۃ دو تو میں ایام علالت عائشہ رضؓ کے گھر میں گزاردوں کیونکہ وہاں میری بیماداری اچھی طرح ہوگی۔ بیبیوں نے عرض کیا کہ جہاں آپ کو آرام ملے تشریف رکھیں چنانچہ پیغمبر صاحب زمانۂ وفات تک بیبی عائشہ رضؓ ہی کے گھر رہے اور اسی واقع کو بیبی عائشہ رضؓ پیغمبر صاحب کی وفات کے بعد اکثر مواقع پر فخراً اِس طرح بیان فرمایا کرتی تھیں کہ یوں تو خدا کے مجھ پر بہت سے احسان ہیں مگر ایک وہ احسان جس کے ساتھ اُس نے مجھے مخصوص فرمایا خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہے کہ پیغمبر صاحب مرضِ وفات میں مبتلا ہوئے تو اپنی بیویوں سے اجازت لے کر زمانۂ وفات تک میرے ہی گھر رہے اور میری ہی باری کے دن اور میری ہی گود میں آپ نے وفات پائی اور میرے ہی حجرے میں مدفون ہوئے۔ (بخاری مسلم)

(۲) ایک مرتبہ عید کے موقع پر حبشیوں کے چند لڑکے مسجدِ نبوی کے صحن میں بیبی عائشہ رضؓ کے حجرے کے سامنے بانک پٹے کی طرح کا کھیل کھیل رہے تھے۔ بیبی عائشہ رضؓ کا بیان ہو کہ پیغمبر صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ تم اِن کا تماشا دیکھنا چاہتی ہو؟ میں نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا تو اچھا میری پیٹھ کے پیچھے کھڑی ہوجاؤ۔ میں اپنی ٹھوڑی آپ کے بازو پر رکھ کر کھڑی ہوگئی اور لگی تماشا دیکھنے تا وقتیکہ میں تماشا دیکھنے سے نہیں اُکتائی پیغمبر صاحب میری خاطر کھڑے رہے تو اب تم اندازہ کرلو کہ نو عمر اور کھیل کود کی حریص لڑکی کس قدر کھیل کی آرزومند ہوتی ہو بس یہی حال میرا تھا یعنی میں

بہت دیر تک تماشا دیکھتی رہی اور پیغمبر صاحب میری خاطر کھڑے رہے (بخاری مسلم)

پیغمبر صاحب کو بیبی عائشہ رضؓ جو اس قدر عزیز تھیں تو کچھ اس وجہ سے نہ تھیں کہ وہ حسین اور خوبصورت تھیں، دوسری بیبیاں جیسے مثلاً بیبی صفیہ رضؓ اور زینب بنت جحش رضؓ وغیرہما ان سے بہت زیادہ حسین تھیں بلکہ اپنی دانشمندی اور خصائل حمیدہ اور اخلاقِ پسندیدہ کی وجہ سے عزیز تھیں اور اسی وجہ سے پیغمبر صاحب اکثر اوقات معاملاتِ خانہ داری میں ان ہی سے مشورہ لیا کرتے اور یہ ایسی تدبیر بتاتیں کہ پیغمبر صاحب کو اُس پر عمل کرنے میں ذرا بھی تردّد نہ ہوتا اِن کی زبان نہایت صاف اور شستہ تھی اور گفتگو میں فصاحت و بلاغت کے علاوہ معقولیتہ اور اثر زیادہ ہوتا تھا یہی وجہ تھی کہ پیغمبر صاحب گھر تشریف لاتے تو اِن ہی سے باتیں کرتے اور جب ان کی گفتگو کا سلسلہ شروع ہوتا تو آپ خاموش بیٹھے سُنا کرتے، چونکہ باتیں معقول اور نتیجہ خیز ہوتی تھیں پیغمبر صاحب بہت پسند فرماتے تھے۔

پیغمبر صاحب فطرتاً رحم دل اور نیک مزاج اور خوش خلق تھے اور عموماً اپنی بیویوں کے ساتھ خوش خلقی اور نرمی اور حسنِ معاشرۃ کے ساتھ پیش آتے تھے۔ بیبی عائشہ رضؓ جب نئی نئی بیاہی گئی ہیں تو اِن کی والدہ اُمّ رومان نے ان کے بچپن کے کھلونے اِن کے ساتھ کر دیئے تھے اور اس خیال سے کہ لڑکی ہے نوعمر پہلے پہل تنہا گھر میں رہے گی تو طبیعت اُکتا جائے گی انصارِ مدینہ کی لڑکیوں کو جو ان کی ہمجولیاں تھیں اِن کے ساتھ کھیلنے کو بھیج دیا کرتی تھیں بیبی عائشہ رضؓ گھر کے معمولی کام کاج سے فارغ ہوئیں اور اپنی سہیلیوں کے ساتھ گڑیاں کھیلنے بیٹھ گئیں ایسے موقع پر پیغمبر صاحب آنکلتے تو لڑکیاں اِدھر اُدھر چھپ جاتیں مگر پیغمبر صاحب خود ایک ایک کو پکڑ پکڑ کر بیبی عائشہ رضؓ کے پاس بھیجتے اور فرماتے کہ جاؤ کھیلو اور کسی بات کا خوف نہ کرو پیغمبر صاحب کبھی کبھی اپنی بیویوں سے مزاح اور خوش طبعی بھی کیا کرتے تھے اور زیادہ تر بیبی عائشہ رضؓ سے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک یا شاید غزوۂ حُنین سے واپس تشریف لائے بیبی عائشہ رضؓ کے گھر میں ایک بڑا طاق تھا اور اُس پر پردہ پڑا رہتا تھا۔ طاق میں بیبی عائشہ رضؓ کی گڑیاں گڈے بنے سنورے ترتیب کے ساتھ رکھے ہوئے تھے۔ اتفاق سے ہوا چلی اور پردہ اُٹھ گیا۔ پیغمبر صاحب نے طاق کی گڑیوں کی طرف اشارہ کرکے بیبی عائشہ سے فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ اُنہوں نے کہا میرے کھیلنے کی گڑیاں۔ گڑیوں کے بیچ میں کپڑے کا ایک گھوڑا بھی تھا جس کے کاغذ کے دو پَر لگے ہوئے تھے پیغمبر صاحب نے اُس گھوڑے کی طرف اشارہ کرکے فرمایا اور یہ کیا ہے؟ جواب دیا گھوڑا، فرمایا اور یہ گھوڑے کے پَر بھی ہوا کرتے ہیں؟ بیبی عائشہ رضؓ نے برجستہ جواب دیا کہ آپ نے سُنا نہیں کہ سلیمان علیہ السلام کے پَردار گھوڑے تھے، یہ سُنکر پیغمبر صاحب کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ (بخاری)

باوجود پیغمبر صاحب کی اس قدر محبت اور مہربانی کے بیبی عائشہ پیغمبر صاحب کی پیغمبری کا انتہا سے زیادہ اَدب کرتی اور بلحاظِ شوہر ہونے کے آپ کی بیحد عزۃ کرتی تھیں۔ ساری عمر میں کبھی ایسا موقع پیش ہی نہیں آیا کہ اپنے مرتبے کی حد سے متجاوز ہوئی ہوں۔ جو امر پیغمبر صاحب کے خلافِ شان یا خلافِ طبیعت ہوتا اُس کو عمل میں لانے کی کبھی جراٴت ہی نہیں کرتیں، پیغمبر صاحب کے خانہ داری اور بعض خارجی حالات کو دریافت کرنے کی ہمیشہ کوشش

کرتیں اور معلوم ہوتے پیچھے اُن کو پیغمبر صاحب کا راز سمجھ کر محفوظ رکھتیں۔

بیبی عائشہ رض کا پیغمبر صاحب کی بہترین بیوی ہونے کا ایک بڑا ثبوت یہ ہے کہ قصہ افک میں ان کی براءۃ خدا نے قرآن مجید میں نازل فرمائی۔ یہ قصہ قرآن مجید کی سورہ نور کے دوسرے اور تیسرے رکوع میں مجملاً اور کتب احادیث و تفاسیر میں مفصلاً مذکور ہے ہم نہایت اختصار کے ساتھ اس مقام پر اُس کا مذکور کرتے ہیں کہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی سفر کو تشریف لے جاتے تو اُمہات المومنین یعنی اپنی بیبیوں میں قرعہ ڈال لیا کرتے جن کے نام کا قرعہ نکلتا اُن بیبی کو اپنے ساتھ لیجاتے چنانچہ ہجرۃ کے پانچویں برس غزوہ بنی مصطلق سے پہلے ایک غزوے کے لئے جاتے ہوئے پیغمبر صاحب نے قرعہ ڈالا بیبی عائشہ رض کے نام کا قرعہ نکلا اور وہ پیغمبر صاحب کے ساتھ گئیں، لوٹتیوں کو مدینہ تھوڑی دور باقی تھا کہ ایک جگہ مقام ہوا اور کچھ رات رہے سے چل کھڑے ہوئے بیبی عائشہ رض قضائے حاجت کے لئے پڑاؤ سے باہر چلی گئی تھیں وہاں اُن کا منکوں کا ہار جو چلتے وقت اپنی بہن اسماء سے مستعار لائی تھیں ٹوٹ کر گر پڑا جب یہ واپس آئیں تو خبر ہوئی۔ ہار ڈھونڈھنے پھر واپس گئیں، وہاں ڈھونڈھنے میں لگی دیر یہ لوٹ کر آنے نہیں پائیں لشکر کوچ کر گیا بیبی عائشہ رض ہلکی پھلکی نو عمر تو تھیں ہی ساربان سمجھا کہ یہ اپنے کجاوے میں ہیں بند کجاوہ اونٹ پر لاد لیا اور لشکر کوچ کر گیا یہ واپس آئیں تو اُس جگہ کسی کو نہ پایا خیال کیا کہ آخر کوئی نہ کوئی مجھے ڈھونڈھنے آئے گا اپنی جگہ بیٹھ گئیں اور بیٹھے بیٹھے سو گئیں۔ لشکر کے پیچھے ایک آدمی رہا کرتا ہے جو لوگوں کی گری پڑی چیز اُٹھا لیتا ہے اتفاق سے وہ آدمی صفوان بن معطل تھا وہ جو آیا تو دُور سے آدمی کی پرچھائیں دیکھ کر آواز دی اور جب معلوم ہوا کہ اُم المومنین بیبی عائشہ رض ہیں تو انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھ کر پرے ہٹ گیا۔ خود اونٹ سے اُتر پڑا اور بیبی عائشہ رض کو اونٹ پر بٹھا مُہار ہاتھ پر لئے آگے آگے ہو لیا۔ یہاں قافلہ منزل پر پہونچا اور لوگوں نے عائشہ رض کو گم پایا تو لگے آپس میں گفت و شنید کرنے۔ لوگ ابھی گفت و شنید کر ہی رہے تھے۔ کہ بیبی عائشہ رض جا پہونچیں اور صفوان نے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ بات تو آئی گئی تھی مگر منافقوں نے اس پر خوب خوب حاشیے چڑھائے سب سے زیادہ عبداللہ بن اُبی منافق نے اس کا چرچا کیا اور بہت سے مسلمان بھی اس آفت میں پھنسے۔ پیغمبر صاحب مدینے پہونچے اور منافقوں کی گفت و شنید کا حال معلوم ہوا تو بیبی عائشہ رض سے کشیدہ رہنے لگے۔ اتنے میں یہ بیمار ہو گئیں۔ اگرچہ ان کو منافقوں کے بہتان و افترا پردازی کی ابھی تک کچھ بھی خبر نہ تھی لیکن اتنا تو یہ بھی جانتی تھیں کہ پیغمبر صاحب جو لطف و مہربانی اس سے پہلے بیماری کی حالت میں ان کے ساتھ کیا کرتے تھے اب نہیں کرتے گھر میں تشریف لاتے ہیں تو صرف اس قدر پوچھ لیتے ہیں کہ تم کیسی ہو اور بس، اتفاق سے ایک دن شام کو جھٹ پٹے کے وقت بیبی عائشہ رض مسطح کی ماں کو جو رشتے میں ان کی پھوپی ہوتی تھیں ساتھ لے کر قضائے حاجت کے لئے مدینے کے باہر تشریف لے گئیں۔ مسطح اگرچہ مسلمان مہاجر تھا اور جنگ بدر میں بھی شریک ہوا تھا مگر بدقسمتی سے منافقوں کے ساتھ اس چرچے کی آفت میں پھنس گیا تھا۔ الغرض جب بیبی عائشہ رض قضائے حاجت سے فارغ ہو کر لوٹیں تو مسطح کی ماں اپنی چادر میں اُلجھ کر گر پڑی اور اُس کے منہ سے بے ساختہ نکلا تعس مسطح مسطح کا کھوج اُجڑ جائے۔ بیبی عائشہ رض نے انکار کے لہجے میں کہا کہ تم ایسے شخص کو بُرا کہتی ہو جو بدر میں

پیغمبر صاحب کے ساتھ شریکِ جنگ ہا۔ اُمّ مسطح بولی کہ ای بھولی بالی بیبی تمہیں کیا معلوم کہ اُس نے تم پر کیسا بہتان لگایا ہے۔ بیبی عائشہ رضہ نے چونک کر کہا کیسا بہتان۔ کہا میرا عقیدہ اور میرا یقین تو یہ ہے کہ تم منافقوں کے بہتان و افترا پردازیوں سے بالکل پاک صاف ہو اور تم ہی جیسی پاک و عصمت مآب بیبی کو خدا نے اپنے مقدس پیغمبر کے لئے اختیار کیا ہے مگر منافقوں نے خدا اُن کا مونھ کالا کرے تمہاری نسبتہ ایسی ایسی باتیں اُڑا رکھی ہیں۔ بیبی عائشہ رضہ بیمار تو پہلے ہی سے تھیں اس رنج کے صدمے سے رہی سہی اور بھی نڈھال ہوگئیں اور زار و قطار روتی ہوئی گھر آئیں پیغمبر صاحب تشریف لائے تو اجازۃ لے کر میکے چلی گئیں۔ اور اپنی والدہ اُمّ رومان سے کہا کہ لوگ جو یہ چرچا کر رہے ہیں کیسا ہے اُمّ رومان نے جواب دیا کہ بیٹا! مجھے ان باتوں سے معاف رکھو لوگوں کے اس چرچے سے میرے تو آئے ہوش و حواس جاتے رہے ہیں اس بارے میں بجز اس کے اور کچھ نہیں جانتی کہ جب ایک عورۃ اپنے خاوند کو زیادہ پیاری ہوتی ہے تو اُسکی سوکنوں کو ہمیشہ اُس پر رشک ہوا کرتا ہے اور وہ خواہی نخواہی اُس پر نکتہ چیں ہوا کرتی ہیں۔ بیبی عائشہ رضہ ماں کی یہ تقریر سُن کر نہایت رنجیدہ ہوئیں اور شام سے روتے روتے صبح کر دی۔ صبح کو ان کے والد ابو بکر ان کی خیریت کو آئے اور ان کو روتا دیکھ کر اُمّ رومان سے رونے کا سبب پوچھا اُمّ رومان نے کہا کہ منافقوں کے چرچے کی عائشہ کو ابھی خبر ہوئی ہے اور اسی وجہ سے اس نے روتے روتے آنکھیں سُجا لی ہیں۔ ابو بکر رضہ روتے ہوئے بیٹی کے پاس آئے اور لگے کہنے بیٹا! رومت اگر تم حقیقت میں اُس الزام سے پاک ہو جو منافقوں نے تمہارے سر چیپکا ہے اور مجھے یقین ہے کہ فی الواقع پاک ہو تو خدا عنقریب اس کا کوئی رستہ نکالتا ہے۔ ادھر پیغمبر صاحب نے علی بن ابی طالب رضہ اور اُسامہ بن زید رضہ کو بُلا کر بیبی عائشہ رضہ کے چھوڑنے میں مشورہ لیا۔ اُسامہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ عائشہ آپ کی بیوی ہیں اور ہم نے اُن میں بجز بھلائی اور نیکی کے اور کچھ نہیں دیکھا۔ اور یہ بھی ہمیں معلوم ہے کہ خدا نخواستہ عائشہ میں کوئی عیب کی بات ہوتی تو خدائے علام الغیوب اُن کو آپ کی خدمت کا شرف ہرگز نہیں دیتا۔ اس کے بعد علی بن ابی طالب رضہ نے کہا یا رسول اللہ خدا کی طرف سے عورتوں کے بارے میں آپ پر کچھ تنگی تو ہے نہیں اور دنیا میں عورتوں کا کال بھی نہیں لیکن آپ کو گھر کی لونڈی بریرہ سے دریافت کرنا چاہیئے جو بات ہوگی وہ صاف صاف کہہ دیگی۔ پیغمبر صاحب نے بریرہ کو بلا کر دریافت کیا تو اُس نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اُس ذاتِ پاک کی قسم جس نے آپ کو رسولِ برحق بنا کر بھیجا ہے کہ میں نے عائشہ میں بجز اس کے اور کوئی بات نہیں دیکھی کہ وہ نو عمر لڑکی ہے گھر کا آٹا گوندھ کر سو جاتی ہے اور بکری آکر آٹا کھا جاتی ہے۔ اس پر پیغمبر صاحب نے تمام مہاجرین و انصار کو مسجد میں جمع کیا اور منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا اور فرمایا اے گروہِ مسلمانان! تم میں سے کون سا آدمی اُس شخص کے مقابلے میں میری مدد و حمایۃ کے لئے کھڑا ہوتا ہے جس نے میری اہلیہ پر تہمۃ لگا کر مجھے سخت تکلیف دی ہے بخدا مجھے جہاں تک معلوم ہے میں اپنی بیوی میں بجز نیکی اور بھلائی کے اور کوئی چیز نہیں پاتا اور جس مرد یعنی صفوان بن معطل کی نسبتہ لوگ چرچا کرتے ہیں میں اُس میں بھی کسی طرح کی خرابی نہیں دیکھتا وہ بے شک میرے گھر میں آمد و رفت رکھتا تھا مگر ہمیشہ میرے حضور میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میری غیبت میں میرے گھر گیا ہو۔ پیغمبر صاحب کی یہ تقریر سُنکر

انصار کے سردار سعد بن معاذ اُٹھ کھڑے ہوئے اور لگے کہنے یا رسول اللہ میں آپ کی حمایت کو تیار ہوں اگر وہ ہمارے قبیلۂ اَوس میں سے ہے تو میں خود اُس موذی کو اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا اور اگر ہمارے بھائی خزرجیوں میں سے ہی ہے تو جو آپ حکم فرمائیں گے تعمیل میں کوتاہی نہ ہوگی۔ اس پر سعد بن عبادہ جو خزرجیوں کے سردار تھے اور عبداللہ بن اُبَی انصار کے اسی قبیلے میں سے تھا اُٹھ کر لگے کہنے کہ سعد بن معاذ! تمہاری یہ ساری تقریر بالکل فضول ہے خدا کی قسم تم ہمارے کسی آدمی پر ہاتھ اٹھانے کی قدرت نہیں رکھتے۔ سعد بن عبادہ تھے تو آدمی نیک لیکن اس موقع پر اُن کو حمیّتِ قومی نے اِس کہنے پر آمادہ کیا اور وہ بھی صرف سعد بن معاذ کے مقابلے میں۔ اُسید بن حُضیر جو سعد بن معاذ کے چچا زاد بھائی تھے سعد بن عبادہ سے مخاطب ہو کر بولے کہ تم بالکل جھوٹ بکتے ہو قسم خدا کی ہم ایسے موذی آدمی کو ضرور قتل کریں گے بے شک تم منافق ہو کہ منافق کی طرف سے جھگڑتے ہو۔ اُسید کا یہ کہنا تھا کہ دونوں قبیلوں میں غضب کا جوش پیدا ہو گیا اور ایک دوسرے سے کشت و خون کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم جھٹ منبر سے اُتر آئے اور کمال نرمی و تحمل سے دونوں قبیلوں کو خاموش کر دیا۔ یہاں بیبی عائشہ روتے روتے اس قدر ہلکان ہوگئیں کہ ان کے والدین کو خیال ہوا کہ ان کا جگر پھٹا جاتا ہے۔ بیبی عائشہ رض رو رہی تھیں اور ان کے والدین ان کے پاس بیٹھے تھے کہ پیغمبر صاحب تشریف لائے اور سلام علیک کر کے ان کے پاس بیٹھ گئے حالانکہ اس سے پیشتر جب سے منافقوں نے ان کے بارے میں چرچا کیا کبھی نہیں بیٹھے تھے؛ ادھر ایک مہینہ کامل گزر گیا کہ پیغمبر صاحب پر وحی نہیں اُتری۔ پیغمبر صاحب نے بیبی عائشہ رض کے پاس بیٹھتے ہی فرمایا عائشہ! مجھے تمہاری نسبت فلاں فلاں باتوں کی خبر ملی ہے تو اگر تم اُن سے بری ہو اور تمہارا دامن منافقوں کے چرچے کی گندگی سے پاک ہے تو عنقریب خدا تمہاری صفائی اور براءت ظاہر کر دے گا اور اگر تم گناہ کی مرتکب ہوئی ہو تو خدا سے معافی مانگو اور اُس کی جناب میں توبہ کرو کیونکہ گنہگار آدمی جب توبہ کرتا ہے تو خدا اُسکی توبہ قبول فرماتا ہے۔ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم جب یہ تقریر کر چکے تو بیبی عائشہ رض کی پُرنم آنکھوں سے لگا آنسوؤں کا دریا بہنے اور اُنھوں نے اپنے والد کی طرف روئے سخن کر کے کہا کہ پیغمبر صاحب کو اِس کا جواب دو! ابو بکر رض جو ابھی گردن نیچی کئے بیٹھے تھے سر اُٹھا کر لگے کہنے کہ پیغمبر صاحب کے اِس سوال کا جواب میرے پاس تو ہے نہیں۔ بیبی عائشہ نے اپنی ماں امّ رومان سے کہا تم ہی کچھ جواب دو! اُنھوں نے بھی انکار کر دیا تب انھوں نے حاضرینِ مجلس سے مخاطب ہو کر کہا کہ مجھے اچھی طرح معلوم ہو گیا ہے کہ لوگوں کی سُنی سُنائی باتیں تمہارے دلوں میں کالنقش فی الحجر ہو گئی ہیں اور یہ جھوٹی جھوٹی افواہیں تمہارے نزدیک مرتبۂ تصدیق کو پہنچ گئی ہیں۔ ایسی صورت میں اگر میں کہتی ہوں کہ میرا دامن اِس گناہ سے پاک ہے تو تم لوگ میری تصدیق ہرگز نہیں کرو گے اور اگر کسی بات کا اقرار کرتی ہوں حالانکہ خدا خوب جانتا ہے کہ میں بالکل پاک اور بے لوث ہوں تو تم فوراً اُس کی تصدیق کر لو گے میری تمہاری وہی کہاوت ہے جو یوسف کے والد یعقوب نے اپنے بیٹوں سے کہی تھی کہ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ یہ کہہ کر بیبی عائشہ رض اُٹھ کھڑی ہوئیں اور اپنے بچھونے پر مغموم جا لیٹیں۔ یہ اتنا تو جانتی تھیں کہ خدا ان کو منافقوں کے الزام سے

ضرور بری کرے گا لیکن اِس کا وہم وخیال بھی نہ تھا کہ اِن کی شان میں ایسی محکم وحی نازل ہوگی جو قیامت تک حافظوں کے سینوں اور قاریوں کی زبانوں پر جاری رہے گی اِن کو صرف یہ توقع تھی کہ خدا اپنے پیغمبر کو یا تو خواب میں کوئی ایسا واقعہ دکھادے گا جس سے میری براءۃ ہوجائے گی یا پیغمبر صاحب کے دل میں کوئی اس قسم کی بات ڈال دی جائے گی۔ خدا کا کرنا پیغمبر صاحب اسی مجلس میں تشریف رکھتے تھے اور گھر کے لوگوں میں سے ابھی تک ایک شخص بھی اپنی جگہ سے نہیں اُٹھا تھا کہ پیغمبر صاحب پر آثار وحی مترتب ہونے شروع ہوئے باوجودیکہ کڑاکے کا جاڑا پڑ رہا تھا آپ کے چہرۂ مبارک سے پسینے کے قطرے انار کے دانوں کی طرح ٹپک رہے تھے۔ یہ حالت دیکھ کر بیبی عائشہ نے فوراً آپ کو کپڑا اُڑھا دیا اور سر کے نیچے ایک بڑا سا چمڑے کا تکیہ رکھ دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پیغمبر صاحب نے مونھ سے کپڑا اُٹھایا اور مسکراتے ہوئے اُٹھے سب سے پہلے جو آپ کی زبان مبارک سے لفظ نکلے یہ تھے کہ عائشہ! تمہیں خوش ہونا چاہیئے خدا کی قسم تم منافقوں کے الزام سے بالکل بے لوث ہو خدا نے تمہاری براءۃ میں یہ آیتیں نازل فرمائی ہیں پھر آپ نے سورۂ نور کے دوسرے اور تیسرے رکوع کی آیتیں پڑھیں۔ بیبی عائشہ اپنی براءۃ کی آیتیں سنکر بستر علالت سے اُٹھ کھڑی ہوئیں اور مارے خوشی کے چہرے پر تازگی کے آثار نمایاں ہوگئے انھوں نے جوش مسرت میں پیغمبر صاحب سے مخاطب ہوکر کہا کہ میں آپ کا اور آپ کے اصحاب کا نہیں بلکہ خدا کا شکر کرتی ہوں کہ اُس نے اپنے کلام پاک میں میری براءۃ نازل فرمائی اس پر اِن کی والدہ اُم رومان نے کہا نہیں بیٹا! پیغمبر صاحب کے پاس جاکر اُن کی عنایۃ و مہربانی کا شکر ادا کرو! انھوں نے کہا میں تو خدا کے سوائے کسی اور کا شکر ادا کروں گی نہیں چاہے اس میں تم مجھ سے ناراض ہی کیوں نہ ہو۔ غرض کہ پیغمبر صاحب مسجد میں تشریف لے گئے اور منبر پر چڑھ کر سورۂ نور کی آیتیں پڑھیں اور عبداللہ بن اُبیّ اور مسطح اور حمنہ[1] اور حسان چار شخصوں کو حدّ قذف ماری گئی۔

جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو بیبی عائشہ کی عمر اُس وقت کُل اٹھارہ برس کی تھی گویا کچھ کم نو برس پیغمبر صاحب کی خدمت کا شرف اِن کو حاصل رہا لیکن یہ اِن کی خداداد ذہانت اور فطری دانشمندی کا نتیجہ تھا کہ اسی نو برس کے عرصے میں اِن کو حدیث و فقہ میں اس قدر کمال حاصل ہوگیا تھا کہ بڑے بڑے صحابہ یہاں تک خلفاء اربعہ ان کی معلومات کا مقابلہ نہیں کرسکتے تھے۔ علم فرائض اور مسائل میراث کے حل کرنے میں اِن کو وہ قدرۃ حاصل تھی کہ حضرت عمر بن الخطاب جیسے جلیل القدر خلیفہ نے ایک دو دفعہ نہیں بلکہ کئی دفعہ میراث کے مسائل اِن سے دریافت کئے اور انھوں نے اُن کو پانی کی طرح حل کرکر دیا۔ حضرت عمر بن الخطاب اور عبداللہ بن عمر اور ابن عباس اور ابو موسیٰ اشعری اور ابو ہریرہ وغیرہ جلیل القدر صحابی اور حدیث کے عالم اِن سے حدیثیں سُنتے اور پھر اُن کو لوگوں سے بیان کرتے تھے

[1] حمنہ کے باپ کا نام جحش اور دادا کا رباب تھا۔ ان کی ماں امیمہ بنت عبدالمطلب پیغمبر صاحب کی پھوپی تھیں۔ پس حمنہ اس اعتبار سے پیغمبر صاحب کی پھوپی زاد بہن ہوئیں اور چونکہ ان کی بہن زینب بنت جحش پیغمبر صاحب کے زمرۂ ازواج میں داخل تھیں اس لحاظ سے یہ آپ کی سالی بھی ہوئیں ازبسکہ بیبی عائشہ اِن کی بہن زینب کی سوکن تھیں ان کی حمایۃ کی وجہ سے حمنہ ان پر غالب ہوئی اور ان کے چرچے میں منافقوں کے ساتھ شریک ہو گئیں ورنہ یوں حمنہ نہایت نیک بیبی تھیں۔ مہاجرات میں سے تھیں جنگ اُحد میں شریک ہوئی تھیں اور مجاہدین کیلئے پانی کی مشکیں کندھوں پر ڈھو ڈھو کر لاتی تھیں اُن کے زخموں کی مرہم پٹی کرتی تھیں تاریخ ابن اثیر۔

جن تابعیوں نے اِن سے روایتہ حدیث کی ہو اگرچہ اصابہ اور اسد الغابہ کے مؤلفوں نے بڑی کوشش اور جانکاہی سے اپنی اپنی تالیفات میں اُن کی فہرست دی ہے لیکن آخر میں صاف کہہ دیا ہو کہ اِن کے علاوہ اور بے شمار تابعی ہیں جو فنِ حدیث میں بیبی عائشہ کے شاگرد ہیں۔ عطا بن ابی رباح جو ایک مشہور تابعی ہیں کہتے ہیں کہ حضرۃ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے وقت کے تمام لوگوں سے زیادہ فقیہ تھیں اور اِن کی رائے عام مسائل میں سب سے احسن و اصوب خیال کی جاتی تھی؛ مشکل سے مشکل اور لاینحل مسائل کو اِس آسانی سے حل کرتی تھیں کہ بڑے بڑے صحابی حیران ہوجاتے تھے۔ ایک دفعہ پیغمبر صاحب کے انتقال کے بعد مدینے کے علماء صحابہ میں سماعِ موتے کے باب میں اختلاف پیدا ہوا۔ اور اختلاف پیدا ہوا اس سے کہ جنگ بدر میں بہت سے وہ کافر مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل کئے گئے جو پیغمبر صاحب اور نومسلموں کو طرح طرح کی تکلیفیں دیا کرتے اور پیغمبر صاحب اِن کے لئے بددعا کیا کرتے تھے۔ لڑائی کا خاتمہ ہوا تو اِن لوگوں کی لاشیں ایک کنویں میں ڈال دی گئیں۔ پیغمبر صاحب چلتیوں کو اِس کنویں پر تشریف لائے اور مقتول کافروں کے نام لے لے کر آواز بلند فرمایا هَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا[1] اِس موقع پر بعض صحابہ نے ازراہِ تعجب پیغمبر صاحب سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا یہ ناپاک اور گندی لاشیں سُنتی ہیں جو آپ فرماتے ہیں۔ پیغمبر صاحب نے فرمایا کہ تم سے زیادہ سُن سکتی ہیں۔ پیغمبر صاحب کا بس ایک یہی آخری فقرہ تھا جس سے صحابہ کے دو مختلف گروہ ہوئے دو مختلف نتیجے استنباط کئے۔ حضرت عمر بن الخطاب رض کے فرزند رشید عبداللہ نے پیغمبر صاحب کے انتقال کے بعد یہ حدیث بیان کی اور فتویٰ دیا کہ مُردے زندوں کی باتیں سُنتے ہیں۔ دوسری طرف ابو قتادہ رض جو ایک عظیم الشان اور جلیل القدر صحابی تھے اِس بات کے قائل تھے کہ مُردے سُنتے سُناتے کچھ نہیں اور اس حدیث کی یہ تاویل کرتے تھے کہ پیغمبر صاحب کی منجملہ اور خصوصیات کے ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ مُردے اُن کی باتیں سُن سکتے تھے۔ رفتہ رفتہ یہ اختلاف سارے میں پھیل گیا اور پیغمبر صاحب کے صحابیوں میں دو مختلف گروہ پیدا ہوگئے۔ بیبی عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ خبر پہنچی تو انھوں نے فرمایا خدا عبداللہ پر رحم کرے کیا اُنھوں نے قرآن مجید میں یہ آیہ نہیں پڑھی اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى[2] اور کیا اُن کی نظر سے قرآن کے یہ الفاظ نہیں گزرے۔ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ[3] عبداللہ پیغمبر صاحب کی جو حدیث نقل کرتے ہیں ہو تو وہ واقعی حدیث اور حدیث بھی وہ جسے بہت لوگوں نے پیغمبر صاحب کی زبان مبارک سے سُنا مگر عبداللہ اُس کا محمل نہیں سمجھے اصل بات یہ ہو کہ پیغمبر صاحب کو کفار کی لاشوں سے خطاب کرنے میں اوروں کو نصیحۃ و عبرۃ دلانی مقصود تھی ورنہ جو مرگیا اُس کے مرتے ہی تمام جسمانی قوتیں معطل و بے کار ہوگئیں۔ بیبی عائشہ رض کا یہ فیصلہ ایسا دانشمندانہ اور حکیمانہ فیصلہ تھا جس کے آگے بڑے بڑے صحابیوں نے گردنِ تسلیم خم کردی۔

حدیث وفقہ کے علاوہ ایامِ جاہلیت کے حالات و واقعات اور شعرائے متقدمین کے اشعار اور فن طب کے رموز اِن سے زیادہ دوسرا نہیں جانتا تھا چنانچہ عروہ جو خود بھی بڑے پائے کے عالم تھے کہتے ہیں کہ میں نے

[1] جس چیز کا تم سے تمہارے پروردگار نے وعدہ کیا تھا کیا تم نے اُس کو ٹھیک و درست پایا ۱۲ [2] بے شک تم مُردوں کو (اپنی باتیں) نہیں سُنا سکتے ۱۲ [3] اور (اے پیغمبر) جو لوگ قبروں میں (مدفون) ہیں تم اُن کو (اپنی باتیں) سنا نہیں سکتے ۱۲

فقہ اور طب اور شعر میں بیبی عائشہ رضؓ سے زیادہ ماہر کسی کو نہیں دیکھا الغرض ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی معلومات کا دائرہ اس قدر وسیع تھا کہ اُس زمانے کی عورتوں کا تو مذکور ہی کیا ہے مرد بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ اور محدثین کا یہ قول بالکل ٹھیک اور درست ہے کہ اگر پیغمبر صاحب کے انتقال کے بعد بیبی عائشہ جیسی ذہین اور علامہ عورت کچھ دنوں زندہ نہ رہتیں تو علم حدیث کا آدھا حصہ یقیناً ضائع ہو جاتا۔ انکی عالمانہ وقعت اور انکا دانشمندانہ رعب لوگوں کے دلوں میں اس درجہ بیٹھا ہوا تھا کہ بڑے بڑے جلیل القدر آدمی انکے سامنے آتے ہوئے ہچکچاتے تھے۔ حضرت عمر رضؓ جیسے مقتدر اور باشان و شوکت خلیفہ تھے مگر ان کا حال یہ تھا کہ جب بیبی عائشہ رضؓ کے پاس تشریف لاتے دبے جھکے آہستہ آہستہ تشریف لاتے اور بات کرنی ہوتی تو گردن نیچی کر کے نہایت دبی زبان سے کرتے۔ صحابہ اور امہات المومنین کا بھی اعزاز کرتے تھے مگر ان کا اعزاز صرف ان کے علم و فضل کی وجہ سے بہت زیادہ کرتے تھے۔

امّ المؤمنین بیبی عائشہ رضؓ کی فیاضی اور مروت صرف ایک اُس قابلِ تقلید مثال سے خوب ظاہر ہوتی ہے جو انھوں نے اپنی سوکن بیبی حفصہ رضؓ کے والد امیر المؤمنین عمر رضؓ کے ساتھ برتی۔

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب ابو لولو مجوسی کے زہر میں بجھے ہوئے خنجر سے جاں بلب ہوئے تو انہوں نے اپنے صاحبزادے عبداللہ سے کہا کہ جب میرے جنازے کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہو لو تو امّ المؤمنین بیبی عائشہ رضؓ سے جا کر میرا سلام عرض کرنا اور کہنا کہ اگر آپ بطوعِ خاطر اجازت دیں تو عمر تمہارے محترم شوہر جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے قدموں اور تمہارے والد بزرگوار ابو بکر صدیق کے پہلو میں دفن کیا جائے۔ عبداللہ! تم امّ المؤمنین سے نہایت لجاجت اور سماجت کے ساتھ میری یہ عرض پیش کرنا اگر وہ بخوشی اجازت دیں فہو المراد ورنہ مجھے عام مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا اور میری خواہش کی خاطر ام المومنین کے دل کو ہرگز میلا نہ کرنا ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ پیغمبر صاحب بیبی عائشہ رضؓ کے رہنے کے حجرے میں مدفون ہوئے اور یہ اتفاق کی بات ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ جس طرح زندگی میں ہمیشہ آپ کے ہمدم ہم قدم اور مصاحب رہے انتقال کے بعد بھی آپ کی رفاقت و موانست سے الگ نہیں ہوئے یعنی اُسی ایک حجرے میں دفن کئے گئے۔ ان دونوں بزرگوں کے دفن ہوئے پیچھے حجرے میں صرف ایک قبر کی جگہ خالی تھی اور بیبی عائشہ رضؓ نے اُس کو اپنے لئے متعین کر لیا تھا۔ کسی مسلمان کو اور بالخصوص بیبی عائشہ رضؓ کو اس سے بڑھ کر اور کیا خوشی ہو سکتی تھی کہ وہ اپنے محترم شوہر اور اپنے بزرگ باپ کے پہلو میں مرے پیچھے جگہ پائیں لیکن جب عبداللہ نے امیر المؤمنین کا پیام ان کو دیا تو انھوں نے نہایت مسرت کے لہجے میں فرمایا کہ عبداللہ! تمہیں معلوم ہے کہ جب سے جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم یہاں مدفون ہوئے خالی جگہ کو میں نے اپنے لئے متعین کر رکھا تھا مگر چونکہ تمہارے والد نے اسلام اور پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کی بیحد خدمت کی ہے میں اپنے تئیں ہرگز اس قابل نہیں سمجھتی کہ اُن کی خواہش پر اپنی خواہش کو ترجیح دوں بے شک تم امیر المؤمنین کا جنازہ یہاں لے آؤ اور میں خوش ہوں کہ اُنکو میرے

حجرے میں پیغمبر صاحب اور اُن کے رفیق کے پہلو میں دفن کرو۔
بیبی عائشہ رضؓ کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی مگر انھوں نے اپنی بڑی ہمشیرہ اسماء کے بڑے صاحبزادے عبداللہ کے نام پر اپنی کنیت ام عبداللہ رکھ لی تھی۔ سنہ ۵۷ یا سنہ ۵۸ ہجری میں رمضان کی سترہویں تاریخ شب چہارشنبہ کو انتقال فرمایا اور اسی رات کو مدینے کے مشہور قبرستان جنۃ البقیع میں مدفون ہوئیں پیغمبر صاحب کے جلیل القدر صحابی ابوہریرہ رضؓ نے جنازے کی نماز پڑھائی۔ اور زبیر بن عوام کے دونوں بیٹوں عبداللہ اور عروہ اور حضرۃ ابوبکر رضؓ کے پوتوں قاسم بن محمد اور عبداللہ بن محمد اور عبداللہ بن عبدالرحمٰن ان پانچ شخصوں نے قبر میں اُتارا ان کے فضائل وخصائص کتبِ احادیث میں اتنے بہت ہیں کہ اگر ہم سب کو بالتفصیل ذکر کریں تو صرف ان ہی کے لئے ایک مستقل کتاب چاہیئے لہذا ہم اُن کو یہاں ذکر کرکے اپنی کتاب کو بڑھانا نہیں چاہتے خدا توفیق دے اور وقت مساعد ہو تو پیغمبر صاحب کی سوانح عمری کے ذیل میں اُمہات المؤمنین کے باقی واقعاتِ زندگی ان شاءاللہ مذکور ہوں گے۔
موضوع کتاب کے تعلق سے عائشہ رضؓ کے نکاح کے بارے میں اتنا ہی لکھنا بس کرتا تھا کہ نکاح کے وقت پیغمبر صاحب کے ساتھ ان کا نکاح حقیقی نکاح نہ تھا۔ اُس وقت عائشہ رضؓ چھ یا سات برس کی لڑکی تھیں۔ نکاح کی ان کی عمر ہی نہ تھی پس واقع میں وہ نکاح ایک طرح کی منگنی تھی اور اُس سے مقصود صرف یہ تھا کہ دونوں ایک دوسرے سے نامزد ہو رہیں۔ حقیقی نکاح جو عبارۃ زفاف سے ہو بعد کو ہو رہے گا اور ایسا ہی ہوا بھی۔ اُدھر عائشہ رضؓ کا یہ سن وسال ادھر پیغمبر صاحب کا یہ حال کہ ؎

| | | |
|---|---|---|
| بہارِ عمر باشد تا چہل سال | چو چل آمد فرو ریزد پر و بال | |

شاعر چالیس برس کے بعد کی زندگی کو خزانِ عمر کہتا ہو یہاں چالیس سے بھی دس اوپر۔ یعنی عمر بر سرِ انحطاط گھر میں اولاد ذکور ندارد۔ بے ماں کی چار بیٹیاں محتاجِ پرداخت جن کی خاطر پیغمبر صاحب کو سودہ رضؓ سے نکاح کرنے کی ضرورۃ واقع ہوئی تھی۔ غرض ہم تو اس خانہ داری کو کچھ خوش کن خانہ داری نہیں سمجھتے۔ تبلیغِ رسالۃ کا انعام عاجل یہ کہ در و دیوار زمین و آسمان درپئے آزار۔ کوئی لمحہ خوف وخطر سے خالی نہیں۔ اس پر طرہ ضعفاء مسلمین کی ہمدردی کہ یہ بیچارے مشرکین کے پنجۂ غضب میں گرفتار۔ طرح طرح کی مصیبتیں پڑے جھیل رہے تھے قہرِ درویش برجانِ درویش۔ نہ پائے رفتن نہ روئے ماندن۔ کتنے کے لوگ ع جن سے اُمیدِ رفاقہ تھی وہی دشمنِ جاں ؎

وَظُلْمُ ذَوِي الْقُرْبَىٰ أَشَدُّ مَضَاضَةً ۔ لِّي الْمَرْءِ مِنْ وَقْعِ الْحُسَامِ الْمُهَنَّدِ

یہ بھی خلافِ فطرۃ ہو کہ ایسی پریشانی اور بے اطمینانی کی حالۃ میں پیغمبر صاحب کو نکاح کا خیال آتا ہو یا آیا ہو بھلا پھر کیا چیز عائشہ رضؓ کے نکاح کی داعی ہوئی؟ داعی ہوئی وہی اسلام کی دُھن جس نے پیغمبر صاحب کی تمام خواہشوں کو مغلوب کر رکھا تھا۔ لوگ جو چاہیں باتیں بنائیں ہمارے نزدیک عائشہ رضؓ کے نکاح قبل الوقت کے باعث ہوئے خود ان کے والد ابوبکر رضؓ۔ یوں تو سبھی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنی اپنی جگہ اسلام کے

فدائی اور پیغمبر صاحب کے جاں نثار رفیق و خادم تھے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ
مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ
بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ
فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا سِیْمَاهُمْ
فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ
ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ
فِی الْاِنْجِیْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ
فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى
سُوْقِهٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِهِمُ
الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ
مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً
وَّاَجْرًا
عَظِیْمًا ۝ (الفتح ۴۸)

محمد خدا کے بھیجے ہوئے (پیغمبر) ہیں اور جو لوگ اُنکے ساتھ ہیں کافروں کے حق میں (تو اُن کی ایذاؤں سے بچنے کیلئے) بڑے سخت (ہیں مگر) آپس میں رحم دل اے مخاطب تو اُن کو دیکھے گا کہ (کبھی) رکوع کر رہے ہیں اور (کبھی) سجدہ کر رہے ہیں (اور) خدا کے فضل اور خوشنودی کی طلب گاری میں لگے ہیں اُنکی شناخت یہی کہ سجدے کے گھٹے اُنکی پیشانیوں پر ہیں یہی اوصاف اُنکے توراۃ میں (بھی مذکور) ہیں اور یہی) اوصاف اُن کے انجیل میں بھی ہیں (اور روز بروز اس طرح ترقی کرتے جائیں گے) جیسے کھیتی کہ اُس نے (پہلے زمین سے) اپنی سوئی نکالی پھر اُس نے (غذائے نباتی کو ہوا اور مٹی سے جذب کرکے اپنی) اُس (سوئی) کو قوی کیا چنانچہ وہ (رفتہ رفتہ) موٹی ہوئی (یہاں تک کہ) آخر کار (کھیتی) اپنی نال پر سیدھی کھڑی ہوگئی (اور اپنی سرسبزی سے) لگی کسانوں کو خوش کرنے (اور خدا نے اُن کو روز افزوں ترقی اس لئے (دی ہے) کہ ان (کی ترقی) سے (ترسا ترسا کر) کافروں کو جلائے اِن میں سے جو (سچے دل سے) ایمان لائے اور اُنھوں نے نیک عمل (بھی) کئے اُن سے خدا نے مغفرۃ اور اجرِ عظیم کا وعدہ فرمالیا ہے۔

اِن ہی کی مدد سے اسلام کی اشاعت ہوئی۔ اِن ہی کی مدد سے اسلام نے غلبہ پایا اِن ہی کی مدد سے اسلامی سلطنت قائم ہوئی ؎ ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است۔ ابوبکرؓ کو پیغمبر صاحب کے ساتھ جو خصوصیت تھی وہ اِن ہی کے ساتھ خاص تھی اور وہ خصوصیت یہ تھی کہ ابوبکرؓ ایسی سلجھی ہوئی طبیعت خدا کے یہاں سے لے کر آئے تھے کہ وہ بالطبع شرک و بت پرستی سے نفور تھے اور اُن کا دل اندر سے بولتا تھا کہ تباہی حد کو پہنچ چکی عنقریب خدا دینِ حق بھیجکر اپنے بندوں کو اس بلا سے نجاۃ دینے والا ہے۔ چنانچہ جب پیغمبر صاحب نے اِن سے اسلام لانے کو کہا طبیعت تو آمادہ تھی ہی جھٹ سے بے چون و چرا بیعت کے لئے ہاتھ پھیلا دیئے اور بیش از ہمہ ایمان لے آئے اور ایمان بھی لائے تو ایسا کہ تمام عمر پیغمبر صاحب کی کسی بات میں تردد کیا ہی نہیں۔ وہ بات کہتے تھے پیچھے اور یہ تصدیق کرتے پہلے۔ اسی سے صدیق کہلائے۔ ایسا ایمان کسی کو نصیب تو ہوئے۔ اِن کا ایمان عشق اور فنا فی الرسول کا مرادف تھا انھوں نے اسلام کے پیچھے اپنے تئیں مٹا دیا تھا۔ پیغمبر صاحب کی حمایۃ میں لوگوں نے مارتے مارتے اِن کو آدھ مُوا کر دیا کہ بات تک نہیں کر سکتے تھے۔ ذرا طبیعت سنبھلی تو سب سے پہلے پیغمبر صاحب کی خیریۃ دریافت کی۔ اِنھوں نے

کتنے مسلمان لونڈی غلام مونھ مانگے دام دے کر مشرک مالکوں سے جو اسلام کی وجہ سے اُن مصیبت ماروں کو طرح طرح کے عذاب دیتے تھے خرید سے اور راہ خدا میں آزاد کر دیئے وہ پیغمبر صاحب کے ساتھ وصال اور تقرب کے ہر پہلو پر نظر رکھتے تھے ہمارا خیال یہ ہی کہ وہی نکاح عائشہ رضہ کے باعث ہوئے۔ ادھر پیغمبر صاحب کی طبیعت اس طرح کی غیور واقع ہوئی تھی کہ وہ مفت میں کسی کا احسان اپنے اوپر لینا نہیں چاہتے تھے حقیقی چچا ابو طالب نے اُن پر پرورش کا احسان کیا تھا اُس کے معاوضے میں انھوں نے علی رضہ کو پرورش کیا اور فاطمہ رضہ کو اُن سے بیاہ دیا سوا الگ۔ دوسرے چچا عباس رضہ اسلام لائے تو اُن کو غسل دے کر کپڑے بدلوانے تھے۔ آدمی تھے جسیم جسیم اُس وقت کوئی کُرتا ٹھیک بیٹھا نہ پونہچا عبداللہ بن ابی منافق کے کرتے سے ضرورۃ رفع کی گئی۔ یہ عبداللہ بظاہر مسلمان تھا مگر درپردہ یہودیوں کا دوست اور پیغمبر صاحب کا جانی دشمن اور اس کا بیٹا حباب سچا اور پکا مسلمان۔ آخر عبداللہ نفاق ہی کی حالت میں مرا تو حباب نے بامید تخفیفِ عذابِ قبر باپ کے کفن کے لئے پیغمبر صاحب کا کُرتا منگوا بھیجا اور ساتھ ہی درخواست کی کہ جناب ہی میت کے جنازے کی نماز پڑھائیں اور اس کی مغفرۃ کی دعا بھی کریں۔ پیغمبر صاحب نے عباس رضہ کے کُرتے کا معاوضہ بے عذر اپنا کُرتا بھی بھیج دیا جنازے کی نماز بھی پڑھائی اور دعا بھی کی اور اس طرح کی اور بہت مثالیں سیر کی کتابوں میں موجود ہیں۔ ان باتوں پر قیاس کر کے ہم نے یہ نتیجہ نکالا ہو کہ عائشہ رضہ کا نکاح پیغمبر صاحب کی طرف سے ابوبکر رضہ کی خدمات کا معاوضہ تھا اور معاوضہ بھی بھرپور ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَاۤءَ الْاَوْفٰى پس موضوعِ کتاب کے متعلق تو نکاح عائشہ رضہ کی یہی چند باتیں تھیں لیکن ان باتوں کے ضمن میں ہم نے اور حالات بھی لکھ دیئے ہیں جو حشو اور فضول معلوم ہوں گے مگر یہ فضول بھی مسلمانوں کے فائدے کے لئے زیادہ کئے گئے۔ اب یہ عائشہ رضہ کے نکاح کا حال ہی کہ اس میں پیغمبر صاحب کی خانہ داری سے ہر ایک کو جو سیکھے اور سمجھے بڑا مفید سبق ملتا ہی غور سے دیکھا جائے تو زن وشو کا تعلق عموماً بڑا نازک تعلق ہی اور نازک ہونے کی وجہ یہ کہ ایک دوسرے سے اجنبی نامانوس قوی (مرد) اور ضعیف (عورۃ) کی جوڑی ملا کر دونوں کو ایک ساتھ خانہ داری کی گاڑی میں جوت دیا جاتا ہی کہ اس کو آرام اور آسانی کے ساتھ قبر کی منزل تک پونہچانا ہوگا۔ ایک دوسرے کی طرف قدرتی میلان کے سوائے جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا وَجَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً[1] دونوں کی صورتیں مختلف مزاج مختلف، مذاق مختلف، اتنے اختلافات کے ہوتے دونوں میں کبھی نہ کبھی کسی بات پر کشمکش کا ہونا کچھ تعجب نہیں اور ہوتا ہی رہتا ہی۔ اور کشمکش ہوئی تو آرام اور آسانی کہاں۔ شارعِ اسلام نے خانہ داریوں میں امن و عافیۃ کے قائم رکھنے کے لئے وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ[2] کا قاعدہ باندھ دیا ہے کہ اس پر کاربند ہوں تو کسی بات میں ردّ و کد کی نوبت ہی نہ آئے۔ مگر کاربند ہونا ہی تو مشکل ہی ؎

| | | | |
|---|---|---|---|
| دو عاقل را نباشد کین و پیکار | نہ دانائے ستیزد با سبکسار | | |
| اگر ناداں بوحشت سخت گوید | خرد مندش بہ نرمی دل بجوید | | |
| دو صاحبدل نگہدارند مُوئے | ہمیدوں سرکش و آزرم جوئے | | |

[1] اس کا ترجمہ اوپر گزر چکا ۱۲ [2] اس کا ترجمہ بھی اوپر گزر چکا ۱۲

دگر در ہر دو جانب جاہلانند ۔۔۔ اگر زنجیر باشد بگسلانند
یکے را زشت خوئے داد دشنام ۔۔۔ تحمل کرد وگفت اے نیک فرجام
بتر زانم کہ خواہی گفت آنی ۔۔۔ کہ دانم عیب من چون من ندانی

نظر بریں حالات خانہ داری ہی بجائے خود جنجال مشکلاتِ لوازمِ بشری کے علاوہ پیغمبر صاحب کی خانہ داریوں میں دو مشکلیں مزید تھیں ایک تکثیرِ ازواج کی اور دوسری پیغمبری کی کہ بیبیاں ایک حیثیت سے بیبی تھیں اور دوسری حیثیت سے افرادِ اُمت۔ کہ پیغمبر صاحب کا درجہ عام شوہروں کے درجے سے بہت بڑھا ہوا تھا ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔ بااین ہمہ وہ ہر وقت ہر ایک بیبی کی علیٰ قدرِ مراتب رضاجوئی کرتے رہتے۔ خدیجہ رضہ سے مہمات الامور میں صلاح لیتے اور عائشہ رضہ سے اُن کی عمر کے مطابق کھیل کی دل خوش کُن باتیں کرتے۔ [1]کَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ یہ تھا وہ گُر جس کی وجہ سے پیغمبر صاحب کی زندگی اتنی بیبیوں میں امن وعافیت اور اطمینان سے گُزری۔ کیا یہ سُنتِ نبوی نہیں ہے اور سُنت بھی ایسی کہ اگر اس کی پیروی کی جائے تو خانہ داریوں میں بہشت کا سا امن آجائے۔ [2]لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِیْمًا اِلَّا قِیْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ہم نے مولویوں کو غسل اور وضو اور نماز اور روزے کی بہت سی سنتیں بیان فرماتے سُنا ہے اور ہم کو حدیث اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ بھی مولویوں سے بار بار سُنی ہوئی بخوبی یاد ہے مگر یہ تو ہم نے نہیں سُنا اور کسی نے بھی نہیں سُنا ہوگا کہ بیبیوں کو خوش رکھنا ان کی دلجوئی کرتے رہنا بھی سُنت ہے۔ خدیجہ رضہ زندہ رہتیں تو پیغمبر صاحب پر ان کی خدمات کا دباؤ ایسا تھا کہ تکثیرِ ازواج کی نوبت ہی نہ آنے پاتی اور بالفرضِ محال آتی بھی تو اُن کے آگے ایک عائشہ نہیں دس عائشہ کی بھی دال نہ گلتی۔ خدیجہ رضہ کی عدم موجودگی میں عائشہ رضہ سب بیبیوں پر شرفِ تقرب لے گئیں ع فکر ہر کس بقدرِ ہمت اوست کوئی کہتا ہے اس وجہ سے کہ یہ اکیلی کواری پیغمبر صاحب کے نکاح میں آئی تھیں۔ کوئی کہتا ہے اس وجہ سے کہ نوعمر تھیں۔ کوئی کہتا ہے اس وجہ سے کہ حسین تھیں۔ دوسری وجوہ بھی اس کی مؤید رہی ہوں مگر بڑی وجہ یہ تھی کہ اسلامی خدمات کے اعتبار سے عورتوں میں خدیجہ رضہ اور مردوں میں ابوبکر رضہ برابر کی ٹکر کے تھے۔ ہاں خدیجہ رضہ کی خدمات اور طرح کی تھیں ابوبکر رضہ کی اور طرح کی مگر دونوں کی خدمات تھیں برابر ضروری۔ برابر بکار آمد برابر قابلِ قدر۔ خدیجہ رضہ اپنے بعد زینب رقیہ اُمّ کلثوم فاطمہ رضی اللہ عنہن چار بیٹیاں یادگار چھوڑ مریں۔ پھر زینب رقیہ اُمّ کلثوم کا یکے بعد دیگرے انتقال ہو کر اکیلی فاطمۃ الزہرا رضہ اپنی والدہ محترمہ کی یادگار رہ گئیں۔ پس بتقاضائے بشریت جس قدر محبت پیغمبر صاحب کو فاطمہ رضہ کے ساتھ تھی محتاجِ بیان نہیں اور پیغمبر صاحب فرماتے بھی تھے۔ [3]فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِّنِّیْ مَنْ اٰذَاهَا فَقَدْ اٰذَانِیْ فاطمہ رضہ ملنے آتیں تو پیغمبر صاحب اظہارِ شفقت کے لئے کھڑے ہو جاتے۔ ردائے مبارک اُن کے لئے بچھا دیتے کوئی راز کی بات کہنی ہوتی تو اِن کے کان

[1] لوگوں سے اُن کی عقل کے اندازے کے مطابق بات کیا کرو ۱۲ [2] وہاں نہ تو کوئی لغو بات سنیں گے اور نہ خلافِ تہذیب بس ہر طرف کے سلام (ہی) سلام کی آوازیں (چلی آرہی ہوں گی) [3] فاطمہ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے جس نے اُس کو ستایا اُس نے مجھ کو ستایا ۱۲

ہیں کہتے۔ جو طریقے بچوں کو پیار کرنے کے ہوتے ہیں سبھی تو حسنین رضی اللہ عنہما کے ساتھ عمل میں لاتے۔ وفدِ نجران کے ساتھ مباہلے کی ٹھہری تو پیغمبر صاحب نے فاطمہ اور علی اور حسنین کو اپنے پاس بٹھا کر اوپر سے چادر اوڑھ لی اور کہا۔ اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاۤءِ اَهْلُ بَیْتِیْ [1] غرض قرابۃ کے اعتبار سے جو خصوصیت فاطمہ اور علی اور حسنین کو پیغمبر صاحب کے ساتھ تھی کسی اور کو نہ تھی۔ اُن کا خاندان عبارۃ ان ہی لوگوں سے تھا لیکن نسبی قرابۃ کے علاوہ پیغمبر صاحب نے ایک اسلامی قرابۃ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ [2] اور جاری کی تھی جس نے اپنوں کو غیر اور غیروں سے بدتر اور غیروں کو اپنا اور اپنوں سے بہتر بنا دیا تھا۔ پیغمبر صاحب کو اپنی پیغمبری کی ایسی پڑی تھی کہ جو اشاعۃ اسلام میں مدد کرتا وہ ان کو عزیز اور عزیزوں سے بڑھ کر تھا گو وہ غیر ہی کیوں نہ ہو اور جو اسلام کی گاڑی میں روڑے اٹکاتا وہ اُس کے دشمن تھے گو وہ کیسا ہی پاس کا رشتہ دار ہو۔ یہی جڑ سُنی شیعوں کے اختلاف کی۔ اِس کا بیج تو پیغمبر صاحب کی زندگی میں بویا جا چکا تھا مگر پیغمبر صاحب کی حُسنِ تدبیر سے اُن کے حینِ حیات دبا دبایا پڑا رہا اُبھرنے نہیں پایا۔ پیغمبر صاحب کے انتقال کو ربع صدی گزرنے نہیں پائی تھی کہ اُس اختلاف نے ایسا بُرا پیرایہ اختیار کیا کہ وہ ناصیۂ اسلام پر ایک دھبا ہے بدنما جو قیامۃ تک مٹنے والا نہیں۔ اسلام کا حال یہ ہے کہ ملک عرب کے لوگ اکثر تو بُت پرست تھے۔ قدرے قلیل عیسائی یہودی صابی (ستارہ پرست) مجوس (آتش پرست) بُت پرست بُتوں کو پوجتے تھے۔ عیسائی یہودی باوجود کہ اہل کتاب تھے۔ یہودیوں پر توراۃ اور عیسائیوں پر انجیل خدا کی طرف سے آئی ہوئی اُن کے پاس موجود تھی اور وہ خدا کو مانتے تھے مگر عجب طرح کا ماننا مانتے تھے کہ وہ مرادفِ انکار اور شرک کی شان لئے ہوئے تھا کہ یہودی عزیرؑ کو خدا کا بیٹا مانتے اور رہبوں اور احبار کی بات کو فرمودۂ خدا سمجھتے اور بہت سی بیہودہ باتوں کے معتقد تھے جس کو یہودیوں کی مذہبی خرابیاں معلوم کرنی ہوں قرآن سے تفصیل کے ساتھ معلوم کر سکتا ہے مذہبی اعتبار سے عیسائی یہودیوں سے بھی گئے گزرے ہوئے تھے۔ یہودی عزیرؑ کو خدا کا بیٹا مانتے تھے تو عیسائی مسیحؑ کو۔

| | |
|---|---|
| وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ۨابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ○ (توبہ ع۶) | اور یہود کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاری کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں یہ اُن کے موُنھ کی کہنی ہی کہنی ہے اُن ہی کافروں کی سی باتیں بنانے جو ان سے پہلے (ہو گزرے) ہیں خدا ان کو غارت کرے (دیکھو تو) کدھر کو (شیطان کے بھٹکائے ہوئے بھٹکے چلے) جا رہے ہیں۔ |

اور بعض عیسائی مسیحؑ اور اُن کی والدہ مریم صدیقہ کو شریکِ خدائی سمجھ کر تین خدا مانتے تھے اور توحید فی التثلیث اور تثلیث فی التوحید کے قائل تھے۔

| | |
|---|---|
| لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِيْحُ | جو لوگ کہتے ہیں کہ خدا تو یہی مریم کے بیٹے مسیح ہیں وہ لوگ (ایس کہنے سے) بے شک کافر ہو گئے اور مسیح (تو یوں) سمجھایا |

[1] خداوندا یہ میرے گھر والے ہیں ۱۲ [2] مسلمان تو بس (آپس میں بھائی) بھائی ہیں ۱۲

يٰبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ٥

(مائدہ ع)

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ٥

(مائدہ ع)

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ٥ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ٥

کہتے تھے کہ اے بنی اسرائیل اللہ (ہی) کی عبادت کرو کہ وہ میرا (بھی) پروردگار ہے اور تمہارا (بھی) پروردگار ہے اور اس میں شک نہیں کہ جو اللہ کے ساتھ (کسی کو بھی) شریک گردانے تو اللہ کی طرف سے بہشت اُس پر حرام ہو چکی اور اُسکا ٹھکانا دوزخ ہے اور (ایسے) ظالموں کا کوئی بھی مددگار نہیں۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ خدا تو یہی تین میں کا (ایک) تیسرا ہے (یقیناً وہ بھی اِس کہنے سے) بے شک کافر ہو گئے حالانکہ خدا کے سوائے اور کوئی معبود (یعنی خدا) نہیں۔

اور (قیامت کے دن یہ حادثہ بھی پیش آئے گا کہ) اُس دن اللہ (عیسیٰ سے) پوچھے گا کہ اے مریم کے بیٹے عیسیٰ کیا تم نے لوگوں سے یہ بات کہی تھی کہ خدا کے علاوہ مجکو اور میری والدہ کو (بھی) دو خدا مانو (عیسیٰ) عرض کریں گے کہ (اے پروردگار) تیری ذات پاک ہے مجھ سے یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ میں (تیری شان میں) ایسی بات کہوں جس کے کہنے کا مجکو کوئی حق نہیں اگر میں نے ایسا کہا ہوگا تو میرا کہنا تجکو ضرور ہی معلوم ہوا ہوگا (کیونکہ) تو میرے دل (تک) کی بات جانتا ہے اور میں تیرے دل کی بات نہیں جانتا غیب کی باتیں تو تو ہی خوب جانتا ہے۔ تو نے جو مجکو حکم دیا تھا بس وہی میں نے اِن لوگوں کو کہہ سنایا تھا کہ اللہ جو میرا اور تمہارا (سب کا) پروردگار ہے اُسی کی عبادت کرو اور جب تک میں اِن لوگوں میں (موجود) رہا میں انکا نگران (حال) رہا پھر جب تو نے مجکو (دنیا سے) اٹھا لیا تو تو ہی ان کا نگہبان تھا اور تو تمام چیزوں کی خبر رکھتا ہے۔

جیسے یہودیوں میں ربّی ویسے عیسائیوں میں پوپ۔ ہم کو تو واقع میں حیرت ہوتی ہے کہ آہا کیسے دل تھے جو ایسے عقائد کو قبول کرتے تھے اور کیسے دل ہیں کہ اِس زمانے میں اِن عقائد پر جمے ہوئے ہیں۔ جب سے اسلام نے دُنیا کو عقیدۂ توحید کی تعلیم دی لوگ اپنے عقائد کی توجیہیں کرنے لگے مگر وہ توجیہیں عذرِ گناہ بدتر از گناہ کے قسم کی ہیں۔ غرض جس وقت پیغمبر صاحب مبعوث ہوئے عرب میں خداشناسی کی جو کل مذاہب کی اصل الاصول ہے ایسی مٹی خوار تھی یا یوں کہو کہ حقیقی خدا کو کوئی جانتا ہی نہ تھا۔ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ[1] ایک فلسفی کا مقولہ ہے کہ دُنیا میں ہر شخص ایک نہ ایک

لہ (اے پیغمبر) کیا تم نے اُس شخص (کے حال) پر بھی نظر کی جس نے اپنی خواہشِ (نفسانی) کو اپنا خدا بنا رکھا ہے ۱۲

خبط ضرور رکھتا ہی اور مذہب بھی ایک عالمگیر خبط ہی۔ مذہب کی اِس درجے کی پچ کہ آدمی دوسرے مذہب کے نام کو اپنی چڑ بنالے اور دوسرے مذہب کی اچھی بات کو بھی خواہی نخواہی بُرا سمجھے اس کو ہم بھی خبط کہتے ہیں۔ ہمارے نزدیک مذہبوں کا حال یہ ہی کہ کوئی سا مذہب بھی ہو ضرور وقت اور مقام کے لحاظ سے آدمی کے مفاد کے لئے جاری ہوا ہی اور اس لئے کہ تمدن میں خوبی پیدا کرے۔ پس ہر ایک مذہب میں چاہے وہ کتنا ہی بُرا ہو کوئی نہ کوئی خوبی ضرور ہوتی ہی۔ مگر جب اُن مذاہب پر نظر کرتے ہیں جو اسلام سے پہلے عرب میں مروّج تھے تو کوئی خوبی نہیں دکھائی دیتی۔ ایک توحید کے فتور نے لوگوں کو وحشیوں سے بدتر بنا دیا تھا آدمی آدمی کو کھائے جاتا تھا۔ وہ لوگ آپ امن چین سے بیٹھتے تھے نہ دوسروں کو امن چین سے بیٹھنے دیتے تھے۔ ایسے وقت اور ایسے لوگوں میں پیغمبر صاحب کا اسلام کی منادی کرنا بلا مبالغہ بھڑوں کے چھتّے کا چھیڑنا تھا اور ایسا ہی ہوا یہ وقت اَلْغَرِيْقُ يَتَشَبَّثُ بِالْحَشِيْشِ کا تھا پیغمبر صاحب اس وقت اتنا ہی سہارا ڈھونڈتے تھے کہ کوئی خدا کا بندہ ایسا ملتا کہ میں اپنا دردِ دل اُس سے کہتا اور وہ صبر و سکون کے ساتھ سُن کر میری داد دیتا۔ تو خدا کا کرنا اُن کو ایک چھوڑ دو دو مردوں میں ابو بکرؓ اور عورتوں میں خدیجہ رضؓ ایسے دو ہمدرد عقیدتمند جاں نثار عین وقت پر مل گئے جو بتقاضائے فطرتِ سلیم قبول اسلام کے لئے بالکل آمادہ تھے۔ پیغمبر صاحب کا اشارہ پاتے ہی جھٹ سے ایمان لے آئے اور پیغمبر صاحب کی حمایۃ اور امداد میں وہ کیا جو کرنا ممکن تھا۔ ابو بکر رضؓ کچھ معمولی آدمی نہ تھے، وہ کپڑے کی تجارۃ کرتے تھے اور اغنیا میں شمار کئے جاتے تھے، دولۃ ہر زمانے میں ہر جگہ قدر کی چیز رہی ہی، تموّل کے اعتبار سے بھی لوگ اِن کا لحاظ کرتے تھے اور آدمی تھے بھی سنجیدہ فہمیدہ تجربہ کار بتقریب تجارۃ جہاں دیدہ۔ انساب مردم کی اِس قدر وسیع معلومات رکھتے تھے کہ کہیں ذرا سا بھی پانی مرتا تھا انکے حافظے میں محفوظ تھا اور چونکہ مرد تھے کوئی نالائق پیغمبر صاحب کے ساتھ بیہودگی سے پیش آتا تو اُس کو جواب ترکی بہ ترکی دینے کو موجود۔ خدیجہ رضؓ تھیں تو عورۃ ذات مگر شرافۃِ نسب اور پاکدامنی اور دولتمندی اور کثرۃِ خدم و حشم کی وجہ سے اِن کی بھی دھاک تھی۔ غرض ابو بکر رضؓ اور خدیجہ رضؓ کی حمایۃ سے پیغمبر صاحب کی اتنی ہمّۃ تو بندھی کہ آپ ذرا کُھل کر اسلام کی منادی کرنے لگے، بازار گلی کوچے میں لوگوں کا جمگھٹ دیکھتے یا سُنتے منادی کیلئے جا موجود ہوتے قاعدے کی بات ہی کہ امیر لوگ تو اپنی خوش حالی میں مگن رہتے ہیں، اکثر ایسے لوگوں کو دین و مذہب سے واسطہ اور سروکار نہیں ہوتا اور چونکہ ان کے سر میں اپنی برتری کا خبط سمایا ہوا ہوتا ہی نصیحۃ کا سُننا اِن کو ناگوار گزرتا ہی پس اسلام نے اسی قاعدے کے مطابق پہلے غربا، اور ضعفاء کے دلوں میں جگہ کرنی شروع کی اور پیغمبر صاحب کے متعلقین کا تو کچھ پوچھنا ہی نہیں اَهْلُ الْبَيْتِ اَبْصَرُ بِمَا فِي الْبَيْتِ[1] وہ پیغمبر صاحب کی زندگی کو دیکھتے تھے بے لوث، اِن کے دلوں میں ایک لمحہ کے لئے بھی پیغمبر صاحب کی صداقۃ کی طرف سے کسی طرح کا واہمہ خطور نہیں کر سکتا تھا یعنی جس وقت پیغمبر صاحب پیغمبر تھے اُسی وقت سے وہ سب کے سب پکّے مسلمان تھے۔ غرض اسلام باوجود سخت سے سخت مزاحمتوں کے صرف اپنی سچائی کے بل بوتے پر کیڑی کی چال آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا اور جہاں اسلام کے دینِ حق ہونیکی اور بہت دلائل ہیں اُن میں سے اس کی آہستہ خرامی بھی ایک دلیل ہی۔ وہ دینِ فطرۃ ہی اور فطرۃ ہی کے مطابق اُس کا

[1] جو چیز گھر میں ہوتی ہی اُس سے گھر والے ہی زیادہ واقف ہوتے ہیں ۱۲

نشو ونما بھی ہوا۔ اب اسلام نے ترقی کی طرف ایک قدم اور بڑھایا۔ قدم نہیں بلکہ چھلانگ۔ کہ اتفاق سے حمزہ رضؓ اور عمر رضؓ آگے پیچھے از خود اسلام لے آئے۔ حمزہ پیغمبر صاحب کے چچا تھے۔ اِن کو شکار کا بہت شوق تھا۔ تیر خوب لگاتے تھے اور زور آور بھی تھے اِس سے لوگ اِن کا بڑا ڈر مانتے۔ ایک دِن شکار کے چلے آتے تھے اور اُس دن کافروں نے صرف اتنی بات پر کہ کعبے کے پاس کھڑے ہوئے اپنے طور کی نماز پڑھ رہے تھے پیغمبر صاحب کی بڑی بے حرمتی کی تھی حمزہ ایک مکان کے تلے سے ہو کر نکل رہے تھے کہ اوپر سے ایک عورت نے طنز کی راہ کہا کہ ذرا اپنے بھتیجے کی تو خبر لو کہ لوگوں نے اُن کی کیا گت بنائی ہے۔ یہ سُنتے کے ساتھ حمزہ کو طیش آیا اور سیدھے پیغمبر صاحب کے پاس جا اسلام لے آئے۔ عمر رضؓ کے اسلام لانے کا قصہ بھی عجیب ہے کہ عمر رضؓ بڑے غُصیلے سخت مزاج سخت گیر آدمی تھے کہ لوگ اِن کے نام سے تھرّاتے تھے پیغمبر صاحب کو عمر اور ابو جہل بن ہشام کی مخالفت کا بڑا اندیشہ لگا رہتا تھا اور آپ دُعا کیا کرتے تھے کہ الٰہی اپنے دین کی مدد کر کہ اِن دونوں میں سے ایک اسلام لے آئے۔ چنانچہ وہ دعا عمر کے حق میں قبول ہوئی۔ اسلام لانے سے پہلے ہی عمر پیغمبر صاحب کے مار ڈالنے کی تاک میں تھے۔ ایک دن اسی ارادۂ بد سے پیغمبر صاحب کے گھر کی طرف جا رہے تھے کہ رستے میں ایک شخص نے کہا کہ اپنے بہن فاطمہ اور بہنوئی سعید بن زید کی خبر لو کہ دونوں نے دینِ آبائی چھوڑ کر محمد کا دین قبول کر لیا ہے۔ یہ سُن کر عمر بہن کے گھر کو سیدھے ہوئے کواڑ بند پائے کھلوا کر اندر گئے پوچھا کہ کیا تم لوگ دینِ آبائی کو چھوڑ بیٹھے ہو؟ عمر کو اتنا ضبط کہاں۔ ہاں نا کے جواب سے پہلے بہنوئی کو پچھاڑ اُس کی چھاتی پر چڑھ بیٹھے بہن بیچاری کے ایک زور کا تھپڑ بھی دیا۔ قاعدہ ہے کہ زود خشم آدمی زود پشیمان بھی ہوتا ہے۔ بہن بہنوئی کو مارتے تو مار بیٹھے اب افسوس کے لہجے میں لگے لگاوٹ کی باتیں کرنے۔ بہن کھسیانی تو ہو ہی رہی تھی۔ بولی کہ ہاں ہاں ہم نے تو پیغمبر صاحب کا خدائی دین قبول کر لیا ہے۔ اب تم جو چاہو سو کرو۔ عمر نے پوچھا اچھا فرش پر یہ ورق کیسے پھیلے پڑے ہیں۔ بہن نے کہا یہی تو وہ قرآن ہے جو پیغمبر صاحب پر خدا کی طرف سے نازل ہوتا ہے عمر نے ورق اُٹھا کر پڑھنا چاہا۔ بہن نے روکا کہ اِن کو بے نہائے دھوئے ہاتھ نہ لگانا۔ عمر کو اِس وقت بہن کی دلجوئی کی پڑی تھی اُسکے اصرار سے غُسل کیا اور لگے اوراق کو پڑھنے۔ اتفاق سے اِن کی پہلی نظر سورۂ حدید کی شروع کی آیتوں پر پڑی۔ سبح للّٰہ سے لیکر اٰمنوا

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ هُوَ الْاَوَّلُ ۵
وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ
يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ لَهٗ
مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَهُوَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ اٰمِنُوْا ۱۰

ترجمہ۔ جو (مخلوقات) آسمانوں (میں) اور زمین میں ہے (سب ہی تو) اللہ کی تسبیح (و تقدیس) کرتے ہیں اور وہ غالب (اور) حکمت والا ہے آسمانوں کی اور زمین کی سلطنت اُسی کی ہے (وہی) جلاتا اور مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے وہی شروع سے ہے اور وہی آخر تک رہیگا اور وہ (قدرتوں سے) ظاہر اور (ذات و صفات سے) پوشیدہ ہے اور وہ ہر چیز سے واقف ہے وہی (قادر مطلق) ہے جس نے چھ دن میں آسمانوں (کو) اور زمین کو پیدا کیا پھر عرش (بریں) پر جا براجا جو چیز زمین میں داخل ہوتی ہے (جیسے پانی اور بیج اور مُردے وغیرہ) اور جو چیز زمین سے باہر آتی (جیسے درخت وغیرہ) اور جو چیز آسمان سے اُترتی (جیسے مینہ وغیرہ) اور جو چیز آسمان کی طرف چڑھتی ہے (جیسے بخارات اور اعمال نیک وغیرہ) وہ (سب کچھ) جانتا ہے اور تم لوگ کہیں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور جو کچھ تم کیا کرتے ہو اللہ اُسکو دیکھ رہا ہے۔ آسمانوں (کی) اور زمین کی سلطنت اُسی کی ہے اور اللہ ہی پر سب کاموں کا مدار ہے (وہی موسم گرما میں) رات کو گھٹا کر دن میں داخل کرتا اور (وہی موسم سرما میں) دن کو گھٹا کر رات میں داخل کرتا ہے اور وہ (لوگوں کے) دلی خیالات (تک) سے واقف ہے۔ (لوگو!) اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ ۱۲

باللہ ورسولہ تک پونہچنے پائے تھے کہ دل ہی دوسرا ہوگیا۔ دَوڑے ہوئے پیغمبر صاحب پاس گئے جاتے ہی پیروں پر گر پڑے ؎

| | | | |
|---|---|---|---|
| | کس لئے آئے تھے کیا ہم کر چلے | | تہمتیں چند اپنے ذمے دھر چلے |

حمزہ رضؓ اور عمر رضؓ کے اسلام لانے سے پہلے اتنا تو ہوگیا تھا کہ پیغمبر صاحب با علان تبلیغ رسالۃ کرنے لگے تھے۔ مگر اتنا مقدور نہ تھا کہ مِل کر نماز پڑہنے کا تو کیا مذکور ہو کوئی اِکّا دکّا خانۂ کعبہ میں جاکر اطمینان کے ساتھ اپنے طَور کی نماز تو پڑھ لے تو لوگ اپنے اپنے گھروں میں نمازیں پڑہتے تھے یا لوگوں کی نظریں بچاکر دو چار پہاڑ کی کسی گھاٹی میں کھسک گئے اور نماز پڑھ لی اور اس وقت صبح اور شام کی دو ہی نمازیں بھی تھیں۔ حمزہ رضؓ اور عمر رضؓ کے اسلام لانے پر یہ ہوا کہ چالیس کے قریب جتنے اُس وقت مسلمان تھے سب صف بستہ ہوکر لیسر کردگی حمزہ رضؓ وعمر رضؓ دندناتے ہوئے کعبے گئے اور چھت پر چڑھ کر اذان دی قریش چپکے بیٹھے دیکھا کئے کسی نے ہوں نہ کی جس وقت پیغمبر صاحب نے اسلام کی مُنادی شروع کی اِن کے چچا ابوطالب زندہ تھے اور گو اُنھوں نے بظاہر اسلام قبول نہیں کیا مگر وہ دل سے پیغمبر صاحب کو سچّا پیغمبر اور اسلام کو خدائی دین سمجھتے تھے اور اگر وہ کافر بھی تھے جیسا کہ بعض متشدد خیال کرتے ہیں تو ہمارے نزدیک اسلام ہم لوگوں کے اسلام سے اُن کے کفر کا بہت زیادہ ممنون ہے۔ آلہٰی صدقہ اپنے پیغمبر کا ابوطالب جیسی ہمدردی ہم کو نصیب ہماری نسلوں کو نصیب۔ ہر چند ابوطالب اپنے والد عبدالمطلب کے بعد تمام قبیلۂ قریش کے مانے ہوئے رئیس تھے اور ان کی حمایۃ کے ہوتے پیغمبر صاحب کو کسی کی حمایۃ کی ضرورۃ نہ تھی مگر خرابی یہ آکر پڑی تھی کہ اپنے ہی خاندان میں پھوٹ تھی ایک چچا ابوطالب تھے جو پیغمبر صاحب کو اپنے صُلبی بیٹوں پر ترجیح دیتے تھے۔ جہاں پیغمبر صاحب کا پسینا گرے اپنا خون بہانے کو موجود اور ایک چچا ابولہب تھا جو اسلام کے نام سے چڑتا تھا اور پیغمبر صاحب کو دیکھ کر اُس کی آنکھوں میں خون اُتر آتا تھا۔ پس ابوطالب کی حمایۃ پیغمبر صاحب کی جان کی ضمانت تھی اس سے زیادہ نہیں مسلمان مکّے میں ایسے ہی تھے جیسے آٹے میں نمک اور شمار کے اعتبار سے ان کی ترقی بھی کچھ ایسی نمایاں ترقی نہ تھی مگر مخالفوں کے دلوں میں ان کی ہیبت کچھ ایسی بیٹھ گئی تھی کہ رات دن ان ہی کے پیچھے پڑے رہتے تھے کہ بڑہنے نہ پائیں اور جو پیغمبر صاحب سے جا ملے ہیں پھر لوٹ آئیں ؎

| | | | |
|---|---|---|---|
| | سرِ چشمہ شاید گرفتن بہ بیل | | چو پُر شد نشاید گذشتن بہ پیل |

وہ دیکھتے تھے کہ پیغمبر صاحب کی باتیں ہی کچھ اس قسم کی ہوتی ہیں کہ جو سُنتا ہی لٹو ہوجاتا ہے اور خود بھی دل میں قائل تھے مگر دینِ آبائی کے چھوڑنے میں ان کی ناک کٹتی تھی۔ وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا ؎۱ تو اب اُنھوں نے یہ تدبیر کی کہ پیغمبر صاحب کے خاندان بھر سے جو اُن کے خاص مددگار تھے ملنا جلنا کھان پان لین دین سب کچھ موقوف کردیا۔ اُن کا یہ فعل ہمارے ان وقتوں کے بائی کاٹ کی طرح کا تھا۔ پیغمبر صاحب کا سارا خاندان برادری سے خارج سمٹ کر شعب ابی طالب میں جا رہا اور کھانے پینے کی چیزوں تک کو ترس گئے اور

؎۱ اور باوجودیکہ اُن کے دل اُن (آیتوں) کا یقین کرچکے تھے (مگر) اُنھوں نے ہیکڑی اور شیخی کے مارے اُن کو نہ مانا ۱۲

مخالفوں کا یہی مقصد بھی تھا۔ اسلام کی وجہ سے دشمنی اور مخالفت قائم ہوگئی تھی ورنہ مخالف کوئی غیر نہ تھے ایسی ہی لوگ تھے۔ اُن کے ساتھ پہلے کی قرابتیں تھیں۔ رشتہ داریاں تھیں لیکن شروع سے برادری خارج کے برتاؤ کے مخالف تھے۔ غرض وہ انتظام زیادہ دن تک چلا چلایا نہیں پیغمبر صاحب کے ساتھ یہ سختیاں کی جا رہی تھیں اور جو اکیلے دو کیلے مسلمان مخالفوں کے نرغے میں تھے اِن کی مصیبت کا کچھ پوچھنا ہی نہیں خصوصاً ضعفائے مسلمین تو ہر وقت سُولی پر سوار تھے۔ آخر پیغمبر صاحب نے اپنے رفقاء سے کہا کہ یہاں تم میں تو امن نہیں اور مجکو دیکھتے ہو کہ میرا کیا حال ہی تو میں تم کو پناہ دے نہیں سکتا اور تم کو دفع ظالم کی قدرۃ نہیں اس سے بہتر ہو کہ نجاشی بادشاہِ حبش کی عملداری میں چلے جاؤ کہ وہ ہی تو عیسائی مگر بڑا منصف مزاج اور رعایا پرور سُننے میں آتا ہو چنانچہ اوّل بار چُپکے سے مرد و زن ملاکر پندرہ اشخاص چلے گئے۔ قریش نے سُنا رشوتیں لے کر نجاشی کے یہاں دَوڑے گئے اور اُس کو جھوٹی سچی باتیں لگاکر پیغمبر صاحب اور مسلمانوں کے مقابلے میں بہتیرا بھڑکایا مگر وہی تھا کہ اُس نے اسلامی معتقدات معلوم کرنے کے بعد قریش کو دھتکار دیا اور یہ لوگ اپنا سا موتھ لے کر بے نیلِ مرام واپس آئے تو قریش کی یہ بڑی بھاری شکست ہوئی اور ان کو معلوم ہوگیا کہ نجاشی جیسا زبردست بادشاہ پیغمبر صاحب کا ہم خیال ہو۔ چاہیے تھا کہ اس واقعے سے عبرۃ پکڑکے پیغمبر صاحب کے اور مسلمانوں کے ستانے میں کمی کرتے مگر کچھ البتہ ضدّی اور ناعاقبۃ اندیش تھے کہ بدرکابی کرتے کرتے لگے دولتیاں جھاڑنے اِس اثناء میں باوجود اِن مظلموں کے مسلمان کچھ اور بڑھ گئے تھے۔ آخر پیغمبر صاحب نے مجبور ہوکر مسلمانوں کی دوسری کھیپ نجاشی کی طرف اور چلتی کی اور پچھلی کھیپ ملاکر اب نجاشی کے یہاں عورتوں اور بچوں کے علاوہ بیاسی مسلمان جمع ہوگئے۔

کہاں تک مسلمانوں کی مجبوریوں اور قریش کے ظلموں کا رونا رویا جائے خلاصہ یہ ہو کہ پیہم تیرہ برس تک قریش مسلمانوں کا دم ناکوں میں کئے رہے کئی کو تو جان سے مار ڈالا کتنوں کو دیس نکالا دیا یعنی ایذا دہی میں کسی طرح کی کسر نہ کی۔ آخر سب نے مل کر اِس آئے دن کے قضیے کے قطعی فیصلہ کرنے کا عزم مصمم کرلیا۔

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ
اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ وَيَمْكُرُوْنَ
وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ ۝
(انفال ع)

اور (اے پیغمبر وہ وقت یاد کرو) جب کافر تم پر داؤ چلانا چاہتے تھے تاکہ تم کو گرفتار کر رکھیں یا تم کو مار ڈالیں یا تم کو جلاوطن کردیں اور (حال یہ تھا کہ) کافر اپنا داؤ کر رہے تھے اور اللہ (اپنا) داؤ کر رہا تھا اور اللہ سب داؤ کرنے والوں سے بہتر داؤ کرنے والا ہے

رائے یہ قرار پائی کہ تمام قبائل مل کر ایک دم سے پیغمبر صاحب پر ٹوٹ پڑیں اور اُن کو قتل کردیں دیۃ دینی آئے کی چندہ کرکے حصّہ رسدی بھر دیں گے۔ ابو بکر رضؓ بڑے آخر بین آدمی تھے ع مردِ آخر بین مبارک بندہ است ؛ اور اِن کو مدتوں پہلے سے خیال تھا کہ مکے میں تو نقشہ جمتا ہوا دکھائی نہیں دیتا اور یہاں زندگی بھی ہر وقت معرضِ خطر میں ہے ملکِ خدا تنگ نیست پائے گدا لنگ نیست پیغمبر صاحب کو چاہیے کہ کہیں اور جاکر تبلیغِ رسالت کی کوشش کریں اور یہ تو چار و ناچار کرنا ہی پڑے گا اور وہ پیغمبر صاحب سے اِس بارے میں عرض معروض بھی کرتے رہتے

تھے اور اسی خیال سے اُنھوں نے دو اونٹنیاں بھی پال رکھی تھیں (ایک پیغمبر صاحب کے لئے اور ایک اپنے لئے) تاکہ عین وقت پر سواری نہ ڈھونڈنی پڑے۔ مگر مکّے سے نکلنے کو پیغمبر صاحب کا جی ہی نہیں چاہتا تھا حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ[1] آخر پیغمبر صاحب کو قریش کے منصوبۂ قتل کی دن کے دن خبر معلوم ہوئی اور اُنھوں نے اپنے راز دار ابوبکرؓ سے مدینے کی ہجرۃ کا ارادہ جا ظاہر کیا۔ ابوبکر پر تو سُن کر شادی مرگ کی سی حالت طاری ہوگئی کہ انکو پیغمبر صاحب کی خیر خواہی اور اسلام کی خدمت کا ایک لاجواب موقع ہاتھ آیا۔ دشمنوں نے ٹھیراؤ کے مطابق رات کو پیغمبر صاحب کا گھر آگھیرا اور ساری رات اس انتظار میں پڑے رہے کہ صبح ہوتے ہی اپنا کام کر گزریں۔ گے یہاں پیغمبر صاحب نے یہ بندش بندی کی کہ کچھ رات گئے علی کرّم اللہ وجہہ کو اپنی چادر اُڑھا اور اپنی جگہ لٹا چپکے گھر سے نکل محاصرہ کرنیوالوں کی آنکھوں پر دھول ڈال ابوبکرؓ کو ساتھ لے راتوں رات مکّے سے تین میل کے فاصلے پر غار ثور میں جا چھپے۔ محاصرین صبح اٹھ کیا دیکھتے ہیں جنکو پیغمبر سمجھے تھے پیغمبر صاحب نہیں علیؓ ہیں۔ کرّم اللہ وجہہ۔ پوچھا کہ پیغمبر صاحب کیا ہوئے علیؓ نے کہا اور سچ کہا کہ مجھے معلوم نہیں۔ کھسیانے ہوکر چاروں طرف پھیل پڑے۔ سارا گرد نواح چھان مارا پیغمبر صاحب کا پتہ نہ ملا پر نہ ملا۔ وہ اور ابوبکرؓ مزے میں تین دن رات غار میں چھپے رہے ابوبکرؓ کے گھر سے کھانا پانی پہنچتا رہا۔ چوتھے دن کچھ رات رہے کہ ابوبکرؓ کا غلام آزاد ابو رافع وہ دو اونٹنیاں جو ابوبکرؓ نے اسی دن کیلئے پال رکھی تھیں لے آیا اور پیغمبر صاحب اور ابوبکرؓ اور ابو رافع اور ایک رستہ بتانے والا معمولی رستے سے بچتے ہوئے چوتھے دن مدینے جا داخل ہوئے۔ مدینے والوں نے بڑے تپاک سے پیغمبر صاحب کا استقبال کیا اور پیغمبر صاحب امن و اطمینان سے مدینے میں رہنے لگے۔ پیغمبر صاحب کا مدینے ہجرۃ کر آنا مشہور ہوا تو جس مسلمان سے بن پڑا مدینے چل دوڑا۔ مدینے والوں نے ان مہاجرین کی جیسی خاطر مدارات کی وہ اسلامی اخوۃ کی ایک منفرد اور بے نظیر مثال ہے۔ پیغمبر صاحب کی زندگی میں اسلام پر دو طرح کے وقت گزرے۔ ہجرۃ سے پہلے تک مغلوبیت کا کہ کلمۂ توحید مونھ سے نکالنے پر زبان کٹتی تھی اور کسی مسلمان کی یہاں تک کہ خود پیغمبر صاحب کی جان اور آبرو محفوظ نہ تھی اور لوگ مخالفوں کے ڈر سے پیغمبر صاحب کے سایے سے بھاگتے تھے اس وقت کسی غریب سے غریب اور کم زور سے کم زور کا اسلام لانا غنیمت معلوم ہوتا تھا کہ خیر ایک آدمی ہاں میں ہاں ملانے والا تو ہے۔ پھر ہجرۃ کے بعد غلبۂ اسلام کا آغاز ہوا کہ مسلمانوں نے اپنے بچاؤ کے لئے دشمنوں سے لڑنے کے لئے کمر باندھی اور خدا نے اُن کو فتوحات دینی شروع کیں۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| (اے پیغمبر) جب خدا کی مدد آپہنچی اور (مکّہ) فتح (ہو گیا) اور تم نے لوگوں کو (بچشم خود) دیکھ لیا کہ دینِ خدا (یعنی اسلام) میں جوق جوق داخل ہو رہے ہیں تو اپنے پروردگار کی حمد (و ثنا) کے ساتھ (اس کی تسبیح و تقدیس) میں مشغول ہو جاؤ اور اس سے گناہوں کی معافی مانگو بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔ | | اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَ الْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْہُ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا | |

[1] وطن کی محبت ایمان کی ایک شاخ ہے ۱۲

یہ اُن دنوں کا قانون بین الاقوام تھا کہ دو گروہ کسی بات پر لڑ پڑتے اور کُشت وخون کی نوبۃ آتی تو فریق غالب حریف کا مال ومتاع جو کچھ پاتے لُوٹ کر اپنے آپس میں بانٹ لیتے۔ مالِ غنیمۃ میں سے سرِ لشکر اپنا چوتھائی حق نکال کر باقی سپاہیوں پر تقسیم کر دیتا۔ اسلامی فتوحات میں جو غنیمۃ آتی پیغمبر صاحب نے سرِ لشکر ہونے کی حیثیۃ سے اپنا حق گھٹا کر چوتھائی کی جگہ صرف پانچواں قرار دیا تھا اور یہ پانچواں بھی پیغمبر صاحب کا برائے نام تھا ورنہ اُس میں ایک نادار وصد بیمار اور بہتیرے حصّہ دار تھے۔

| | |
|---|---|
| وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ؕ (انفال ع ۵) | اور (مسلمانو!) جان رکھو کہ جو چیز تم (لڑائی میں) لُوٹ کر لاؤ اُسکا پانچواں حصّہ خدا کا اور رسول کا اور (رسول کے) قرابۃ داروں کا اور یتیموں کا اور محتاجوں کا اور مسافروں کا (اسی تقسیم پر تم کو عمل کرنا چاہئیے) اگر تم خدا کا اور اُس (مددِ غیبی) کا یقین رکھتے ہو جو ہم نے اپنے بندے (محمد) پر فیصلے کے دن (یعنی جنگ بدر) میں نازل کی تھی جس دن کہ (مسلمانوں اور کافروں کے) دو لشکر ایک دوسرے سے گتھ گئے تھے۔ |

پس خُمس لینے پر بھی پیغمبر صاحب کی زندگی ہمیشہ عُسرۃ ہی میں بسر ہوتی تھی اور پیغمبر صاحب کے ساتھ اُمہات المؤمنین اور دوسرے قرابت داروں کی بھی جن کا خرچ پیغمبر صاحب کے ذمّے تھا اور اس کی مثالیں کثرۃ سے سِیَر کی کتابوں میں موجود ہیں جن کو ہم نے قصداً چھوڑ دیا ہے۔ غرض ایثار علی النفس کی وجہ سے پیغمبر صاحب خُمسِ غنیمۃ اور فئی[1] کی آمدنی سے بھی جی کھول کر متمتع نہ ہوئے۔ ہاں مسلمان اِن کے طفیل میں مالا مال ہوگئے۔ جن لوگوں نے مدینے کی ہجرۃ سے پہلے پیغمبر صاحب کی کسی طرح کی مدد بھی کی اِن کی امداد خالصۃً لوجہ اللہ بے شائبۂ غرض تھی۔ کوئی دور اندیش سے دور اندیش بھی نہیں سمجھ سکتا تھا کہ پیغمبر صاحب جن کی خستہ حالی میں کسی طرح کی کور کسر باقی نہ تھی یا بن مجبوری مکّے سے نکلنے کے ساتھ ان کی قسمۃ ایسا پلٹا کھائے گی کہ بے سروسامان مسلمان جو اِن کی باتوں میں آکر ان کے ساتھ ہو لیتے ہیں روپیوں اور اشرفیوں میں کھیلیں گے اور یہ تمام جزیرۂ عرب کو مطیع ومنقاد کر کے ایک بڑی زبردست سلطنۃ کے بانی ہوں گے۔ فطرۃ بشری اِس کی بھی اجازۃ نہیں دیتی کہ ہجرۃ مدینہ کے بعد کی خدمات کو شمول غرض سے بالکل پاک وہ درجے میں ہجرۃ سے پہلے کی خدمات کی برابر سمجھا جائے۔ اور وہ غرض کیا تھی غنیمۃ کا لالچ۔ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا[2] اور سلطنۃ کی طمع۔

| | |
|---|---|
| وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ | (مسلمانو!) تم میں سے جو لوگ ایمان لاتے اور نیک عمل (بھی) کرتے رہے اُن سے خدا کا وعدہ ہے کہ (ایک نہ ایک دن) |

[1] لُوٹ کی دو قسمیں ہیں! ایک وہ جو کافروں سے لڑ کر ہاتھ آئے اُس کو غنیمت کہتے ہیں اور ایک وہ جو بے لڑے ہاتھ لگے جیسا کہ بنی نضیر یہود یوں سے ملا تھا اُسکو اصطلاحِ شرع میں فئی کہتے ہیں ۱۲ [2] (مسلمانو!) اللہ تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرما چکا ہے کہ تم اُن پر قابض ہوگے ۱۲

فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَهُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِكُوْنَ بِیْ شَیْئًا (نور ع)

اُن کو ملک کی خلافۃ (یعنی سلطنۃ) ضرور عنایت کریگا جیسے اُن لوگوں کو خلافۃ عنایت کی تھی جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں اور جس دین کو اُس نے ان کے لئے پسند کیا ہے (یعنی اسلام) اُس کو ان کے لئے جما کر رہے گا اور خوف (و خطر) جو ان کو (لاحق) ہو اس کے بعد (عنقریب ہی) ان کو (اس کے) بدلے میں امن دے گا کہ (باطمینان ہماری عبادۃ کیا کریں گے (اور) کسی چیز کو ہمارا شریک نہ گردانیں گے۔

طبیعۃ کا تقاضا وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیْدٌ اور خدا رسول کے کھلے لفظوں میں وعدے کون ایسے موقع پر طمع اور لالچ سے محفوظ رہ سکتا ہے اور کون ایسی طمع پر کسی کو ملامۃ کر سکتا یا اُسکو بُرا کہہ سکتا ہے جب ایک چیز کے کئی آدمی خواہش مند ہوں تو اُن میں مُنافستہ (ریس) کا پیدا ہونا بھی معمولی بات ہے اور مُنافستہ کو لازم ہے کشمکش اس سے اِنکار ہو نہیں سکتا کہ مالی مفاد جو اسلامی فتوحات پر مترتب ہوتے تھے یا جو آئندہ مترتب ہونے والے تھے اِن کے بارے میں پیغمبر صاحب کے حین حیاۃ مسلمانوں میں کشمکش ہوتی تھی۔

یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِكُمْ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (الانفال ع ۱)

(اے پیغمبر مسلمان سپاہی) تم سے مالِ غنیمۃ کا حکم دریافت کرتے ہیں (تو ان سے) کہہ دو کہ مالِ غنیمۃ تو اللہ اور رسول کا ہے تو تم لوگ (مالِ غنیمۃ کی تقسیم میں جھگڑا نہ کرو اور) خدا کے غضب سے ڈرو اور اپنا باہمی معاملہ ٹھیک رکھو اور اگر تم (سچے) مسلمان ہو تو اللہ اور اُس کے رسول کا حکم مانو۔

اس آیۃ میں اصلحوا ذات بینکم کشمکش کے ہونے پر دلالت کر رہا ہے مگر یہ کشمکش اُسی قسم کی تھی جیسے امتحان میں کھیل میں گھڑ دوڑ میں ہوا کرتی ہے غرض پیغمبر صاحب کے ساتھ خصوصیۃ پیدا کرنے کا بڑا ذریعہ تو اسلام کی اشاعۃ میں اُن کی مدد کرنا تھا کسی طرح بھی ہو اور ایک قدرتی خصوصیۃ قرابۃ کی تھی۔

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی (شوریٰ ع ۳)

(اے پیغمبر اِن لوگوں سے) کہو کہ میں تم سے اس (تبلیغ رسالۃ) پر کوئی مزدوری تو مانگتا نہیں مگر رشتے ناطے کی محبۃ (تو قائم رکھو)

جیسی خدمتیں متنوع تھیں ویسی ہی قرابتیں۔ خدمتوں کا خدمتوں سے مقابلہ ہوتا تھا قرابتوں کا قرابتوں سے اور کبھی موازنے میں ایک طرف خدمتیں اور دوسری طرف قرابتیں۔ پیغمبر صاحب کی زندگی میں یہ منافستہ دلوں کی دلوں ہی میں رہی اس لئے کہ پیغمبر صاحب خود ہر ایک خدمۃ ہر ایک خصوصیۃ ہر ایک تعلق کے قدر شناس تھے اور وقتاً فوقتاً علیٰ قدرِ استحقاق ہر ایک کی داد دیتے رہتے تھے۔

۵۴ اور وہ (یعنی انسان) مال کی محبۃ میں بڑا سخت ہے ۱۲

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ
وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ
رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ
لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ
الْعَظِيْمُ

(توبہ ع-۱۱)

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ
الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ
وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا
مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ
اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ
هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۚ وَالَّذِيْنَ
تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ
مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ
هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ
فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً
مِّمَّاۤ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ
عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ
بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُّوْقَ
شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ وَالَّذِيْنَ
جَآءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ
يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا
وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا
بِالْاِيْمَانِ

اور مہاجرین اور انصار میں سے جن لوگوں نے (اسلام کے قبول کرنے میں) سبقت کی (اور) سب سے پہلے (ایمان لائے) اور (نیز) وہ لوگ جو ان کے بعد خلوص دل سے داخلِ ایمان ہوئے خدا اُن سے خوش اور وہ خدا سے خوش اور خدا نے اُن کے لئے (بہشت کے (ایسے) باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے تلے نہریں (پڑی) بہ رہی ہوں گی (اور یہ) اُن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (اور) یہی بڑی کامیابی ہے۔

(وہ مال جو مفت میں ہاتھ لگا ہے منجملہ ور حقداروں کے) محتاج مہاجرین کا (بھی حق) ہے جو (کفار) کے ظلم سے اپنے گھر اور مال سے بے دخل کر دیئے گئے (اور اب وہ) خدا کے فضل اور (اُس کی) خوشنودی کی طلبگاری میں لگے ہیں اور خدا اور اُس کے رسول کی مدد کو کھڑے ہو جاتے ہیں یہی تو سچے (مسلمان) ہیں اور (ہاں وہ مال جو بے لڑے ہاتھ آیا ہے) اُن کا (بھی حق) ہے کہ (مہاجرین نے ابھی ہجرۃ نہیں کی تھی اور وہ) اُن سے پہلے مدینے میں رہتے اور اسلام میں داخل ہو چکے ہیں جو اُن کی طرف ہجرۃ کر کے آتا ہے اُس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور (مالِ غنیمۃ میں سے) مہاجرین کو جو (کچھ بھی دے) دیا جائے اس کی وجہ سے یہ اپنے دل میں (اس کی) کوئی طلب نہیں پاتے اور اپنے اوپر تنگی ہی کیوں نہ ہو (مہاجرین بھائیوں کو) اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اور بخل تو سب ہی کی طبیعتوں میں ہوتا ہے مگر) جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جائے تو ایسے ہی لوگ فلاح پائیں گے اور ہاں (جو مال بے لڑے ہاتھ آیا ہے) اُن کا (بھی حق) ہے جو مہاجرین اولین کے بعد (ہجرۃ کر کے) آئے (کہ یہ بھی اگلے مسلمانوں کے خیر خواہ ہیں اور) دعائیں مانگا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے اور (نیز) ہمارے (اُن مہاجرین وانصار) بھائیوں کے گناہ معاف کر جو ہم سے پہلے ایمان

وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَؤُفٌ رَّحِیْمٌ (حشر ع ۱)

لا چکے ہیں اور ایسا کر کہ جو لوگ ایمان لاچکے ہیں اُنکی طرف سے ہمارے دلوں میں کسی طرح کا کینہ نہ آنے پائے ای ہمارے پروردگار تو بڑا شفقت رکھنے والا مہربان ہی۔

علاوہ بریں پیغمبر صاحب کا رعب صحابہ پر اِس درجے کا تھا کہ وہ ان کے سامنے پُکار کر بات تک نو کرہی نہیں سکتے تھے بات کرنا تو درکنار آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ نہیں سکتے تھے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ کَجَهْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰی لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ (الحجرات ع ۱)

مسلمانو! اپنی آوازوں کو پیغمبر کی آواز سے اونچا نہ ہونے دو اور نہ اُن کے ساتھ بہت زور سے بات کرو جیسے تم ایک سے ایک آپس میں زور زور سے بولا کرتے ہو (کہیں ایسا نہ ہو) کہ تمہارا کیا کرایا سب اکارت ہو جائے اور تم کو خبر بھی نہ ہو جو لوگ رسولِ خدا کے روبرو اپنی آوازیں پست کر لیا کرتے ہیں یہی ہیں جن کے دلوں کو خدا نے پرہیزگاری کیلئے (اچھی طرح) جانچ لیا ہی ان کے لئے (آخرت میں) گناہوں کی معافی اور بڑا اجر ہی۔

کسی کی مجال نہ تھی کہ پیغمبر صاحب کے کسی قول کسی فعل پر مخاصمانہ اعتراض کرے۔ [1] مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا اِس کی تصدیق کے لئے مثال کے طور پر صرف ایک حکایت بیان کی جاتی ہی کہ پیغمبر صاحب کی زندگی میں مخالفینِ اسلام کے ساتھ لڑائیوں کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ لڑائیاں بظاہر دو قسم کی تھیں حربِ مدافعۃ کہ دشمن مسلمانوں پر چڑھ کر آئے اور مسلمانوں نے اُن کو مار ہٹایا اور حربِ تغلّب کہ مسلمان انتقام کے لئے یا تحفظِ آیندہ کی غرض سے اظہارِ شوکتہ و جلادۃ کے لئے دشمنوں پر چڑھ کر گئے مارا کوٹا لوٹا کھسوٹا باندھا جکڑا سالماً غانماً واپس آئے۔ گو بظاہر لڑائی کی دو قسمیں تھیں حربِ مدافعۃ اور حربِ تغلّب مگر از بسکہ حربِ تغلّب بھی تحفظِ آیندہ کیلئے کی جاتی تھی ہم حربِ تغلّب کو بھی حربِ مدافعۃ کی قسم میں داخل سمجھتے ہیں۔ پھر ایک اور اعتبار سے لڑائی کی دوسری دو قسمیں تھیں۔ غزوات جن میں پیغمبر صاحب خود قائدِ لشکرِ اسلام ہوتے تھے۔ دوسرے سریّہ جن میں پیغمبر صاحب کے حکم سے کوئی صحابی قائدِ لشکر ہوتا تھا۔ بہرکیف پیغمبر صاحب کی حیاۃ میں ۲۷ غزوات ہوئے اور ۴۷ سریات، آخری سریّہ جس کا ہم مذکور کرنا چاہتے ہیں وہ اسامہ بن زید کی سرکردگی میں روم کی سرکوبی کیلئے طیار کیا گیا تھا۔ وہ علالۃ جس میں پیغمبر صاحب نے ۱۸ دن بیمار رہ کر انتقال فرمایا شروع ہو چکی تھی۔ اُسامہ نے کچھ آدمی لیکر مدینے کے باہر پہلا پڑاؤ موضع ذی خشب میں کیا تھا تا کہ سب لوگ جمع ہو لیں تو آگے کو روانہ ہوں۔ اتنے میں تو پیغمبر صاحب کا انتقال ہو گیا اسامہ خبر سُن کر ساتھیوں سمیت وہیں ٹھہر گیا۔ پیغمبر صاحب کے انتقال سے جو اضطراب مدینے میں پیدا ہوا ہم کو

[1] اور (مسلمانو!) جو چیز پیغمبر تم کو دے دیا کریں وہ تو لے لیا کرو اور جس چیز سے تم کو منع کریں (اُس سے) دست کش رہو۔ ۱۲

تو اُس کے عشرِ عشیر کے بیان کرنے کا بھی یارا نہیں۔

| | |
|---|---|
| كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ (آل عمران ع ۱۹) وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ (آل عمران ع ۱۵) اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ (انبیاء ع ۱) | ہر شخص (ایک نہ ایک دن) موت (کا مزہ) چکھنے والا ہے۔ اور محمد اُس سے بڑھ کر اور کیا کہ ایک رسول ہیں اور بس ان سے پہلے اور (بھی) رسول ہو گزرے ہیں پس اگر (محمد اپنی موت سے) مر جائیں یا مارے جائیں تو کیا تم اپنے اُلٹے پیروں (کفر کی طرف) پھر لوٹ جاؤ گے۔ پس (اے پیغمبر) اگر تم مر جاؤ گے تو کیا یہ لوگ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ |

سے سب کو معلوم تھا کہ پیغمبر صاحب بھی ہمیشہ زندہ نہیں رہیں گے کسی کو وفات کی تو خبر نہ تھی مگر کہتے ہیں کہ جب سورۂ النصر اذا جاء نصر اللہ والفتح الخ نازل ہوئی تو ابوبکرؓ سُن کر رو دیئے لوگوں نے سبب پوچھا تو کہا کہ ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر صاحب کی وفات کا زمانہ قریب ہے اس سے پہلے آیۃ۔

| | |
|---|---|
| اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (مائدہ ع ۱) | اب ہم تمہارے دین کو تمہارے لئے کامل کر چکے اور ہم نے تم پر اپنا احسان پورا کر دیا اور ہم نے تمہارے لئے (اسی) دینِ اسلام کو پسند فرمایا۔ |

نازل ہو چکی تھی اور حجۃ الوداع کے خطبے میں تو پیغمبر صاحب نے صاف فرما دیا تھا کہ یہ میرا آخری خطبہ ہے مگر جب پیغمبر صاحب کی وفات کی مصیبت آ نازل ہوئی تو کوئی اس کے لئے تیار نہ تھا۔ پیغمبر صاحب کی وفات کے وقت اسلام کی حالت یہ تھی کہ جدید العہد ہونے کی وجہ سے اعراب کے دلوں میں رسوخ کے ساتھ اُس نے جگہ نہیں پکڑی تھی۔ اُس کے ساتھ سلطنت کی ایک بنچ لگی ہوئی تھی اور وہ سلطنت ہنوز ابتدائی حالت میں تھی اس کا انتظام ابھی ٹھیک طور پر بیٹھا نہ تھا۔ اُس کے بغلی گھونسے یہودی اس کے ایک آن کے روادار نہ تھے۔ روم اور فارس دو سرحدی زبردست سلطنتیں اس کو ہر وقت آنکھیں دکھاتی رہتی تھیں۔ اسامہ کی مہم روانہ ہوتے ہوتے رکی پڑی تھی۔ بمجبوری فی الوقت کسی نہ کسی کو پیغمبر صاحب کا جانشین تجویز کرنا ضرور ہوا اور منافسۃ جو دلوں میں تھی کھل پڑی۔ لوگ سقیفۂ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے۔ مہاجرین اور انصار میں بحث ہونے لگی۔ ہر ایک فریق اپنی خدمات کے برتنے پر خلافۃ کا دعویدار تھا۔ آخر مصالحے کے طور پر انصار کی طرف سے مِنَّا اَمِيْرٌ وَّمِنْكُمْ اَمِيْرٌ[50] کی تجویز پیش ہوئی اس پر عمرؓ نے کھڑے ہو کر مہاجرین کی جانب سے کچھ کہنا چاہا مگر وہ تھے آدمی تیز مزاج ابوبکرؓ ڈرے کہ ایسا نہ ہو ان کے موںھ سے کوئی بات ایسی نکل جائے جو انصار کی دل آزاری کا موجب ہو چنانچہ ابوبکرؓ نے خود سبقت کی اور کھڑے ہو کر ایسی تقریر کی کہ انصار ٹھنڈے پڑ گئے۔ ابوبکرؓ نے گروہِ انصار کی خدمات اور اُن کے احسانات کا اعتراف کیا لیکن پیغمبر صاحب کا فرمودہ اَلْاَئِمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ[51]

۵۰۔ ایک امیر (خلیفہ) ہم میں سے ہو اور ایک امیر تم میں سے ۱۲ ۵۱۔ امام قریش ہی میں سے ہوں گے ۱۲

لوگوں کو یاد دلا کر مہاجرین کے حق خلافۃ کی تائید کی۔ یہ کہنا تھا کہ سب سے پہلے عمرؓ نے ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی پھر کیا تھا ابوبکرؓ بالاجماع خلیفہ مان لئے گئے۔ اب ہمارا بیان ہم کو کشاں کشاں سُنّیوں اور شیعوں کے محاکمے کی حد پر لے آیا ہے اور یہ محاکمہ نہ تو ہماری اس کتاب کا موضوع ہے اور نہ ہم کو کرنا منظور ہے۔ یہ جھگڑا پیغمبر صاحب کی زندگی میں اور خود پیغمبر صاحب کے گھر میں موجود تھا مگر ان کے لحاظ سے کوئی کچھ کہہ نہیں سکتا تھا۔ اب یہی اُسامہ کا معاملہ ہے کہ اُسامہ زید بن حارثہ کا بیٹا تھا اور زید بن حارثہ اصل میں طائی غلام تھا اس کو حکیم بن حزام نے اپنی پھوپی خدیجہؓ کی خدمت کے لئے مول لیا تھا۔ خدیجہؓ کا نکاح پیغمبر صاحب سے ہوا تو پیغمبر صاحب نے خدیجہؓ سے لے کر اس کو آزاد کر دیا پھر کچھ ایسا اُنس بڑھا کہ پیغمبر صاحب نے زید کو بیٹا بنا لیا اور آخر کو اپنی پھوپی زاد بہن زینب بنت جحش اس سے بیاہ دی۔ اُسامہ کو قائد الجیش بنا کر روم کی طرف بھیجنا چاہا تو اُسامہ نوجوان لڑکا تھا اور لوگ اس کے باپ کی اصلیت کو نہیں بھولے تھے۔ لشکر میں بہت سے معمّر اور پختہ کار صحابی بھی تھے کسی نے اُسامہ کی سرکردگی میں چوں تک نہیں کی۔ پھر تم دیکھتے ہیں کہ غزوات اور سریات میں کبھی کسی کو سرداری کا جھنڈا دیتے کبھی کسی کو قرابتہ داروں کے ساتھ اُن کا یہ برتاؤ تھا کہ فاطمہؓ سے قریب تر قرابتہ اور کس کی ہوگی انھوں نے مال غنیمۃ میں سے ایک لونڈی مانگی اُن کو ایک وظیفے سے بہلا دیا لونڈی نہ دی۔ پیغمبر صاحب کی وفات کے بعد خلافۃ کے بارے میں جو اختلافات ہوئے ان کی بڑی وجہ یہی تھی کہ پیغمبر صاحب نے خلافۃ کے بارے میں کوئی قطعی فیصلہ صاف صریح لفظوں میں لوگوں کو نہیں سمجھایا۔ اور اس معاملے کو لوگوں کی رائے پر چھوڑ کر انتقال فرما گئے ورنہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جن لوگوں نے پیغمبر صاحب کی اطاعۃ میں دین آبائی چھوڑے وطن چھوڑے زن و فرزند چھوڑے عزیز و اقارب چھوڑے مال و متاع چھوڑے جان تک دینی گوارا کی ایک خلافۃ کے بارے میں اُن کے حکم سے سرتابی کی ہو اور وہ بھی اپنے ذاتی مفاد کے لئے نہیں کیونکہ ہر شخص خلیفہ نہیں ہوا بلکہ سب نے مل کر ایک کو خلیفہ بنا دیا۔ اگر ایسا خیال کیا جائے تو اس کے یہ معنے ہونگے کہ پیغمبر صاحب معاذ اللہ تبلیغ رسالۃ میں ناکام رہے اور جن لوگوں کے حق میں پیغمبر صاحب فرمایا کرتے تھے کہ خیر القرون قرنی خلافۃ نے ثابت کر دکھایا کہ وہ شر القرون تھے۔ بلکہ ہم ایک قدم اور آگے کو بڑھتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ وعدہ اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنہم الخ کا وعدہ کس خلافۃ سے پورا ہوا۔ چار و ناچار ماننا پڑیگا کہ اسی خلافۃ سے جو وقوع میں آئی تو خلافۃ کو راشدہ بھی تسلیم کرنا ہوگا۔ یہ اعتراض اگر دفع نہ کئے جائیں تو اسلام بیخ و بُن سے مستاصل ہوا جاتا ہے اور بات پیغمبر صاحب اور خدا تک جا پہنچتی ہے۔ ہم نے تو صرف ایک توجیہ سوچی ہے کہ رسالۃ اور خلافۃ کو دو جُداگانہ چیزیں سمجھ کر ایک کو دوسرے میں خلط ملط نہ کیا جائے۔ رسالۃ کا مقصود اصلی دین اسلام کا رواج دینا تھا اور وہ پیغمبر صاحب کی زندگی میں پورا ہو گیا۔ لیکن اسلام کے رواج دینے میں ساتھ کے ساتھ از خود سلطنۃ کی بنیاد بھی پڑتی جاتی تھی اور یہی وہ چیز تھی جس نے دلوں میں منافسۃ پیدا کی تھی اور یہی وہ چیز تھی جو پیغمبر صاحب کی وفات کے بعد اُن کی قائم مقامی یعنی خلافۃ کی متقاضی تھی ورنہ احکام دین جو آنے تھے پیغمبر صاحب کی زندگی میں آچکے آئندہ کے لئے وحی کا آنا موقوف۔ غرض پیغمبر صاحب کی زندگی میں دین اسلام اور سلطنۃ کا جیسی کچھ

بھی تھی چولی دامن کا ساتھ تھا اور پیغمبر صاحب کی وفات پر جو اُن کا جانشین ہوا تو سلطنۃ کی ضرورۃ سے مگر چونکہ دین حصولِ سلطنۃ کا ذریعہ تھا اور تھا جدید العہد خلیفہ کو دین کی اتنی خبر رکھنی تو ضرور تھی کہ لوگ جدید دین پر ثابت قدم رہیں اور اُس میں کسی طرح کا ضعف نہ آنے پائے ورنہ دم کے دم میں سارا بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔ یوں دین اور سلطنۃ کے شمول سے خلافہ گنگا جمنی ہو گئی۔ منافسۃ اپنی ذات سے تو بُری نہیں یہاں تک کہ قرآن میں ایک جگہ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ بھی آیا ہے مگر جب تک متنافسین میں مغایرۃ نہ ہو اُن میں منافسۃ قایم ہو نہیں سکتی اور منافسۃ کا منجر بمنافرۃ ہو جانا کچھ بھی بعید نہیں ہم کو تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سُنّیوں اور شیعوں کا اختلاف متفرع ہے اُس منافسۃ پر جو پیغمبر صاحب کے حین حیاۃ جناب فاطمۃ الزہرا رض اور اُمّ المومنین عائشہ رض میں قایم تھی۔ تم تعجب کرو گے کہ عائشہ رض بیبی اور فاطمہ رض بیٹی دونوں عورۃ ذات نہ جہاد کی قابل نہ خلافۃ کی اہل، اِن میں منافسۃ کیسی۔ پیغمبر صاحب کی قرابۃ سے قطع نظر کہ وہ دونوں میں ہر ایک کے ساتھ مختلف حیثیۃ کی تھی عائشہ رض کو ناز تھا اپنے والد ابو بکر رض کی خدمات پر اور فاطمہ رض کو اپنی والدہ خدیجہ رض کی خدمات پر۔ مردوں میں ابو بکر رض کی اور عورتوں میں خدیجہ رض کی خدمات ایک ساتھ شروع ہوئیں۔ خدیجہ رض تو انتقال فرما گئیں، چار بیٹیاں اپنی یادگار چھوڑ مری تھیں جن میں سے آخر کو سب سے چھوٹی فاطمہ رض باقی بچی تھیں پس پیغمبر صاحب کی پدری محبۃ ساری فاطمہ رض میں محصور تھی اس پر مزید خدیجہ رض کی یادگاری پیغمبر صاحب جب جب فاطمہ رض کو دیکھتے ہوں گے ضرور اِن کو خدیجہ رض یاد آتی ہوں گی اور یاد کے ساتھ اُن کے احسانات یا اُن کی خدمات پیغمبر صاحب کی طبیعۃ ہی اس طرح کی واقع ہوئی تھی کہ وہ تنکا اُتارنے کے احسان کو بھی ہمیشہ یاد رکھتے تھے، اِدھر ابو بکر رض کی خدمات کا سلسلہ جاری تھا اور پیغمبر صاحب نے علیٰ رؤس الاشہاد سر ممبر خطبے میں اپنی ممنونیۃ کا اظہار فرمایا ہے۔ ابو بکر رض اور خدیجہ رض کی خدمات میں راجح و مرجوح کی تعیین پیغمبر صاحب کے سوائے کوئی کر نہیں سکتا۔ پیغمبر صاحب نے تو اپنے عملدرآمد میں اس کا پتہ لگنے نہیں دیا، وہ ہر ایک کے ساتھ اُسی خصوصیۃ سے پیش آتے تھے جس کی وہ مستحق تھی۔ ایک بات یہ بھی تھی کہ عائشہ رض رشتے کی رُو سے تو فاطمہ رض مادر ہوئیں مگر عمر میں فاطمہ رض سے چھوٹی تھیں۔ عائشہ رض لاولد تھیں اور فاطمہ رض صاحب اولاد۔ عورتوں کو ایسی ہی باتوں کا بہت خیال ہوتا ہے پس اگر فاطمہ رض عائشہ رض کو اپنا ہمسر نہ گردانتی ہوں تو کچھ تعجب نہیں۔ بہر کیف اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ دونوں میں منافسۃ کے اسباب موجود تھے اور منافسۃ تھی بھی۔ فاطمہ رض کی طرف خدمات کی کمی تھی تو علی رض کے ساتھ اِن کا نکاح ہو جانے سے اُس کمی کی کچھ نہ کچھ تلافی بھی ہو گئی۔ کچھ نہ کچھ ہم نے اس سے کہا کہ ابو بکر رض سب سے پہلے اسلام لائے۔ سب سے پہلے پیغمبر صاحب کی حمایۃ کو کھڑے ہوئے پھر وہ وقت کسی کو نصیب ہوئے ع گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔ منافسۃ تو مال غنیمۃ میں تھی قائد لشکر ہونے میں تھی تلوار میں تھی پیغمبر صاحب کے ساتھ مجرد تقرب میں تھی۔ لیکن سب سے زیادہ منافسۃ کی چیز تھی خلافۃ اس کے دو بڑے اُمیدوار تھے، ابو بکر رض اور علی رض دونوں کی طرف قرابۃ اور اسلامی خدمات کی دلائل بھی تھیں اور دونوں میں نہفتہ رقابۃ بھی تھی، ان دونوں کی دلی کدورۃ کے آغاز کا پتہ لگانا تو مشکل ہے۔ غالباً وہ عائشہ رض کے نکاح سے شروع ہوئی یا شاید اس سے بھی پہلے۔ مگر اس کا ظہور تو یقیناً اِفکِ عائشہ رض کے قصّے سے ہوا کہ کدورۃ دلوں سے

موںھ پر آگئی۔ اور وہ اِس طرح کہ جب دشمنوں نے عائشہ رض کو صفوان بن معطل کے ساتھ متہم کر کے نالائق بات کا چرچا کیا اور قال قال بات پیغمبر صاحب کے کانوں تک پونہچی تو عائشہ رض کی براءۃ قرآن میں نازل ہونے تک پیغمبر صاحب بہت ہی پریشان رہے۔ گھر کے بھیدیوں میں ایک ایک سے پوچھتے کہ تمہارا عائشہ کی نسبت کیا خیال ہی۔ سبھی نے تو عائشہ رض کی عفتہ اور پاک دامنی کی یکزبان تصدیق کی کہ ایسا آدمی چھپا نہیں رہتا یہانتک کہ امّ المؤمنین زینب بنت جحش نے جو پیغمبر صاحب کی پھوپی زاد بہن بھی ہوتی تھیں اور صورۃ شکل میں بھی عائشہ رض کی مدمقابل تھیں باوجود سوکن ہونے کے بڑے زور سے عائشہ رض کی براءۃ کی۔ پیغمبر صاحب نے جہاں اوروں سے عائشہ رض کا حال دریافت کیا علی رض سے بھی پوچھا تو اُنھوں نے عرض کیا کہ خدا نے آپ پر بیبیوں کے بارے میں کسی طرح کی تنگی نہیں کی۔ یعنی آپ جتنی بیبیاں چاہیں کر سکتے ہیں۔ اس جواب کے معنے اِس کے سوائے اور کیا ہو سکتے ہیں کہ علی رض کی یہ رائے تھی کہ پیغمبر صاحب عائشہ رض کو طلاق دے دیں۔ اب ناظرین خود سمجھ سکتے ہیں کہ یہ خبر عائشہ رض اور اِن کے میکے میں پونہچی ہوگی تو اِن لوگوں نے کیا خیال کیا ہوگا۔ عائشہ رض کا تو یہ حال تھا کہ مارے رنج کے بیمار پڑ گئیں پیغمبر صاحب سے پوچھ کر میکے چلی گئیں۔ خواب و خور حرام رات دن رونے سے کام۔ اگر براءۃ کے نازل ہونے میں اور دیر ہو تو عجب نہ تھا کہ ہلاک ہو جائیں کوئی اور سری کا ہوتا تو خدا جانے کیا آفت برپا ہو گئی ہوتی۔ مگر ابوبکر بجائے خود بڑے ضابط اور بُرد بار آدمی تھے وہ اتنا ہی کہہ کر رہ گئے کہ جاہلیۃ میں تو کوئی آدھی بات ہماری نسبت موںھ سے نہ نکال سکا اب وہی ہم ہیں کہ اسلام میں ہماری آبروئیوں خاک میں ملائی جاتی ہی ع ایں ہم اندر عاشقی بالائے غمہائے دگر۔ اِفک کے واقعے میں چند باتیں خاص لحاظ کے قابل ہیں کہ عائشہ رض کو اِفک کی خبر سب سے پہلے ابوبکر رض کی خالہ زاد بہن امّ مسطح سے ملی جن دنوں کا یہ مذکور ہی مدینہ ایک گانوں تھا۔ عورتیں گانوں کے باہر جا کر فضائے حاجۃ کیا کرتی تھیں۔ افک کا چرچا لوگوں میں ہو رہا تھا کہ ایک دن عائشہ رض اُس ضرورۃ سے باہر گئیں۔ امّ مسطح اِن کے ساتھ تھیں، لوٹتیوں کو چادر میں اُلجھ کر گرنے لگیں تو مستورات کی عادۃ کے مطابق بے ساختہ ام مسطح کی زبان سے مسطح کے حق میں کوسنا نکلا۔ کوسنا سُنکر عائشہ رض بولیں کہ اے ہی تم نے کیسے موںھ بھر کے مسطح کو کوسا اور تمکو ذرا خیال نہ آیا کہ اِس کو ہجرۃ اور شرکۃ جنگ بدر کی ایک چھوڑ دوہری دوہری فضیلتیں حاصل ہیں۔ امّ مسطح نے کہا بھولی بی! تم کو کچھ خبر بھی ہی کہ تم کو بدنام کرنے میں اُس نے کیا اُٹھا رکھا ہی۔ عائشہ رض نے سُنا تو دھک سے رہ گئیں۔ یہ مسطح تھا بھی مفلس اور ابوبکر رض خرچ بات سے اِس کی خبرگیری کرتے رہتے تھے اِن کو معلوم ہوا تو جو کچھ دیتے تھے اُس سے ہاتھ کھینچ لیا۔ غرض عائشہ رض کی براءۃ کے نازل ہونے تک بڑی پریشانی کا وقت گزرا کیا عائشہ رض پر ابوبکر رض پر اور خود پیغمبر صاحب پر۔ آخر بڑے شدومد کے ساتھ عائشہ رض کی براءۃ نازل ہوئی اور وہ براءۃ سورۂ نور کے دو رکوع ہیں۔ عائشہ رض کی براءۃ کے ساتھ خدا نے ابوبکر سے مسطح کی بھی سفارش کی اور فرمایا۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| | وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ | | اور تم سے جو لوگ بزرگ (منش) اور صاحب مقدور ہیں قرابۃ والوں۔ |

| | | | |
|---|---|---|---|
| | وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔ (نور ۲۲) | | اور محتاجوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو (مدد خرچ) نہ دینے کی قسم نہ کھا بیٹھیں بلکہ چاہیے کہ اُن کے قصور بخش دیں اور درگزر کریں (مسلمانو!) کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہارے قصور معاف کرے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ |

یہ آیتہ سُننے کے ساتھ ابوبکرؓ نے تمام شکایتیں جو مسطح کے طرزِ عمل کی نسبتہ تھیں فوراً دل سے دور کر کے پچھلا چڑھا ہوا کوڑی کوڑی ادا کر دیا اور آئیندہ کے لئے بدستور امداد جاری رکھی اور وہ جو نہ دینے کی قسم کھا بیٹھے تھے اُسکا کفارہ دیا عائشہؓ کی براءۃ نازل ہوئے پر ناحق بدنام کرنے والوں کو حدِّ قذف ماری گئی جن میں بدقسمتی سے ایک حسّان بن ثابت پیغمبر صاحب کے مشہور مدّاح بھی تھے۔ بعد کو کسی مجلس میں ایک شخص نے حسّان کو بُرے لفظوں سے یاد کیا تھا عائشہؓ نے سُن کر اُلٹا بُرا مانا اور کہا کہ حسّان وہ شخص ہے جس نے پیغمبر صاحب کی مدح میں یہ بھی کہا ہے ۵ ؎

| | |
|---|---|
| فَاِنَّ اَبِیْ وَوَالِدَتِیْ وَعِرْضِیْ | لِعِرْضِ مُحَمَّدٍ مِّنْكُمْ وِقَاءُ |

تو اگر اُس نے ایک قصور کیا تو وہ قابلِ عفو ہے۔ مذکورہ بالا بیانات سے جو واقعاتِ نفس الامری ہیں ابوبکرؓ اور اُمّ المؤمنین عائشہؓ کی اعلیٰ درجے کی للّٰہیتہ کا ثبوت ملتا ہے کہ باپ اور بیٹی دونوں کہانتک اسلامی خدمات کے قدرشناس تھے۔

اب پھر فاطمہؓ اور ابوبکرؓ اور علیؓ اور عائشہؓ کے باہمی تعلّقات کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ان کی آپس کی رشتہ داریاں معلوم ہیں۔ عمریں معلوم ہیں۔ اسلامی خدمات معلوم ہیں۔ پیغمبر صاحب ہر ایک کے ساتھ جس طرح کا برتاؤ کرتے تھے وہ معلوم ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ ان میں کی ہر ایک حیثیتہ منافستہ کی باعث ہو سکتی ہے اور منافستہ محاسدہ کی ہماری اپنی رائے یہ ہے کہ ان لوگوں میں منافستہ تو مدۃ سے قائم تھی واقعاتِ مابعد نے منافستہ کو محاسدہ بنا دیا کیونکہ طبیعتوں میں کدورتیں ہوتی ہیں اور اُن کو ایک دوسرے سے کہہ سُنکر صاف نہیں کیا جاتا جیسا کہ علیؓ اور ابوبکرؓ میں اور فاطمہؓ اور عائشہؓ میں ہوا کہ ایک دوسرے کے لحاظ سے یا پیغمبر صاحب کے ڈر سے کبھی برُو اظہارِ رنجش کی تو نوبت نہ آئی تو بات بات میں بدگمانی کے پہلو نکلتے آتے اور رنجش ہے کہ چپکے چپکے ترقی کرتی جاتی ہے۔ اس بات کے جتانے کی کچھ ضرورۃ نہیں کہ ابوبکرؓ اور عائشہؓ باپ بیٹی ایک فریق تھے اور علیؓ اور فاطمہؓ میاں بیبی ایک فریق پیغمبر صاحب کے سامنے ہر ایک فریق اپنی اپنی جگہ قائم تھا۔ اب وہ وقت قریب آ لگا کہ منافستہ متخاصمین میں غالب و مغلوب کا فیصلہ کر دے یعنی پیغمبر صاحب ۲۲ صفر ۱۱ھ روز شنبہ کو بیمار پڑے۔ علالۃ دردِ سر سے شروع ہوئی تپ آنے لگی سرسام ہوا۔ اٹھارہ دن میں کام تمام ہو گیا۔ تپ اس بلا کی تھی جیسی اکثر سرسام میں ہوا کرتی ہے کہ کپڑا اوڑھے لیتے ہیں کپڑے پر ہاتھ نہیں رکھا جاتا کمزوری اس قدر ہو گئی تھی کہ نماز پڑھانے کے لئے حجرے سے نکل کر پاس کے پاس چند قدم مسجد تک نہیں جا سکتے تھے۔ ابوبکرؓ کو امامۃ کے لئے کھڑا کر دیا۔ تصفیۂ خلافۃ کے وقت اسی امامۃ کو خلافۃ ابوبکرؓ کے

۵ ؎ میرے ماں باپ اور میری آبرو۔ محمد کی آبرو کا بچاؤ ہے ۱۲

نے تازہ اور آخری سند گردان کراسی کی بنا پر صحابہ نے بالاجماع ابوبکر رضؓ کو پیغمبر صاحب کا خلیفہ تسلیم کر لیا۔ ابھی تو خلافۃ کا نام موتھ سے نکالنے کو جی نہیں چاہتا۔ خدا نہ کرے کہ پیغمبر صاحب کا سایہ اُمّتہ کے سر پر سے اُٹھے۔ مگر کُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَةُ الۡمَوۡتِ سے سب عاجز ہیں۔ علالۃ دم بدم زور پکڑتی جا رہی ہے۔ جَآءَتۡ سَكۡرَةُ الۡمَوۡتِ بِالۡحَقِّ[1] کے آثار مترتب ہو چلے ہیں۔ مارے درد کے سر ہے کہ پھٹا پڑتا ہے۔ دم گھبرا گھبرا اُٹھتا ہے نہ لیٹے چین نہ بیٹھے چین۔ اندر آگ پھک رہی ہے۔ ٹھنڈے پانی کی مشکیں چھڑوائیں ذرا تسکین نہیں۔ پیالے میں پانی بھروا کر پاس رکھوا لیا ہے ٹھنڈک کے لئے بار بار ہاتھ بھگو بھگو کر موتھ پر پھیرتے جاتے ہیں۔ ہاتھ موتھ پر سے ہٹا اور وہی خشک کا خشک۔ بے ہوش ہو ہو جاتے ہیں تو اُتنی ہی دیر اوپر والوں کو سکون معلوم ہوتا ہے۔ دریافت حال کیلئے لوگ مسجد میں بھرے پڑے ہیں۔ تمام مدینے میں ایک کھلبلی مچی ہوئی ہے۔ اتنے میں تو عباس رضؓ نے علی رضؓ سے کہا کہ اب پیغمبر صاحب کا وقت آخیر ہے تم سامنے سے ٹلو مت عجب نہیں تمہارے مفید مطالب کچھ وصیت کر مریں۔ چنانچہ علی رضؓ سامنے جا کھڑے ہوئے۔ پیغمبر صاحب نے آنکھ کھولی علی رضؓ کو کھڑا دیکھا فرمایا اِيۡتُوۡنِيۡ بِقِرۡطَاسٍ اَكۡتُبۡ لَكُمۡ كِتَابًا لَّنۡ تَضِلُّوۡا بَعۡدِيۡ اَبَدًا[2] اس پر حاضرین میں ہوا اختلاف بعض نے کہا وصیۃ لکھوالینی چاہیئے اور بعض نے جن میں بڑے وزن دار بات کے دھنی عمر رضؓ تھے منع کیا اور کہا حَسۡبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ[3] اس پر پیغمبر صاحب نے ناخوش ہو کر سب کو اپنے پاس سے اُٹھوا دیا۔ پھر پیغمبر صاحب نے نہ تو وصیۃ کا خیال فرمایا اور نہ قضا نے اُن کو مہلۃ ہی دی۔ پیر کے دن عصر کے وقت آغوش عائشہ رضؓ میں اَللّٰهُمَّ الرَّفِيۡقَ الۡاَعۡلٰى[4] کہتے کہتے روح مبارک جوار رحمۃ باری جل شانہٗ میں جا پہنچی انا للہ و انا الیہ راجعون ثم انا للہ و انا الیہ راجعون ثم انا للہ و انا الیہ راجعون الف الف مرۃ۔ قرطاس کے معاملے پر تو ہم آگے چل کر بحث کریں گے ہم تو اس بات کو دیکھتے ہیں کہ پیغمبر صاحب نے ایسی سختی سے جان دی ہے کہ اس سے بڑھ کر اور سختی کیا ہو گی۔ عائشہ رضؓ شروع علالۃ سے تا دم مرگ پاس سے نہیں کھسکیں ان ہی کی گود میں پیغمبر صاحب نے انتقال فرمایا۔ وہ کہا کرتی تھیں کہ جب سے میں نے پیغمبر صاحب کو مرتے دیکھا ہے مجھکو کسی کی جان کنی پر ذرا بھی ترس نہیں آتا غرض پیغمبر صاحب کا مرنا مفاجاۃ کا مرنا تو نہ تھا کہ یکایک بیٹھے بیٹھے مر گئے۔ بات کرنے تک کی مہلۃ نہ ملی۔ پیغمبر صاحب نے پورے اٹھارہ دن بیمار رہ کر انتقال کیا ہے بس ان کو وصیۃ کرنے کی۔ توبہ و استغفار کرنے کی کافی مہلۃ تھی مگر اللّٰھم الرفیق الاعلیٰ کے سوائے کوئی اور بات ان سے منقول نہیں۔ ہم اس طرح کے مرنے کو بھی ان کی صداقۃ کی ایک دلیل سمجھتے ہیں کہ جو بات شروع سے موتھ سے نکالی تھی آخیر دم تک اُسی پر قائم رہے۔ ہیکڑ سے ہیکڑ مجرم بھی مرتے وقت اعتراف جرم پر مجبور ہوتا ہے۔ اب واقعۂ قرطاس کو لو۔ یہی وہ واقعہ ہے جس نے خلافۃ کا فیصلہ کر دیا۔ ہم تو اتنی باتوں کی طرف سے مطمئن ہو گئے ہیں کہ پیغمبر صاحب کی زندگی میں فاطمہ رضؓ اور عائشہ رضؓ کے درمیان ایک طرح کا انقباض

---

[1] اس کا ترجمہ اوپر گزر چکا ۱۲ [2] موت کی مدہوشی تو ضرور آ کر رہے گی ۱۲ [3] میرے پاس کاغذ لاؤ کہ میں تمہیں وہ بات لکھ دوں جس کی وجہ سے تم میرے بعد کبھی جادۂ مستقیم سے منحرف نہ ہو ۱۲ [4] ہم کو کتاب اللہ بس کرتی ہے ۱۲ [5] خداوندا مجھکو ملاء اعلیٰ میں نے جا شامل کر ۱۲۔

توضرور تھا اور دونوں کی حالت اس انقباض کی مقتضی تھی۔ اس انقباض کو منافستہ کدورۃ رنجش محاسدہ جو چاہو سمجھ لو اور بمجبوری یہ بھی تسلیم کرنا پڑتا ہو کہ اس انقباض کی ابتدا فاطمہ رضؓ کی طرف سے تھی۔ دراصل وہ اپنی والدہ کے بعد کسی اُمّ المؤمنین کو پسند نہیں کرتی تھیں اور پسند نہیں کرسکتی تھیں اور چاہتی تھیں کہ پیغمبر صاحب سارے کے سارے اُن ہی کی طرف ملتفت رہیں۔ اُن کی یہ خواہش بجا بھی تھی اور بے جا بھی تھی۔ بجا اس لئے کہ اُن کی یہ خواہش مبنی تھی فرط محبتِ فرزندانہ پر۔ بے جا اس لئے کہ وہ اپنی ضرورۃ کے سامنے پیغمبر صاحب کی ضرورتوں کی پروا نہیں کرتی تھیں توان کو اُمہات المومنین سے کیا ناخوشی تھی۔ حقیقۃ میں پیغمبر صاحب سے تھی اگرچہ وہ ایسی بات موںھ سے نہیں نکال سکتی تھیں۔ اُن کو سمجھنا چاہیئے تھا کہ پیغمبر صاحب جو نئے نئے نکاح کرتے چلے جاتے ہیں اِس کی مصلحۃ کو وہی خوب سمجھتے ہیں ہمکو اُن کے اِس معاملے میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے شک اُنھوں نے دخل نہیں دیا لیکن دل میں اُمہات المؤمنین سے پرخاش رکھی اور خاص کر عائشہ رضؓ سے اِس لئے کہ پیغمبر صاحب اُمہات المؤمنین میں سے بظاہر عائشہ رضؓ ہی کی طرف زیادہ ملتفت تھے نہیں معلوم عائشہ رضؓ کی دوشیزگی کی وجہ سے یا تو عمری کی وجہ سے یا حُسنِ صورۃ کی وجہ سے یا اُن کے باپ ابوبکر رضؓ کی خدمات کی وجہ سے۔ ہم تو نظر بحالاتِ دیگر اِس آخری شق ہی کو ترجیح دیتے ہیں۔ پیغمبر صاحب نے اپنی زندگی میں تو اِس کا پتہ لگنے نہیں دیا کہ وہ کس کو اپنے بعد خلافۃ کے لئے نامزد کرنا چاہتے ہیں بلکہ ہم تو ایسا خیال کرتے ہیں کہ پیغمبر صاحب نے آخر وقت تک اس کا فکر ہی نہیں کیا اور جو لوگ از خود ایسی توقعات لگائے بیٹھے تھے وہ بھی پیغمبر صاحب کے جیتے جی اظہار ما فی الضمیر نہیں کرسکتے تھے بس سب سے پہلے واقعۂ قرطاس نے بھانڈا پھوڑا کہ اول دن سے رکاوٹوں کی کھچڑی خلافۃ کے لئے پک رہی تھی۔ خلافۃ کے سوائے اور کون سا ایسا ضروری مطلب ہوسکتا تھا جس کے لئے احتضار کی حالۃ میں صورۃ سوال بلکہ پیغمبر صاحب کو وصیت کی تکلیف دی جاتی۔ بات پھر بھی گول مول ہی رہی۔ علی رضؓ نے سامنے جا کھڑے ہونے کے سوائے موںھ سے کچھ نہ کہا۔ پیغمبر صاحب نے بھی وصیۃ کی جس کے لئے کاغذ منگواتے تھے کچھ صراحۃ نہ فرمائی کہ کیا لکھوانا چاہتے تھے مگر جن کے دل میں تمنائے خلافۃ چٹکیاں لے رہی تھی اُنھوں نے تو دھینگا مُشتی سے منصوبے ہی کو چٹکیوں میں اڑا دیا اور مزاحمۃ کی تاویل یہ کی کہ ہماری ہدایۃ کے لئے قرآن بس کرتا ہو اور چونکہ اِس وقت پیغمبر صاحب کے حواس برجا نہیں کاغذ قلم دوات کا لانا کچھ ضرور نہیں خدا جانے کیا کا کیا لکھوادیں گے چھوٹی چھوٹی باتوں سے قطع نظر کرو تو پاؤ گے کہ سُنّیوں اور شیعوں میں بڑا اختلاف مسئلۂ خلافت میں ہو اور یہ اختلاف شروع تو ہوا پیغمبر صاحب کی زندگی میں اور خود پیغمبر صاحب کے گھر میں مگر ہر کہ آمد براں مزید کرد رفتہ رفتہ اس نے ایسی شدۃ پکڑی اور یوماً فیوماً بگڑتا چلا جارہا ہی کہ گویا ایک اسلام کی دو شاخیں نہیں بلکہ دو مذہب ہیں جدا گانہ جن میں التیام ممکن نہیں۔ مشکل یہ آکر پڑی ہی کہ سُنی سُنائی باتوں پر فیصلہ کرنا ہی۔ اور باتیں بھی آج کی نہیں اب سے تیرہ سو برس پہلے کی اور سُنی سُنائی بھی اپنے کانوں کی نہیں بلکہ اُن لوگوں کی جن کی چالیس چالیس پچاس پچاس نسلیں مرکھپ گئیں فریقین کے پاس اسی قسم کی باتوں کے انبار کے انبار موجود ہیں اپنے اپنے مطلب کے۔ متضاد۔ کس کو مانیں کس کو نہ مانیں۔ لڑائی پیغمبر صاحب

کی بیٹی اور بیبی کی ہو۔ پیغمبر صاحب دونوں کو دو آنکھیں سمجھتے رہے ایک کو داہنی ایک کو بائیں کس کی سی کہیں کس کی سی نہ کہیں۔ گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل۔ اور ہم کیا مشکل میں گرفتار ہیں خود پیغمبر صاحب کو بھی مشکل درپیش تھی انھوں نے بھی خلافت کے بارے میں کبھی صاف طور پر دوٹوک بات نہ فرمائی جیسی توجیہ کے بارے میں لگی لپٹی نہیں رکھتے تھے۔ ہاں ضرورت پڑے پر ہمت بڑھانے کو مختلف حیثیت سے ہر ایک کے استحقاق کا اعتراف کرتے رہے۔ فاطمہ رض کو کیل سمجھو قائم مقام سمجھو ان کے شوہر علی رض۔ عائشہ رض کے ان کے باپ ابوبکر رض۔ روداد مقدمہ کی رو سے ہم اس بات کے کہنے پر مجبور ہیں کہ علی رض کا دعویٰ خلافت ان کے حریف ابوبکر رض کے مقابلے میں پیش رفت ہونے کے قابل تھا ہی نہیں دونوں کی اسلامی خدمات کا مقابلہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ ابوبکر رض کی اسلامی خدمات اس وقت سے شروع ہوئیں جب کہ علی رض ہنوز نو عمر لڑکے ہی تھے اور روئے زمین پر زُود ار مَردوں میں ایک متنفس بھی اسلام اور پیغمبر صاحب کا رَوادار نہ تھا اور برابر بلا فصل ابوبکر رض کے مرتے دم تک جاری رہیں جب کہ علی رض کو خلافت کے نہ ملنے کی وجہ سے اُن خدمات دست بستہ کی بجا آوری پر دسترس ہی نہ تھا اب لے دے کر رہ گئی قرابۃ تو علی رض پیغمبر صاحب کے داماد تھے اور ابوبکر رض خسر یعنی رشتے کی رُو سے علی رض پیغمبر صاحب کے فرزند کی جگہ تھے اور ابوبکر رض باپ کی جگہ جیسا کہ اب تک بھی دیکھا جاتا ہے۔ ایک بڑا تفاوت دونوں میں عمر کا تھا۔ پیغمبر صاحب کی وفات کے وقت جب خلافہ کا جھگڑا پیش آیا علی رض ۳۱ برس کے جوان نو خاستہ تھے اور ابوبکر رض ۶۰ برس کے بڈھے ہم سمجھتے ہیں کہ خلیفہ کے انتخاب کرتے وقت لوگوں نے اسلامی خدمات کا پیغمبر صاحب کی قرابۃ کا خلیفہ کی عمر اور آزمودہ کاری کا سبھی باتوں کا واجبی لحاظ کر لیا تھا۔ ہماری کسی بات کو کوئی جناب علی مرتضیٰ رض کی شان میں مُوہِم سوءِ ادب نہ سمجھے۔ حاشا وکلا۔ ان کے فضائل ایک ایک ہمارے پیش نظر ہیں مگر اس کو کیا کیا جائے کہ اسی طرح کی فضائل اوران ہی کے لگ بھگ دوسروں کی فضائل بھی ہیں اور ہم کو کام وہ کرنا ہے جو حقیقۃ میں خدا رسول کے کرنے کا ہے یعنی صحابہ رض میں فاضل و مفضول کی تعیین۔ ہم نے اس مضمون کے لکھنے کا ارادہ کیا تو فوراً ہمارا ذہن آیۂ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ کی طرف منتقل ہوا۔ اس آیت سے ثابت ہے کہ رسولوں میں بعض کو بعض پر برتری ہے مگر ہم کو اس بارے میں [1] لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ کا حکم ہے۔ یہی معاملہ ہم کو پیغمبر صاحب کے اصحاب کے ساتھ کرنے کا ہے۔ جب پیغمبر صاحب نے علماء اُمۃ کو انبیاء بنی اسرائیل کے ساتھ تشبیہ دی۔ [2] عُلَمَاءُ اُمَّتِىْ كَاَنْبِيَاءِ بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ تو اگر ہم اصحاب کو رسولوں پر قیاس کریں تو کیا بے جا ہے۔ [3] اَصْحَابِىْ كَالنُّجُوْمِ فَبِاَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمْ اهْتَدَيْتُمْ علی رض کے نام کے ساتھ ہمارا ذہن فاطمہ رض کی طرف منتقل ہوتا ہے اور فاطمہ رض کے خیال کے ساتھ یہ بات بھی خواہی نخواہی خیال میں آتی ہے کہ پیغمبر صاحب کے انتقال سے اُس وقت کے ہر ایک مسلمان کو کیا مرد کیا عورۃ کیا اپنے کیا پرائے کیا مہاجرین کیا انصار سبھی کو قلق ہوا ہوگا مگر قلق قلق میں فرق تھا بڑا قلق فاطمہ رض کا تھا کہ ان کے حق میں گویا مصیبۃ کا آسمان

---

[1] ہم خدا کے پیغمبروں میں سے کسی ایک کو (بھی) جُدا نہیں سمجھتے ۱۲ [2] میری اُمۃ کے عالم ایسے ہیں جیسے بنی اسرائیل کے نبی ۱۲ [3] میرے صحابہ چمکتے تاروں جیسے ہیں تو (لوگو!) اُن میں سے جس کی اقتدا کروگے سیدھا رستہ پاؤگے ۱۲۔

ٹوٹ پڑا تھا اُنھوں نے باپ کے مرنے کا اتنا رنج کیا اور کرتا ہی تھا کہ چھ مہینے کے اندر ہی اندر گھل گھل کر مر گئیں اور جتنے دن جیں ہنسنا تو درکنار مُسکرائی تک نہیں۔ ہم کو جب فاطمۃ الزہرا رضہ کا خیال آتا ہی تو بے اختیار جی چاہتا ہی کہ علی رضہ کو خلافۃ مل جاتی تو غم زدہ فاطمہ رضہ کی کچھ تو دل جوئی ہوجاتی۔ یہ خیال اور بھی زیادہ تکلیف دیتا ہی جب دیکھا جاتا ہی کہ پہلے انتخاب میں علی رضہ کی ناکامی نے پیغمبر صاحب کی نسل کی اسلامی وقعت کو کم کرتے کرتے آخر کو بالکل زائل کر دیا۔ اب جو کچھ بھی اسلامی وقعت پیغمبر صاحب کی نسل کی رہ گئی ہو وہ یہی ہو کہ درود میں آلِ محمد کا نام بجائے نام ابھی تک باقی چلا جاتا ہی۔ ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ ایک شخص قوم کو کسی طرح کا فائدہ پونہچاتا ہو تو لوگ اُسکی نسلوں تک کا احسان مانتے ہیں۔ ایک پیغمبر صاحب تھے کہ جھگڑوں لٹیروں کو بادشاہ بدمعاشوں کو بھلا مانس بُت پرستوں کو خدا پرست لاالقوں کو لائق وحشیوں کو مہذب جانوروں کو انسان بناگئے اُن کے اِن تمام احسانات کا بدلہ اُن ہی کی اُمۃ نے اُنکے نواسوں نواسیوں بہو بیٹیوں کو جو دیا اور جیسا دیا اُسکا رونا آج تک اسلامی دُنیا میں رویا جا رہا ہی اور قیامۃ تک رویا جائیگا۔ قطعہ

| | |
|---|---|
| اَتَرْجُوْ اُمَّۃٌ قَتَلَتْ حُسَیْنًا | شَفَاعَۃَ جَدِّہٖ یَوْمَ الْحِسَابِ |
| فَلَا وَاللّٰہِ لَیْسَ لَھُمْ شَفِیْعٌ | وَھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فِی الْعَذَابِ |

پیغمبر صاحب کی نسل کے ساتھ اُن کی اُمۃ کا برتاؤ جو کچھ بھی اور جیسا کچھ بھی ہوا نامناسب ہوا بے جا ہوا لیکن اتنی فروگزاشت تو اِن سے بھی ہوئی کہ اِنھوں نے رزقِ مقسوم پر قناعۃ نہ کر کے گوشۂ عافیۃ سے پانوں باہر نکالے اور خواہ مخواہ دعویٔ خلافۃ کر بیٹھے۔ اِن کو مدعی خلافۃ ہونا ہی مناسب نہ تھا اور مدعی خلافۃ ہوئے تھے تو اِسکے لئے اسباب کافی بہم پونہچانے تھے اور طلب کے طریقے سے طلب کرنا تھا۔ اِن کا حال کیا تھا کہ اِن میں سے جب کسی کے پاس ہزار پانسو آدمیوں کی جمعیت فراہم ہوئی لگا سلطنت کا خواب دیکھنے ملک گیری کی ہوس میں عَلَمِ خلافۃ اونچا کیا خلیفۂ وقت پر خروج کر کے ساتھیوں کو ناحق مروا دیا اور آخر کار خود بھی لڑائی میں مار ڈالا گیا یا پکڑا آیا قید کیا گیا یا زہر دے کر مار ڈالا گیا۔ خدا کا کوئی کام حکمۃ سے خالی نہیں ہوتا۔ فِعْلُ الْحَکِیْمِ لَا یَخْلُوْ عَنِ الْحِکْمَۃِ اسلام کے حق میں یہ بھی اچھا ہی ہوا کہ پیغمبر صاحب کی اولادِ ذکور اُن کے بعد زندہ نہ رہی۔ بیٹیوں میں ایک بیٹی زندہ رہیں تو اُن کی نسل لی بدولۃ اسلام میں یہ تفرقہ پڑا کہ مسلمان سُنّی اور شیعہ دو فریق ہو گئے جن میں ہمیشہ جوتیوں میں دال بٹتی رہتی ہو۔ بیٹا زندہ رہتا تو شاید پسر نوح ثابت ہوتا۔ اِنَّہٗ لَیْسَ مِنْ اَھْلِکَ اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ پیغمبر صاحب نے باختیارِ خود فقر و فاقے میں زندگی بسر کی اور وہ اسی کو دوست بھی رکھتے اور اپنے حق میں ایسی ہی زندگی کی دعا کیا کرتے تھے کہ اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّ اَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّ احْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسٰکِیْنِ اور اپنی نسل کے حق میں فرمایا کرتے تھے اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ اٰلِ مُحَمَّدٍ کَفَافًا

؁ جس اُمۃ نے حسین کو قتل کیا۔ کیا وہ اِسبات کی اُمید رکھتی ہو کہ قیامۃ کے روز اُن کے نانا کی شفاعۃ اُسے نصیب ہوگی قسم خدا کی اُس روز اُنکا کوئی سفارشی نہ ہوگا اور وہ قیامۃ کے دن مبتلائے عذاب ہونگے ۱۲ ؁ دانشمند کا فعل حکمۃ سے خالی نہیں ہوتا ۱۲ ؁ خدا نے نوح سے فرمایا کہ نوح تمہارا بیٹا تمہارے اہل (وعیال) میں (داخل) نہیں کیونکہ اُسکے عمل اچھے نہیں ۱۲ ؁ خداوندا مجھے محتاجی میں زندہ رکھیو اور محتاجی ہی میں مار یو اور محتاجوں ہی کے زمرے میں اُٹھائیو ۱۲ ؁ اِسکا ترجمہ اوپر گزر چکا۔

| نسل سے قناعۃ نہ ہوسکی لگے سلطنۃ کے خواب دیکھنے اپنا ادب بھی کھو بیٹھے ؎ | | |
|---|---|---|
| این ہم رفت و آن ہم رفت | در پئے جاناں جاں ہم رفت | |

حضرۃ علی رضؓ ہی کو خلافۃ کی کرسی پر بیٹھ کر کتنی فتوحات حاصل ہوگئیں۔ بیچارے صرف چار برس نو مہینے خلافۃ کے ساتھ نام زد رہے اور شروع ہی میں اندرونی خانہ جنگیوں کا سلسلہ جاری ہوگیا اس سے فارغ ہوئے تو معاویہ نے خلافۃ پر قبضہ کیا اور اب وہ برائے نام خلیفہ باقی رہ گئے۔ اِن کے انتقال کے بعد اِن کے بڑے فرزند حسن رضؓ نے خلافۃ پر بہت زور دیا مگر چھ مہینے کے اندر ہی اندر اِن کو بھی خلافۃ سے دست بردار ہونا پڑا۔ اب سلطنت کی باگ معاویہ کے ہاتھ میں رہی اور اُس کے مرے پیچھے اُس کی نسل میں یہ سلسلہ جاری رہا اس وقت نسل فاطمہ کو اپنے محترم نانا کی طرح چاہیئے تھا صبر و قناعۃ مگر علی رضؓ کے دوسرے فرزند حسین رضؓ نے معاویہ کے بیٹے یزید کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا اور کوفے میں آکر اپنی خلافۃ پر لوگوں سے بیعۃ لی جس کا نتیجہ وہ ہوا جو سب کو معلوم ہے۔ فاطمہ کی آئیندہ نسل کو اِس نتیجے سے عبرۃ پکڑنی چاہیئے تھی مگر ملک داری کی ہوس نے ان کو کبھی چین سے بیٹھنے ہی نہیں دیا اور بنو اُمیہ اور بنو فاطمہ دونوں میں عداوت کا بیج بو دیا گیا۔ بنو اُمیہ چونکہ برسرِ حکومت تھے اِن کے پاس فوجیں تھیں خزانے تھے محکمے اور دفاتر تھے۔ نہتے اور بے سر و سامان بنو فاطمہ سے اِن کی ٹکر کیونکر جھیلی جاسکتی تھی ناحق جانیں دیتے تھے اور اِس خیال سے باز نہیں آتے تھے حسین رضؓ کے قتل ہوئے پیچھے عبدالملک بن مروان نے ان کے صاحبزادے زین العابدین کو قید میں رکھا اور آخر کار زہر دے کر مار ڈالا۔ پھر زین العابدین کے فرزند زید نے خلافۃ کا دعویٰ کیا اور ۱۲۱ھ ہجری میں ہشام بن عبدالملک کے لشکریوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔ پھر زید کے فرزند یحییٰ خلافۃ کے دعویدار ہوئے اور یہ بھی ہشام کے لشکریوں کے ہاتھوں سے مارے گئے۔ ہشام بن عبدالملک کے مرے پیچھے سلطنۃ بنو اُمیہ کو زوال ہونا شروع ہوا اور کل تراسی برس میں اِس سلطنۃ کا چراغ بالکل بجھ گیا اب آئے بنو عباس یہ اور بنو فاطمہ اگرچہ ایک دادا کی دو اولادیں تھیں اور اِس لحاظ سے دونوں میں باہم اتفاق ہونا چاہیئے تھا مگر اسی ملک گیری اور ملک داری کی ہوس بے جانے ایک کو دوسرے کے خون کا پیاسا بنائے رکھا۔ یہ زمانہ گو بنو فاطمہ کے حق میں بنو اُمیہ کے زمانے سے بہت زیادہ خطرناک تھا کہ اِس زمانے میں جو محنتیں اور تکلیفیں اِن کو بنو العباس کے ہاتھوں پہنچیں قابلِ ذکر نہیں مگر تو بھی بنو فاطمہ اُسی پُرانی لکیر کو پیٹا کئے منصور عباسی جو خلفاءِ عباسیہ میں دوسرا خلیفہ تھا تخت نشین ہوا تو اُس نے یہ سُن کر کہ حسن بن علی کے پوتے حسن مثنیٰؒ کے بیٹے عبداللہ مجھ پر خروج کرنا چاہتے ہیں بُلا کر قید کر دیا اور انھوں نے قید خانے ہی میں ۱۴۵ھ ہجری کو انتقال کیا۔ عبداللہ کے انتقال پر اِن کے فرزند محمد النفس الزکیہ نے عَلَمِ خلافۃ اٹھایا اور بہت سی جمعیۃ فراہم کر کے بغداد کی طرف بڑھے منصور عباسی یہ خبر پاتے ہی لشکر جرار ساتھ لے مدینے روانہ ہوا۔ اثناءِ راہ میں دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں اور ایک بڑی خونریزی کے بعد محمد النفس الزکیہ عین معرکے میں مارے گئے۔ اِن کے بھائی ابراہیم النفس الرضیہ نے عراق میں دعویٰ خلافۃ کیا اور عراقیوں کا ایک جمِ غفیر ساتھ لے دوبارہ منصور پر فوج کشی کی۔ موضع باحمرا میں دونوں لشکروں کی

مٹھ بھیڑ ہوئی اور ایک عام خونریزی کے بعد ابراہیم قتل کئے گئے۔ ہارون الرشید کے زمانۂ خلافۃ میں عبداللہ کے تیسرے فرزند یحییٰ النفس المرضیہ نے امامت کا دعویٰ کیا اور تھوڑے ہی دنوں میں ہارون الرشید کے اشارے سے زہر دیکر مار ڈالے گئے۔ عبداللہ کے چوتھے بیٹے ادریس نے مغرب میں خلافۃ کا جھنڈا اونچا کیا اور وہیں اُن کا انتقال ہوگیا۔ حسن بن علی رضؓ کے پوتے حسن مثنٰی کے دوسرے صاحبزادے حسن مثلث اپنے بھائی عبداللہ کے ساتھ دعویٰ خلافۃ میں شریک تھے اور اُن ہی کے ساتھ منصور عباسی کے مجلس میں مرگئے۔ حسن مثلث کے انتقال کئے پیچھے اِن کے پوتے حسین نے حجاز میں امامت کا دعویٰ کیا اور حجاز و عراق کے لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعۃ کرکے اِن کو اپنا خلیفہ تسلیم کیا۔ منصور عباسی کے پوتے مہدی کے بیٹے ہادی کو یہ خبر پہنچی تو ایک نہایت خونخوار لشکر مرتب کرکے حجاز کو بھیجا اور حسین موضع فخ میں لشکر ہادی کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔ خلیفہ منصور کے عہد میں حسین بن علی کرّم اللہ وجہہ کے پوتے محمد الباقر کے بیٹے جعفر الصادق پر بغاوۃ کا الزام لگایا گیا تو منصور نے اِن کو قید کردیا لیکن جب جعفر الصادق نے منصور کے ہاتھ پر بیعۃ کی اور اُسے یقین دلایا کہ میں نہ کبھی بغاوۃ کروں گا نہ باغیوں میں شریک ہونگا تو منصور نے اِن کو قید سے رہا کردیا۔ اِن کے بیٹے محمد نے حجاز میں دعویٰ امامت کیا اور ہارون الرشید کے فرزند مامون نے ان کو گرفتار کرکے قید میں رکھا۔ جعفر الصادق کے دوسرے فرزند موسیٰ کاظم کو خلیفۂ مہدی نے قید کیا اور ہارون الرشید نے اپنے زمانۂ خلافۃ میں اِن کو زہر دلواکر مار ڈالا۔ موسیٰ کاظم کے فرزند علی الرضا کو مامون نے جلا وطن کردیا اور پھر زہر دلواکر مار ڈالا۔ علی الرضا کے بیٹے محمد تقی۔ خلیفہ معتصم باللہ کے ایما سے مارے گئے۔ پھر معتصم باللہ نے محمد بن قاسم بن علی بن عمر بن علی بن الحسین کو گرفتار کراکے قید کیا اور یہ قید ہی میں مرگئے۔ متوکل کے زمانے میں حسن بن زید اور محمد بن جعفر اور احمد بن عیسیٰ نے یکے بعد دیگرے خلافۃ کا دعویٰ کیا۔ چونکہ حسن بن زید طبرستان اور دیلمان میں پناہ گزیں تھے متوکل کا اِن پر تو کچھ بس چل نہیں سکا محمد بن جعفر اور احمد بن عیسیٰ کو مادام الحیوٰۃ قید کردیا اِن دونوں نے قید ہی میں انتقال کیا۔ المستنصر باللہ کے عہد میں یحییٰ بن عمر اور حسین بن محمد اور محمد بن جعفر مدعیٔ خلافۃ ہوئے۔ یحییٰ بن عمر کو تو المستنصر نے قتل کرادیا اور حسین بن محمد کو قید کرلیا اور محمد بن جعفر ارمینیہ میں مار ڈالے گئے۔ پھر احمد بن عبداللہ اور اِن کے بھائی ابوالساج نے المعتز باللہ کے زمانے میں علَمِ خلافۃ اونچا کیا۔ اور دونوں المعتز باللہ کے قید خانے میں وفات پاگئے۔ پھر المہتدی باللہ کے عہد میں موسیٰ بن عبداللہ نے دعویٰ امامت کیا اور المہتدی کے حاجب سعید نے عراق میں اِن کا سر کاٹ کر المہتدی کے پاس بغداد میں بھیجدیا۔ موسیٰ بن عبداللہ کے قتل ہوئے پیچھے المہتدی نے علی بن موسیٰ اور محمد بن الحسن اور ابراہیم بن موسیٰ اور عبداللہ بن محمد اور حسین بن محمد کو قتل کیا۔ یہ زمانہ بنو فاطمہ کے لئے بہت ہی ضیق اور تنگی کا زمانہ تھا۔ بہت سے اہلِ بیت تو بلادِ عجم میں جلاوطن ہوگئے اور بہت سے حجاز کے جنگلوں اور پہاڑوں میں چھپتے پھرے تاہم المہتدی نے اِن کا پیچھا نہ چھوڑا اور جہاں تک اُس کا قابو چلا اِن کے ساتھ بُری طرح پیش آیا کیا۔ المہتدی کے مرے پیچھے المعتضد اور المعتمد اور المقتدر یہاں تک کہ

معتصم کے زمانے تک جو خلفاء عباسیہ میں سب سے پچھلا خلیفہ تھا بنو فاطمہ اسی ضیق میں زندگی بسر کرتے رہے۔ بنو العباس کی خلافت کا خاتمہ ہوا تو پھر جیلان اور دیلمان وغیرہ میں جو بلادِ عجم کے بڑے نامور شہر ہیں اور نجد یمن اور اُسکے اطراف و جوانب میں بنو فاطمہ کا رسوخ جم گیا اور رفتہ رفتہ انھوں نے اچھا خاصا عروج حاصل کر لیا۔

ہم کو جب کبھی اِن معاملات کا خیال آتا ہے تو اُسی وقت عربی کا ایک شعر بھی یاد آجاتا ہے جیسے کوئی ہاتفِ غیب کہہ رہا ہو؎

وَاِنَّ الصَّغِیْرَ یَھِیْجُ الْکَبِیْرَ ۔۔۔ وَاِنَّ الْعَزِیْزَ اِذَا شَآءَ ذَلَّ[1]

اسی کو ہمارے یہاں بات کا بتنگڑ کہتے ہیں۔ دو عورتوں کی آپس کی ضد نے (اور ضد بھی کھانے کی نہیں پہننے کی نہیں خرچ پات کی نہیں سلوک مدارات کی نہیں خیالی برتری کی) کیا طول پکڑا ہے کہ ڈیڑھ ہزار برس ہونے کو آئے اور یہ جھگڑا طے نہ ہوا اور اب خدا ہی کے یہاں چل کر ہوگا اور مزہ یہ ہے کہ جن میں جھگڑا تھا مدتیں ہوئیں مر کھپ گئے اور مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِیَامَتُہٗ کی رُو سے مرتے کے ساتھ اِن کی جزا یا سزا شروع ہو گئی ہوگی۔ حکم اخیر ہو کر مثل داخلِ دفتر ہو چکی، ہم ہیں کہ مقدمے کا پیچھا نہیں چھوڑتے؎

خیالِ زلفِ بتاں میں نصیر پیٹا کر ۔۔۔ گیا ہے سانپ نکل تو لکیر پیٹا کر

ہم تو خلافت کے پہلے ہی انتخاب سے سمجھ گئے تھے کہ بس علی رض اور انکی نسل سے تو خلافت گئی اور ایسا ہی ہوا کہ ابوبکر رض باجماع اُمت پہلے خلیفہ قرار پائے۔ اُس مجمع میں علی رض تو آنہ سکے پیغمبر صاحب کی تجہیز و تکفین کے فکر میں تھے۔ علی رض کے سوائے مہاجرین و انصار سبھی تو موجود تھے۔ خلافت کے بارے میں جھگڑا ہونے ہی کو تھا کہ ابوبکر رض نے انصار کو ٹھنڈا کیا اور چونکہ ابوبکر رض اور عمر رض کی ملی بھگت تھی عمر رض کے ڈر سے مہاجرین میں سے کوئی دم نہ مار سکا اور یوں ابوبکر رض بلا خلاف پہلے خلیفہ قرار پائے۔ معاملے میں پیچ پر پیچ تو یوں پڑتا گیا کہ پیغمبر صاحب کی تجہیز و تکفین بھی نہیں ہونے پائی تھی کہ سقیفۂ بنی ساعدہ میں ابوبکر رض کے لئے خلافت کی بیعت لی جا رہی تھی شیعوں کی طرف سے یہ بڑا بھاری اعتراض ابوبکر رض اور عمر رض پر کیا جاتا ہے۔ بے شک یہ فعل بظاہر بہت ہی بے جا معلوم ہوتا ہے مگر جس طریق پر انسانی طبائع مجبول ہوئی ہیں اُس سے اور ابوبکر رض اور عمر رض دونوں کے خلافت سے پہلے اور خلافت کے بعد کے عمل درآمد سے ہرگز عقل قبول نہیں کرتی کہ خلافت کی طمع سے انھوں نے عمر بھر کے حقوقِ صحبت کو دم کے دم میں بھلا دیا ہو جسوقت پیغمبر صاحب کی روح پاک نے جسدِ شریف سے مفارقت کی ابوبکر تو اعالی مدینہ گئے ہوئے تھے آکر معلوم کیا کہ مسجد گریہ و بکا کی آوازوں سے پڑی گونج رہی ہے۔ عمر رض حواس باختہ مسجد کے دروازے پر تلوار سونتے کھڑے کہہ رہے ہیں کہ پیغمبر صاحب ہرگز نہیں مرے جو شخص ایسا بدکلام موہنہ سے نکالے گا ابھی تو اُس کا سر تن سے جدا کر دوں گا۔ ابوبکر رض اندر گئے پیغمبر صاحب کا موہنہ کھول کر دیکھا پیشانی پر بوسہ دیا۔ روئے اور کہا بس یہ آپ کا آخری مرنا ہے۔ پھر ضبط کر کے مسجد میں آئے اور عمر رض سے کہا یہ تم کیا کہہ رہے ہو کہ پیغمبر صاحب ہرگز نہیں

[1] بے شک چھوٹی بات بڑھتے بڑھتے بڑی ہو جاتی ہے اور آبرودار جب چاہتا ہے ذلیل ہو جاتا ہے ۱۲

مرے ؟ واسد پیغمبر صاحب تو انتقال فرما گئے۔ کیا تم وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰی اَعْقَابِكُمْ بھول گئے لیکن خدا زندہ ہے اور اُس کا دین زندہ ہے۔ پھر سُنا کہ لوگ سقیفے میں جمع ہیں۔ عمرؓ کو ساتھ لے کر اُدھر دوڑے گئے اور فتنے کو فرو کیا۔ اگر یہ بروقت نہ پہنچتے تو پیغمبر صاحب کو تو کھو ہی چکے تھے اسلام کو بھی سر پہ ہاتھ دھر کر روتے۔ خدا جانے کون پیغمبر صاحب کا جانشین بن بیٹھتا مہاجرین اور انصار آپس میں کٹ مرتے اور پیغمبر صاحب کی ساری عمر کی کوشش دم زدن میں اکارت جاتی۔ کچھ شک نہیں کہ ابوبکر نے اس وقت بڑی دانشمندی کی ہے ورنہ اسلام گیا ہی تھا خدا نے رکھا۔ رہی تجہیز و تکفین آخر علیؓ اور عباسؓ وغیرہ پیغمبر صاحب کے لواحق اس کے اہتمام میں لگے ہی تھے۔ ادھر علی شریک بیعۃ نہ ہوسکے تو یہ بھی انکے حق میں اچھا ہوا کیونکہ ابھی تھوڑی دیر پہلے خود واقعۂ قرطاس کو چھیڑ کر اپنے بارے میں لوگوں کی رائے معلوم کرہی چکے تھے ان کے ہوتے لوگ ابوبکرؓ کے ہاتھ پر خلافۃ کی بیعۃ کرتے تو ان کے دعوے میں اور بھی ضعف آجاتا۔ علیؓ پیغمبر صاحب کی زندگی ہی میں آس لگائے بیٹھے تھے کہ پیغمبر صاحب کے بعد میں اُن کا جانشین ہوں گا۔ ان کو پیغمبر صاحب کے ساتھ ایک خاص طرح کی خصوصیۃ تھی اور اس خصوصیۃ کی وجہ سے وہ اپنے تئیں پیغمبر صاحب کا فرزند ولی عہد خلیفہ سب کچھ سمجھتے تھے۔ غلطی یہ تھی کہ ان کو پیغمبر صاحب کے چند در چند تعلقات پر نظر تھی۔ بس یہی فساد کی جڑ تھی۔ باوجود متواتر ناکامیوں کے بھی انھوں نے اپنے اس خیال کو نہیں چھوڑا۔ ابوبکرؓ کے خلیفہ قرار پاتے وقت وہ اپنا دعوے پیش نہ کرسکے تو خیر پیغمبر صاحب کی تجہیز و تکفین کا ایک عذر بھی تھا بعد کو بھی انھوں نے ابوبکر کی خلافۃ سے انکار نہیں کیا بلکہ دوسرے جلسے میں حاضر ہوکر انکی خلافۃ کو تسلیم کرلیا اور انکار کرتے یا خلافۃ کو تسلیم نہ کرتے تو کُھلی بغاوۃ سمجھی جاتی اور جنھوں نے ابوبکرؓ کو خلیفہ بنایا اور تسلیم کیا تھا کنفس واحدۃ مقابلے کے لئے کھڑے ہوجاتے مگر انھوں نے اسی جانشینی کے دعوے کو ایک اور صورۃ میں پیش کیا کہ فاطمہؓ نے فدک کی اراضی پر قبضہ دلائے جانے کا استغاثہ کیا۔ یہ زمین یہودیوں سے بے لڑے پیغمبر صاحب کو حاصل ہوگئی تھی۔ یہ بھی ایک قسم کی غنیمۃ تھی مگر اس کے بارے میں خدا کا حکم خاص تھا کہ مَا اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ[1] فاطمہؓ نے اپنا دعویٰ قاعدۂ میراث پر مبنی کیا۔ ابوبکرؓ نے فاطمہؓ کا دعویٰ خارج کردیا کہ میں پیغمبر صاحب کا جانشین ہوں اس زمین کے محاصل سے بے کم و کاست وہی سارے مصارف چلاتا رہوں گا جو پیغمبر صاحب چلاتے رہے۔ ابوبکرؓ پر فاطمہؓ کی درخواست نامنظور کرنے کا بھی بڑا اعتراض کیا جاتا ہے۔ مگر ہم تو ابوبکرؓ کے طرزِ عمل میں اعتراض کی کوئی بات نہیں پاتے اگر اراضی فدک میں ما افاء اللہ علی رسولہ الخ کے خلاف علم میراث کا قاعدہ جاری کیا جاتا تو اس میں اُمہات المومنین اور اُن کے زمرے میں خود ابوبکرؓ کی بیٹی عائشہؓ بھی حقدار تھیں۔ مگر فاطمہؓ کے سوائے کسی حقدار نے دعویٰ نہیں کیا۔ بھلا عائشہؓ نے تو شاید اس لئے دعویٰ

[1] اس کا ترجمہ اوپر گزرچکا ۱۲ ستہ جو (مال) اللہ اپنے رسول کو (ان) بستیوں کے لوگوں سے مفت میں دلوادے تو (وہ) اللہ کا (حق) ہے اور رسول کا اور (رسول کے) قرابت داروں کا اور یتیموں کا اور محتاجوں کا اور (بے توشے) مسافروں کا ۱۲

نہ کیا ہو کہ ان کے باپ خلافت کے دعوے سے کُل اراضی پر قابض تھے اور باپ بیٹی کچھ دو نہیں تھے مگر دوسری اُمّہات المومنین کیوں سکوت کئے بیٹھی رہیں؟ اسی وجہ سے نا کہ ان کو معلوم ہو گیا تھا کہ انبیا علیہم السلام کے متروکے میں قاعدۂ میراث جاری نہیں ہوتا۔ علاوہ بریں یہ بات بھی کہیں دیکھنے میں نہیں آئی کہ ابوبکرؓ نے مصارف میں جو پیغمبر صاحب نے مقرر کر رکھے تھے کسی طرح کا ردّ و بدل کیا اور کسی طرف سے اس کی شکایت پیش ہوئی۔ بلکہ عمرؓ نے تو اپنے عہدِ خلافت میں خود علیؓ اور عباسؓ کو اس کا امین مقرر کر دیا تھا اور انھوں نے بھی وہی کیا جو ابوبکرؓ کرتے تھے اس واسطے کہ ابوبکرؓ وہی کرتے تھے جو پیغمبر صاحب کرتے تھے، وہ حساب ہی ایسا کون سا لمبا چوڑا تھا، دانے دانے کا خرچ ہر ایک کو معلوم تھا، پس جس طرح واقعۂ قرطاس کو بے محل چھیڑا گیا اور آخر کو وہ علیؓ کے حق میں مضر ثابت ہوا دعویٰ فدک اس سے زیادہ بے محل تھا، اس وقت کے لوگوں نے ضرور خیال کیا ہوگا کہ یہ بھی حرمانِ خلافت کے جلے پھپھولے پھوڑنا ہے اور عجب نہیں اسی خیال سے ابوبکرؓ نے کہ وہ صحابہ میں بڑے فہمیدہ اور واقف کار تھے باختیارِ خود وصیت کی رُو سے اپنے بعد عمرؓ کو خلیفہ بنا دیا۔ اُن کا یہ کام یک کرشمہ دو کار کی قسم کا تھا کہ اس سے ایک تو عمرؓ کے حُسن احسان کی تلافی ہو گئی کہ سب سے پہلے عمرؓ ہی نے ابوبکرؓ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی اور ان کی دیکھا دیکھی اوروں نے، یعنی سچ پوچھو تو انتخاب کے وقت عمرؓ نے ابوبکرؓ کو خلیفہ بنایا تھا۔ دوسرے عمرؓ کے حق میں خلافت کی وصیت کرنے سے ابوبکرؓ نے انتخاب کا ڈر یہ ہی پھونک دیا تاکہ علیؓ کو دعویٰ خلافت کا موقع ہی نہ دیا جائے۔ پھر عمرؓ نے مرتیوں کو آپ پنچوں کو نام زد کر کے اُن کو خلافت کا اختیار دے دیا۔ ہونا تو یہی تھا جو ہوا اور ہونا بھی یہی چاہیئے تھا جو ہوا مگر چونکہ دوسری خلافت تک کسی نے علیؓ کی بات تک نہیں پوچھی اس سے پہلی دو خلافتوں پر جبری اور سازشی اور یک طرفہ کارروائی کرنے کا اشتباہ کیا جا سکتا ہے۔ باوجودے کہ فاطمہؓ کے حق اور حصّے میں جو کچھ بھی اُن کا فدک میں رہا ہو کسی وقت کسی طرح کی کمی نہیں کی گئی۔ تاہم اُنھوں نے اگلی کدورتوں کی وجہ سے اپنی درخواست کے منظور نہ کئے جانے سے بڑا بُرا مانا۔ ابوبکرؓ وغیرہ سے بات چیت کرنی چھوڑ دی۔ مرتے وقت وصیت کی کہ مجھے رات کے وقت دفن کرنا اور یہ لوگ میرے جنازے پر نہ آنے پائیں۔ کس بلا کا غصّہ ہے خدا کی پناہ۔ ادھر فاطمہؓ ایک سیر کی تھیں کہ مرتے مر گئیں اور اپنی آن نہ چھوڑی تو ادھر عائشہؓ سوا سیر کی کہ فاطمہؓ جوان مرگ مر گئی تھیں علیؓ کا سارا گھمنڈ فاطمہؓ کے مرنے سے کرکرا ہو گیا تھا اور ہائے دبے پس خوردہ خلافت ان کو نصیب ہوا تھا وہ بھی ادھورا کہ عراق و شام کے لوگ علیؓ کی خلافت سے راضی نہ تھے پھر بھی عائشہؓ۔ علیؓ کو نیچا دکھانے کی تاک میں تھیں۔ علیؓ مسندِ خلافت پر جم کر بیٹھنے بھی نہیں پاتے تھے کہ قاتلانِ عثمان کا قصاص لینے کی غرض سے علیؓ پر فوج کشی کر بیٹھیں گویا علیؓ نے عثمان کو قتل کیا یا کرا دیا ہے۔ ہمارے ملک میں عورتوں کا ایک طبیعی خاصہ تریاہٹ اور ایک تریاچرتر بھی مانا گیا ہے تو وہی بات ہم فاطمہؓ اور عائشہؓ میں پاتے ہیں۔ فاطمہؓ تو انتقال فرما گئیں اور ان کی ہٹ بھی تم نے دیکھ لی۔ اب رہ گئیں عائشہؓ تو ان کا ایک چرتر تو یہ تھا کہ پیغمبر صاحب پر مرض الموت کی شدت ہوئی تو آپ اس قدر ناتواں ہو گئے تھے کہ اُمّہات المومنین کے رہنے کے حجرے مسجد سے ملحق تھے، مسجد میں جانے کے لئے حجروں میں اندرونی رستے

بھی نہ تھے کہ حجرے سے نکلے مسجد میں نماز پڑھی اور پھر حجرے میں ہو رہے۔ علالت کی حالت میں ضعف کی وجہ سے اتنا نہیں ہو سکتا تھا کہ عائشہ رض کے حجرے سے نکل کر مسجد تک جائیں تو آپ نے عائشہ رض سے فرمایا کہ نمازی مسجد میں میرے منتظر ہیں میں تو جا نہیں سکتا اپنے باپ سے کہو کہ میری جگہ امامت کریں۔ عائشہ رض بولیں کہ ابوبکر رض بڑے رقیق القلب ہیں اُن سے آپ کی جگہ نماز پڑھاتے بن نہیں پڑے گی عمر رض کو ارشاد ہو تو وہ امامت کریں۔ اِس پر پیغمبر صاحب نے ناخوش ہو کر فرمایا اِنَّکُنَّ لَصَوَاحِبُ یُوْسُفَ نہیں جیسا میں کہتا ہوں ابوبکر امامت کریں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ابوبکر رض نے برابر تین دن امامت کی۔ اب سوچنے کی بات ہے کہ پیغمبر صاحب نے یہ کیا فرمایا اِنَّکُنَّ لَصَوَاحِبُ یُوْسُفَ اِس کا مطلب کیا تھا۔ اِن کُنَّ لَصَوَاحِبُ یُوْسُفَ کے لفظی معنے تو یہ ہیں کہ "تم عورتیں یوسف والیاں ہو" لیکن معلوم کرنا چاہیے کہ پیغمبر صاحب نے عائشہ رض اور اُن کی ساتھ والیوں کو کیا سمجھ کر یوسف والیاں فرمایا۔ یوسف ع کا قصہ قرآن کی ایک مستقل سورۂ یوسف میں موجود ہے اور یوسف والیاں زلیخا اُس کی لونڈی باندیاں اُس کی مصاحب (کہ زلیخا کوئی گری پڑی عورت تو تھی نہیں۔ عزیز مصر کی بیوی تھی) اور وہ بیبیاں جنھیں یوسف ع کے دکھانے کو زلیخا نے دعوت دی تھی اور پھر انہیں عورتوں نے بادشاہِ مصر کے آگے یوسف ع کی صفائی کی شہادت دی تھی اچھا پھر عائشہ رض اور زلیخا سے کیا مناسبت کہ پیغمبر صاحب نے عائشہ رض کو زلیخا بنا دیا۔ شراحِ حدیث نے اِسکی کئی توجیہیں کی ہیں سو ہماری سمجھ میں تو آئی نہیں۔ آخر سوچ کر ہم ہی نے یہ مطلب نکالا کہ پیغمبر صاحب نے عائشہ رض کے مطلق چرتر کی طرف اشارہ کیا۔ قرآن میں زلیخا کے چرتر کو لفظِ کید سے تعبیر کیا ہے اِنَّ رَبِّیْ بِکَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌ[1] اِنَّهٗ مِنْ کَیْدِکُنَّ اِنَّ کَیْدَکُنَّ عَظِیْمٌ[2] کید کے معنے ہیں مکر۔ تدبیر۔ حیلہ۔ فریب۔ بہرکیف کید کے مفہوم میں تدبیر کے ساتھ چالاکی بھی داخل ہے۔ اسی کو ہمارے یہاں چرتر کہتے ہیں اور ہم نے کید کا ترجمہ چرتر ہی کیا بھی ہے۔ زلیخا کا چرتر تو قرآن سے معلوم کر سکتے ہو۔ عائشہ رض کا چرتر یہ تھا کہ وہ دل سے تو باپ کی امامت اور خلافت سبھی کچھ چاہتی تھیں اور پیغمبر صاحب کو معلوم تھا اور اس وقت ظاہر میں تو باپ کو ناقابلِ امامت بتایا مگر بات ایسی کہی جس سے ظاہر ہو کہ ابوبکر رض سے بڑھ کر پیغمبر صاحب کا کوئی ہوا خواہ نہیں اس کے یہ معنے کہ ابوبکر رض سے بڑھ کر کسی کو امامت اور خلافت کا استحقاق نہیں اور یہی تمام صحابہ میں افضل اور اَولےٰ بالامامت والخلافت ہیں۔ یہ اسی قسم کی بات ہوئی جیسا کہ ایک شاعر کہتا ہے ؎

| | |
|---|---|
| وَلَا عَیْبَ فِیْهِمْ غَیْرَ اَنَّ سُیُوْفَهُمْ | بِهِنَّ فُلُوْلٌ مِّنْ قِرَاعِ الْکَتَائِبِ |

ذم کے پیرایے میں مدح بن جاتی ہے مندھ یا ہائے۔ اسی کو ہم چرتر کہتے ہیں اور اسی پر پیغمبر صاحب نے عائشہ رض کو زلیخا سے تشبیہ دی۔ زنانخانے کی باتوں کا پتہ لگنا مشکل ہوتا ہے کون عورتوں کا روزنامچہ لکھا کرتا ہے جس سے ان کے حالات معلوم ہوں۔ یہ بھی پیغمبر صاحب کا گھر ہے کہ مستورات کی دو چار باتیں کتابوں میں آگئی ہیں۔ اِن ہی باتوں

[1] بے شک اِن کے چرتروں کو میرا پروردگار ہی خوب جانتا ہے ۱۲ [2] یہ بھی تم عورتوں کے چرتر ہیں کچھ شک نہیں کہ تم عورتوں کے چرتر بڑے (غضب کے ہوتے) ہیں ۱۲۔

سے ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ کون کس مزاج کی تھی۔ پیغمبر صاحب کا دستور تھا کہ ہر ایک ام المومنین کو خوش رکھنا چاہتے تھے اور اس سے حقیقت میں اُمّت کو خانہ داری کا اسلامی طریق دکھانا سکھانا مقصود تھا مگر اُمہات المومنین کی عمریں تھیں مختلف۔ صورتیں مختلف۔ مزاج مختلف۔ حالات مختلف۔ تاہم پیغمبر صاحب نے اپنے اس دستور کو کسی حالت میں فوت ہونے نہیں دیا۔ تو پیغمبر صاحب کو ہر ایک اُمہات المومنین کے ساتھ اُس کے مناسب حالت برتاؤ کرنا پڑتا تھا۔ عائشہ رضؓ میں دو باتیں خاص تھیں۔ وہ عمر کے اعتبار سے بچی تھیں وراُن کے کھیلنے کھانے کے دن تھے اور تھیں پیغمبر صاحب کے یار یک جان و دو قالب ابو بکر رضؓ کی بیٹی اس وجہ سے پیغمبر صاحب کا برتاؤ بھی ان کے ساتھ خاص طرح کا تھا کہ ان کے ساتھ گڑیاں کھیلنے کے لئے انصار کی لڑکیوں کو بلا بھیجتے۔ ایک مرتبہ حبشیوں کے گدکا پھری کا تماشا دکھانے کو دیر تک ان کی خاطر آڑے کئے کھڑے رہے صحابہ بھی جس کو تحفے تحائف بھیجنے ہوتے تاک کر عائشہ رضؓ ہی کی باری میں بھیجتے۔ ان سب باتوں کو عائشہ رضؓ اپنے دل سے اس پر محمول کرتیں کہ زمرۂ مستورات میں پیغمبر صاحب کو وہی سب سے زیادہ عزیز ہیں اسی خیال سے وہ بر خود غلط بھی ہو گئی تھیں دوسری اُمہات المومنین سے اپنے تئیں برتر سمجھتی تھیں اور اُن کی تذلیل کر بیٹھتی تھیں جس کا ان کو کوئی حق نہ تھا ایک مرتبہ ام المومنین صفیہؓ کو یہودیہ کہہ دیا کہ پیغمبر صاحب جب ام المومنین صفیہؓ کو نکاح کر کے خیبر سے مدینے لائے تو سب اُمہات المومنین انکے دیکھنے کو آئیں۔ عائشہ رضؓ جب دیکھ کر نکلنے لگیں تو پیغمبر صاحب نے کہا اے شقیرا تم نے کیا دیکھا کہا میں نے دیکھا کہ ایک یہودن بیٹھی ہے پیغمبر صاحب نے فرمایا ایسا مت کہو وہ اسلام لائی ہے اور اُس کا اسلام اچھا ہے وہ خدا کی نیک بندی ہے۔ تم ابو بکر کی بیٹی ہو تو وہ ہارون علیہ السلام پیغمبر کی۔

ام المومنین ام حبیبہ نے اپنے گھر کسی قسم کا حلوا بنایا۔ باری تھی عائشہ رضؓ کی ان ہی کے گھر پیغمبر صاحب کے چکھنے کو بھیجدیا انھوں نے مارے جلن کے لانے والے کے ہاتھ کو ایسا جھٹکا دیا کہ حلوا کا حلوا زمین پر گر کر ضائع گیا اور پیالہ ٹوٹا سو الگ اور پیغمبر صاحب بیٹھے دیکھا کئے پیغمبر صاحب ہی جیسے حلیم تھے کہ پیالے کا تاوان دلانے پر قناعت کی اور تاوان دلانا کیا معنے آپ تاوان بھرا۔ عائشہ رضؓ سوکنوں کے بارے میں اس قدر حد سے بڑھ چلی تھیں کہ پیغمبر صاحب خدیجہ رضؓ کا ذکر خیر کرتے ہوتے تو کہتیں میرے سامنے کیا اُس بوڑھی دُلہن بچہ کش کے مرنے کا افسوس کیا کرتے ہو خدا نے تم کو اُس سے بہتر بیبی دی ہے یعنی میں۔ بھلا ان سے توقع کی جا سکتی ہے کہ یہ فاطمہ رضؓ اور علی رضؓ کے ساتھ خاطر مدارات سے پیش آتی ہوں گی مگر ہاں یوں کہو کہ پیغمبر صاحب کی زندگی میں اُن کی عنایت خاص کے ہوتے علی رضؓ اور فاطمہ رضؓ کو عائشہ کی یا کسی کی پروا ہی کیا تھی۔

پیغمبر صاحب کے انتقال کے بعد علی رضؓ نے اپنے لئے خلافت کا احراز کرنا چاہا اس بنا پر کہ پیغمبر صاحب کے عزیزوں میں ان کے سوائے اس منصب جلیل کا اہل اور تھا بھی کون یعنی علی رضؓ اپنے استحقاق کو فی زعمہ فاطمہ رضؓ کے ذریعے سے ایک طرح کی وراثت پر مبنی کرتے تھے مگر دعوے کا ضعف خود دعوے سے ظاہر ہے۔ اوّل تو اسی میں کلام ہے کہ خلافت میں میراث کا قاعدہ چل بھی سکتا تھا یا نہیں۔ اگر یہ شق اختیار کی جائے کہ چل سکتا تھا تو اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے

کہ اس صورۃ میں ماننا پڑے گا کہ جو علاقے پیغمبر صاحب کی زندگی میں فتح ہوتے تھے وہ پیغمبر صاحب کی ذاتی ملکیۃ تھے حالانکہ زمین خیبر اور اراضی بنی نضیر کے سوائے جو بے لڑے پیغمبر صاحب کو ہاتھ آئی تھیں اور دیوانِ ضلیٰ حوالہ کر دی تھی تمام علاقہ مفتوحہ عامۃ مسلمین کی ملکیۃ تھا اور یہیں سے یہ بات بھی مستنبط ہوتی ہے کہ پیغمبر صاحب کا منشا جمہوری سلطنت کے قائم کرنے کا تھا نہ شخصی کا اور اسی پر پیغمبر صاحب اپنی زندگی میں عمل فرماتے رہے۔

غرض زمین خیبر اور اراضی بنی نضیر کی حالۃ بین بین تھی درمیان ملکیۃ عامۃ مسلمین اور ملکیۃ خاص پیغمبر صاحب اور قاعدہ میراث اس میں بھی نہیں چل سکتا تھا۔ علاقہ مفتوحہ اور ان زمینوں کو الگ کر دیا جائے تو خلافۃ ایک لفظ رہ جاتا ہے جس کے کچھ معنے نہیں ہم یہ تو نہیں کہتے کہ علی رضؓ کو خود اپنے دعوے کا ضعف معلوم تھا اور اسی لئے وہ عین وقت پر سقیفے نہیں آئے لیکن ہاں یہ تو چار و ناچار تسلیم کرنا ہوگا کہ ضعفِ دعوے کے خیال سے بخوف ابو بکر رضؓ اور عمر رضؓ کی خلافۃ میں دعویٰ تو درکنار اپنے حرمان کی شکایۃ تک نہیں کی مگر ہاں ان کو اس کا خیال تو ضرور تھا اور یہ خیال اٰحمل بھی نہ تھا ان کے حق میں پیغمبر صاحب نے دَمُکَ دَمِیْ وَلَحْمُکَ لَحْمِیْ[1] اور اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی[2] فرمایا تھا اور نہ بھی فرماتے تو ان کا اور پیغمبر صاحب کا گوشت پوست خون ایک تھا۔ وہ پیغمبر صاحب کے حقیقی چچا زاد بھائی تھے اُن کو پیغمبر صاحب نے بچپن سے بیٹوں کی طرح پالا تھا ایک روایۃ میں ہے کہ علی طفل نوزائیدہ تھے دودھ کے لئے روتے اور کسی عورۃ کی چھاتی موںہ میں نہ لیتے تو پیغمبر صاحب اپنی زبان ان کو چُساتے اور وہ سیر ہو کر سو جاتے۔ ان کی سب سے بڑی خصوصیۃ یہ تھی کہ پیغمبر صاحب نے اپنی لختِ جگر فاطمۃ الزہراء کو ان سے بیاہ دیا تھا اور ان سے پیغمبر صاحب کی نسل چلی تھی۔ وہ اپنی ذات سے بڑے لائق تھے کہ پیغمبر صاحب نے اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُہَا[3] سے ان کی لیاقۃ کی تصدیق اور توثیق فرمائی تھی وہ شجاعۃ اور سخاوۃ اور خطابۃ اور زہد مندی میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ اُن کی اصابۃ رائے پر پیغمبر صاحب کو کلی اعتماد تھا کہ نوعمری میں اُن کو یمامہ کا قاضی بنا کر بھیج دیا تھا۔ جس رات کفار مکہ پیغمبر صاحب کو بغتۃً مار ڈالنے کے ارادے سے رات بھر پیغمبر صاحب کا گھر گھیرے پڑے رہے پیغمبر صاحب ان کو اپنی جگہ لٹا کر چپکے سے باہر نکل گئے تھے۔ این کار از تو آمد و مرداں چنیں کنند خیبر فتح نہیں ہوتا تھا آخر پیغمبر صاحب نے ایک دن فوجی افسروں کو جمع کر کے فرمایا کہ کل جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو اس مُہم کو سر کرے گا اور وہ علی رضؓ تھے۔ ہجرۃ کے نویں برس ابو بکر رضؓ کو قافلہ سالار بنا کر حاجیوں کو مدینے سے مکے روانہ کیا آتے میں سورۂ براءۃ کی شروع کی آیتیں نازل ہوئیں اور ان کا موسم حج میں اعلان کرنا ضرور تھا پیغمبر صاحب آیتیں دے کر علی رضؓ کو دوڑایا کہ حج کی امامۃ تو ابو بکر بجا لائیں تم میری طرف سے آیتوں کا اعلان کرو چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یوں پیغمبر صاحب ابو بکر رضؓ اور علی رضؓ دونوں کے پلّوں کو برابر تُلا رکھتے تھے علی رضؓ کی بجائے خود اتنی خصوصیتیں اتنی خدمتیں اتنی فضیلتیں تھیں کہ ان کے ہوتے علی رضؓ نے اگر توقعِ خلافۃ کو دل میں جگہ دی ہو تو کوئی اُنکو توقعِ بے جا

[1] تیرا خون میرے خون میں اور تیرا گوشت پوست میرے گوشت پوست میں ملا ہوا ہے ۱۲ [2] تم میری نسبۃ ایسے ہو جیسے ہارون موسیٰ کی نسبۃ تھے ۱۲ [3] میں علم کا شہر ہوں اور علی اُس کا دروازہ ۱۲

یا فزوں تر از استحقاق نہیں کہہ سکتا۔ علی رضؓ میں ہم صرف دو باتوں کی کسر پاتے ہیں۔ ایک تو ان کی نوعمری کی دوسرے اس بات کی کہ اسلام کو جو کچھ فروغ ہوا وہ اکیلے علی رضؓ کے کرنے سے تو نہیں ہوا اسمیں کتنے مہاجرین کتنے انصار شریک تھے۔ علی رضؓ نے جوش میں دوسروں کے تعلقات دوسروں کی خدمات پر واجبی نظر نہیں کی اور کچھ اُفتاد ایسی آکر پڑی کہ ان کی اُمیدواری سرسبز نہ ہوئی اور وہ سرسبز ہونے والی تھی بھی نہیں۔ خلافتِ علی رضؓ کی تائید میں شیعہ صاحبان جو احادیث پیش کرتے ہیں اگر وہ موضوع نہ بھی ہوں تاہم کسی ایک سے بھی صاف طور پر استخلاف ثابت نہیں ہوتا۔ سب میں قوی تر وہ حدیث ہے جس میں الفاظ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ[1] واقع ہیں تو لفظِ مولٰی بہت سے معانی میں مستعمل ہوتا ہے برادر۔ عم زاد۔ آقا۔ غلام آزاد۔ دوست۔ ناصر و مددگار یہاں آقا اور دوست اور ناصر و مددگار کے معنے مراد لئے جا سکتے ہیں اور کوئی سے معنی بھی لو استخلاف ثابت نہیں ہوتا جن لوگوں کے روبرو اور جن کی سماعت میں پیغمبر صاحب نے ایسا فرمایا اُن میں سے کسی نے بھی علی رضؓ کی خلافت کے لئے وقت پر اس حدیث سے استدلال نہ کیا اللھم الا ان یقال کہ سب نے جان بوجھ کر پیغمبر صاحب کے حکم صریح کے خلاف کیا اور اسکو تو عقل قبول نہیں کرتی کہ ایسا فرض کر لینا جان نثار اطاعت گزار صحابہ کی شان کے بالکل خلاف ہے۔ یہ کہنا آسان ہے کہ وہ سرے سے مسلمان ہی نہ تھے۔ بہ نسبت اس کے کہ پیغمبر کے حکم سے سرتابی کرتے تھے۔ بلکہ ہمارا تو یہ خیال ہے کہ خود علی رضؓ اپنے تئیں منصوص بالخلافۃ نہیں سمجھتے تھے اور سمجھتے ہوتے تو عین وقت پر اپنا دعویٰ پیش کرتے اور وقت پر پیش نہیں کر سکتے تھے تو ابوبکر رضؓ اور عمر رضؓ کی دو خلافتوں میں اُن کو کافی مہلت ملی تھی بس سوائے اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ حضرات شیعہ نے اپنے معتقدات کی بچت کے لئے ایک بات بنائی ہے۔ مدعی سُست گواہ چُست۔ اور کیا علی رضؓ کے اتنے سکوتِ ممتد کو رضا پر محمول نہیں کر سکتے۔ اچھا یہ بھی نہ سہی اب تیسری مرتبہ ایک اور اتفاق پیش آیا کہ ابو لؤلؤ ایک مجوسی غلام تھا اور وہ تھا بڑا کاریگر کلیں بنایا کرتا تھا۔ اس پر عاملِ عمر رضؓ نے جزیے کی ایک رقم لگادی تھی۔ ابو لؤلؤ مرافعہ کرنے مدینے عمر رضؓ پاس آیا۔ عمر رضؓ نے یہ معلوم کرکے کہ کلیں بناتا ہے جزیہ نہ تو معاف کیا نہ اُس میں کچھ کمی کی اور اُلٹی اُس سے فرمائش کی کہ مدینے کے لئے ہمیں آٹا پیسنے کی ایک ہوا چکی بنا دے۔ وہ جلا ہوا تو تھا ہی اُس نے کہا ضرور میں آپ کے لئے ایسی چکّی بنادوں گا جس کی گڑگڑاہٹ دور تک سُن پڑے گی۔ عمر رضؓ اسکا مطلب سمجھے ورنہ کچھ احتیاط کر بھی لیتے وہ تاک میں لگا رہا۔ آخر ایک دن سویرے مونھ اندھیرے نماز صبح تیّار تھی۔ عمر رضؓ مقتدیوں کی صفیں برابر کرواتے پھرتے تھے۔ ابو لؤلؤ ایک ستون کی آڑ میں چھُپا ہوا تھا۔ جوں برابر آئے نکل کر پیٹ میں ایسا خنجر مارا کہ جو پانی پیتے تھے باہر آجاتا تھا۔ یقین ہوا کہ گھاؤ مہلک ہے جاں بر ہونے والے نہیں تو اُنھوں نے لاعلی التعیین چھ شخص تجویز کئے۔ علیؓ۔ عثمانؓ۔ طلحہؓ۔ زبیرؓ۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ۔ سعد بن ابی وقاصؓ۔ کہ یہ چھوں بصلاح ہو کر اپنے میں سے کسی ایک کو خلیفہ بنا لیں۔ مجرّد یہ رُوداد کہ ابوبکر اور عمر دونوں نے خلافت کو اپنی نسلوں میں چلانا نہیں چاہا۔ حالانکہ دونوں کے فرزند کام کے سنبھالنے کے قابل اور صحابی تھے بیّن ثبوت اس بات کا ہے کہ دونوں نے خلافت کے بارے میں نیک نیتی سے وہ کیا جس کو اسلام کے لئے مفید سمجھا۔ بھلا ابوبکر رضؓ اور عمر رضؓ کی دفعہ تو علی رضؓ سے پوچھا

[1] جس کا حامی و مددگار میں ہوں اُس کے حامی اور مددگار علی ہیں ۱۲

نہیں گیا۔ عثمان کی دفعہ تو چھ اُمیدواروں میں علی بھی ایک تھے اور جلسۂ انتخاب میں موجود اس پر بھی علی رضہ کو خلافت نہ ملے تو یا قسمت یا نصیب اس کو من جانب اللہ نہیں تو کیا کہا جائے کہ چھ اُمیدواروں میں سے تین نے تین کو منتخب کیا طلحہ نے عثمان کو۔ زبیر نے علی رضہ کو۔ سعد نے عبدالرحمٰن کو۔ عبدالرحمٰن نے کیا انکار۔ رہ گئے دو علی اور عثمان، یہ دونوں ایک دوسرے سے کسی طرح ہٹنے والے نہ تھے تو عبدالرحمٰن نے کہا مجھ پر رکھ دو کہ میں تم دونوں میں سے جس کو چاہوں اختیار کرلوں۔ دونوں نے کیا منظور۔ عبدالرحمٰن نے یہ قول لے کر عثمان رضہ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ علی رضہ زبان دے چکے تھے اِن کو بھی بیعت کرنی پڑی۔ دو دفعہ تو دعویٰ کرنے کا موقع نہ ملا۔ تیسری دفعہ ملا تو وہ یوں ہاتھ سے گیا۔ عثمانی خلافت کی تو ہم کہتے نہیں، ابوبکر رضہ اور عمر رضہ کی دو خلافتیں تو اس قابل ہیں کہ اسلام کی تاریخ میں ان کے حالات چاندی اور سونے کے حرفوں میں لکھے جائیں۔

ذرا اُس وقت کو تو خیال کرو کہ پیغمبر صاحب کے انتقال سے اسلام پر ایک دم سے مصیبت کا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے اور اسلام کی عمارت قریب ہے کہ لڑکھڑا کر دھڑام سے گر پڑے جگہ جگہ سے استرکاری جھڑنی شروع ہوگئی ہے مکان کے رہنے والے اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر بدحواس بھاگے بھاگے پھرتے ہیں کہ کہیں کو نکل بھاگیں، ایسی گھبراہٹ کے وقت ابوبکر رضہ ہی کا دم تھا کہ ہوش بجا رکھ کر حسن تدبیر کی اڑواڑیں لگائیں اور مکان کی ایک اینٹ گرنے نہ دی۔ میر عمارت ہو تو ایسا ہو۔ انھوں نے ایک لمحے کے لئے باہر والوں پر یہ ثابت نہ ہونے دیا کہ مسلمانوں کے بیڑے میں بھی کوئی واردات ہوگئی ہے اور مسلمان اسکی وجہ سے پریشان ہیں پیغمبر صاحب اپنے آخیر وقت میں اُسامہ کے لشکر کو روانگی کا حکم دے چکے تھے یہاں تک کہ اُسامہ نے مدینے کے باہر پہلا پڑاؤ بھی کر دیا تھا کہ اتنے میں پیغمبر صاحب کے انتقال کی خبر سُن کر اُسامہ مدینے کو لوٹ آیا تھا۔ ابوبکر رضہ نے خلیفہ ہوتے کے ساتھ پہلا کام تو یہی کیا کہ اُسامہ کو لشکر سمیت پیغمبر صاحب کی منشا کے مطابق چلتا کیا۔ لوگ کہتے بھی ہے کہ پیغمبر صاحب کو انتقال کئے کُل دن ہوئے، مدینے میں کھلبلی مچی ہے سپاہیوں کو آپ دور بھیجے دیتے ہیں خدا جانے ان کے گئے پیچھے کیا اتفاق پیش آئے، انھوں نے ایک نہ سُنی اور کہا تو یہ کہا کہ میری تو مجال نہیں کہ جس کام کو پیغمبر صاحب کرنا چاہتے تھے اُس کو ایک لمحے کے لئے روکوں بلا سے اگر کتّے پیغمبر صاحب کی بیبیوں کی ٹانگیں مدینے کی گلیوں میں گھسیٹتے پھریں تو بھی کچھ پروا کی بات نہیں۔ بس اس حکایت سے معلوم کرلو کہ اسلام کے آگے ابوبکر رضہ اپنی اور پیغمبر صاحب کی قرابتوں کا کچھ لحاظ نہیں کرتے تھے۔ عائشہ رضہ ان کی بیٹی پیغمبر صاحب کی بیبیوں میں ہیں مگر ان کو اسلام کی آبرو کے آگے عائشہ رضہ کی آبرو کا ذرا خیال نہیں پیغمبر صاحب کی زندگی میں مال زکوٰۃ لوگوں سے وصول کرکے بیت المال میں جمع کیا جاتا تھا اور پیغمبر صاحب اپنی رائے سے اُسکو تجہیز جیوش اور امداد مساکین میں صرف کرتے تھے۔ پیغمبر صاحب کے انتقال پر بعض قبائل عرب نے زکوٰۃ کا دینا موقوف کر دیا۔ ابوبکر رضہ نے ان پر جہاد کرنا چاہا۔ عمر رضہ مانع آئے کہ تم کلمہ گو لوگوں پر جہاد کرتے ہو ابوبکر رضہ نے کہا وَاللّٰہِ لَوْ مَنَعُوْنِیْ عِقَالًا [۱]

[۱] قسم خدا کی اگر لوگ مجھے (اونٹ کے باندھنے کی) ایک رسی تک کے دینے سے بھی انکار کریں گے تو میں ان سے جہاد کروں گا ۱۲

لَقَاتَلْتُھُمْ اور اگر تم لوگ میرا ساتھ نہیں دیتے تو میں اِن باغیوں سے اکیلا لڑونگا۔ ابوبکرؓ اور عمرؓ دونوں میں ردّ وکدّ ہوا کی آخر عمرؓ قائل ہوئے اور ابوبکرؓ نے جبراً باغی قبائل کو زیر کیا اور ادائے زکوٰۃ کے قاعدے کا نقض نہ ہونے دیا ورنہ بڑی رقم ہاتھ سے چلی تھی۔ یمامہ میں مسیلمہ نے اسلامی حکومت کو زیر وزبر کرنے کی نیت سے پیغمبری کا جھوٹا دعویٰ کیا۔ ابوبکرؓ نے اِس کے فتنے کو فرو کیا۔ سب سے بڑا کام جو ابوبکرؓ نے اپنی خلافۃ میں کیا وہ قرآن کا ایک جگہ جمع کرنا تھا۔ اگر ابوبکرؓ کو جمع قرآن کی نہ سوجھتی تو اسلام کبھی کا بھولا بسرا ہوگیا ہوتا۔ پس ابوبکرؓ کی خلافۃ حقیقۃ میں رسالۃ کا ضمیمہ تھی۔ خدا نے قرآن اُتارا اور اُس کی حفاظۃ کا وعدہ کیا۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ تو جمع قرآن سے ابوبکرؓ نے گویا خدا کا ہاتھ بٹایا۔

رہی عمرؓ کی خلافۃ تو تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ اسلام عزۃ اور شان وشوکۃ کی معراج الکمال کو اِسی خلافۃ میں پہنچا اس پر بھی کوئی مسلمان اِن دو خلافتوں کا گُن نہ مانے تو وہ جانے اور اُس کا ایمان۔ ہم خوب سمجھتے ہیں کہ پیغمبر صاحب کی پدرانہ شفقت علیؓ کے ساتھ خاص تھی اور علیؓ چند در چند حیثیتوں سے خلافۃ کے شایاں بھی تھے مگر واقعاتِ مابعد نے ثابت کر دکھایا کہ شروع کی خلافۃ کے لئے ابوبکرؓ اور عمرؓ ہی متعیّن تھے اس سے علیؓ کی شان اور اُن کے فضائل میں کسی طرح کا وہن لازم نہیں آتا وہی پیغمبروں والی بات تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض کسی امر میں کوئی کسی امر میں کوئی۔ غرض انتخابِ خلفاءِ ثلثۃ میں کسی طرح کی غلطی نہیں ہوئی یہاں تک کہ عثمانؓ کا انتخاب بھی ابوبکرؓ اور عمرؓ جیسا نہ سہی پھر بھی بنظر ظاہر اچھا ہی اچھا تھا پیغمبر صاحب کی قرابۃ کے اعتبار سے وہ ذوالنورین تھے یعنی پیغمبر صاحب کی دو صاحبزادیاں رقیہؓ اور اُمّ کلثومؓ یکے بعد [illegible] سے بیاہی گئی تھیں عثمانؓ نے پیغمبر صاحب کو اپنی دامادی کی حالۃ میں اِس قدر راضی رکھا تھا کہ اُمّ کلثوم کے انتقال پر پیغمبر صاحب نے فرمایا کہ اگر میں اور بیٹیاں رکھتا ہوتا تو ایک کے بعد ایک عثمان کے ساتھ بیاہتا چلا جاتا۔ بدر کی مشہور لڑائی ہو رہی تھی اور رقیہؓ اُن دنوں بیمار تھیں عثمانؓ اُن کی بیمارداری کی وجہ سے شریک جنگ نہ ہوسکے پھر بھی بدر کی غنیمۃ میں سے پیغمبر صاحب نے اِن کو اَوروں کے برابر حصّہ دیا۔ عثمانؓ شروع کے اسلام لانے والوں میں ہیں۔ معدودے چند اسلام لائے تھے کہ قریش نے ستانا اور عذاب دینا شروع کیا۔ معذّبین میں عثمانؓ بھی تھے پیغمبر صاحب کو اپنی ہی جان بچانی مشکل تھی مسلمانوں کی حمایۃ اور حفاظۃ کیا کرتے آخر مسلمانوں کو اجازۃ دی کہ مکے میں تم لوگوں کے لئے امن نہیں کسی طرح نجاشی بادشاہِ حبشہ کے یہاں جا پناہ لو۔ اِن میں عثمانؓ بھی تھے اور اِن کی بی بی رقیہؓ پیغمبر صاحب کی صاحبزادی بھی۔ پیغمبر صاحب فرماتے بھی تھے کہ لوطؑ کے بعد یہی دو میاں بی بی ہیں جن کو دین کے لئے گھر چھوڑنا پڑا ہے۔ اسلامی خدمات میں تجہیزِ جیشِ عسرہ اور خرید بیر رومہ عثمانؓ کی دو خدمتیں بڑی نمود کی خدمتیں ہیں۔ جیشِ عسرہ یعنی غزوۂ تبوک کے سامان مہیا کرنے میں انھوں نے نوسو پچاس اونٹ کجاووں اور پالانوں سمیت اور پچاس گھوڑے خرید کر مجاہدین کی نذر کئے اور ایک ہزار دینار نقد لاکر پیغمبر صاحب کی گود میں ڈال دیئے پیغمبر صاحب دیناروں کو اُچھالتے جاتے اور فرماتے جاتے تھے۔ مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ

یعنی آج کے بعد عثمان جو کچھ بھی کریں گے اُس سے اِن کو کچھ نقصان نہیں پہنچے گا۔ بئیر رومہ ایک یہودی کا کنواں تھا مسجدِ ذوالقبلتین کے شمال کی جانب وادی عقیق میں اور سارے مدینے میں اس کے سوائے میٹھے پانی کا کوئی کنواں نہ تھا۔ اس کا پانی نہایت شیریں نہایت لطیف نہایت پاکیزہ تھا پیغمبر صاحب مدینے تشریف لائے اور مہاجرین کو پانی کی طرف سے سخت تکلیف میں دیکھا تو آپ نے سب صحابیوں کو جمع کر کے فرمایا کہ تم میں ایسا باہمت کون ہے جو بیر رومہ کو خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دے عثمان رضؓ نے اپنے ذاتی سرمائے سے اسّی ہزار درہم کو یہ کنواں خریدا اور اس کی درستی میں پانچ ہزار اور صرف کر کے مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا مسجدِ نبوی جس کی بنیاد پیغمبر صاحب نے اپنے ہاتھ سے رکھی نہایت مختصر اور تنگ تھی جب نمازیوں کی تعداد زیادہ ہوئی تو مسجد میں مطلق گنجائش نہیں رہی۔ مسجد کے جوار میں انصار کے تھوڑے سے مکانات اس طرح پر واقع ہوئے تھے کہ اگر اُنکی زمین مسجد میں داخل کر لی جائے تو مسجد وسیع اور فراخ ہو جائے پس جناب پیغمبر صاحب نے اغنیاءِ صحابہ کی طرف روئے سخن کر کے فرمایا کہ تم میں کون ایسا باثروۃ اور عالی ہمتہ ہے جو ان مکانات کو خرید کر مسجد میں شامل کر دے عثمان رضؓ نے وہ زمین انصار سے خرید کر مسجد میں شامل کر دی۔ عثمان رضؓ ایسے ادب و لحاظ کے آدمی تھے کہ اکیلے بھی برہنہ نہ نہاتے اور اسی وجہ سے پیغمبر صاحب بھی اِن کا بڑا لحاظ کرتے تھے۔ ایک دفعہ پیغمبر صاحب اپنے حجرے میں پنڈلیاں کھولے کروٹ کے بل لیٹے ہوئے تھے۔ ابو بکر رضؓ آئے تو پیغمبر صاحب اُسی طرح لیٹے رہے۔ عمر رضؓ آئے تو بھی اُسی ہیاۃ پر لیٹے رہے۔ عثمان رضؓ کی اطلاع ہوئی تو پیغمبر صاحب اُٹھ بیٹھے اور تہمد سنبھال کر پنڈلیاں ڈھک لیں اور اس کی وجہ دریافت کرنے پر فرمایا کہ میں ایسے آدمی سے کس طرح شرم نہ کروں جس سے خدا کے فرشتے شرم کرتے ہیں۔

اِن باتوں کو پیشِ نظر رکھو تو معلوم ہو کہ عثمان رضؓ کا خلافت کے لئے نام زد کرنا کچھ بے جوڑ نہ تھا کہ ایک راہ چلتے کو خلیفہ بنا دیا ہو۔ اب اس کو کیا کیا جائے کہ چھ برس تک اچھی خاصی طرح ابو بکر رضؓ اور عمر رضؓ کی سیرۃِ صالحہ پر چلتے رہے، رعیت شاد ملک آباد، عمری فتوحات کا سلسلہ جاری، خزانہ بھرپور، بیٹھے بٹھائے دل ہی دوسری طرح کا ہو گیا۔ دماغ میں سلطنت کی بُو سمائی، اور رعایا میں طرح طرح کے اختلافات اور رگڑے جھگڑے اُٹھ کھڑے ہوئے اور اسکی بڑی وجہ یہ ہوئی کہ انھوں نے سارے بڑے بڑے عہدے اپنے رشتے داروں میں تقسیم کر دئے تھے مروان کو جو اِن کا چچا زاد بھائی تھا افریقہ کا خمس لکھ دیا اور اپنے خاندان کے لوگوں کو بے کسی استحقاق کے بے انتہا دولت بخشدی لوگوں نے اِن کے اس عمل کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور یہیں سے طرح طرح کی بدگمانیاں اور فسادات پیدا ہونے شروع ہو گئے اور بالآخر عام شورش پیدا ہو گئی۔

یہ ساری خرابیاں دراصل مروان کی ذات سے پیدا ہوئیں کہ وہ شروع سے مفسد اور فتنہ انگیز تھا اُس نے امیرالمؤمنین عثمان رضؓ کو یہاں تک اپنے قابو میں رکھا تھا کہ جو یہ کہتا وہ کرتے اور اسی وجہ سے مدینے کے عام قبائل میں بغاوۃ کی آگ بھڑک اُٹھی عمرو بن العاص جو ایک بڑے جلیل القدر صحابی ورع و تقوی میں مشہور اور دیانت داری انصاف

پرستی میں ضرب المثل تھے اور جن کو امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضؓ نے مصر کی گورنری کیلئے منتخب کیا تھا اب تک اپنے منصب پر متمکن تھے اور نہایت دلسوزی اور دیانت داری سے منصبی فرائض کو ادا کرتے تھے حضرۃ عثمان رضی اللہ عنہ نے مروان کے کہنے سے ان کو مصر کی گورنری سے بے وجہ معزول کر کے ان کی جگہ عبداللہ بن ابی سرح کو جو حضرۃ عثمان کا رضاعی بھائی تھا عامل مصر قرار دیا۔ اِس سے مصریوں میں بددلی اور بددلی کیساتھ برہمی پیدا ہوگئی اور جب عبداللہ اہل مصر کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ سے پیش آیا اور حضرۃ عثمان نے مصریوں کی شکایت پر بھی عبداللہ کو معزول نہیں کیا تو مصر کے باشندوں میں ایک ایسا زہریلا جوش پیدا ہوا کہ کسی کے روکے نہ رُک سکا ایک دفعہ کا مذکور ہو کہ مصر کا ایک شخص حضرۃ عثمان رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عبداللہ کے بے انتہا مظالم بیان کئے حضرۃ عثمان نے عبداللہ کو ایک تہدید آمیز فرمان لکھا اور رعایا کے ساتھ انصاف کرنے کی سخت تاکید کی مگر عبداللہ نے انکے فرمان کی تعمیل نہیں کی اور جس نے شکایت کی تھی اُسے قتل کر ڈالا۔ اس پر سات سو آدمی مصر سے مدینے آئے اور مسجد نبوی میں اُتر کر اصحاب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو جمع کر کے عبداللہ بن ابی سرح کے مظالم کی شکایت کی طلحہ بن عبید اللہ مع چند دیگر صحابیوں کے حضرۃ عثمان رضؓ کے پاس گئے اور نہایت درشتی اور سختی کے ساتھ اس بارے میں گفتگو کی اِدھر اُم المومنین حضرۃ عائشہ رضؓ نے نہایت نرمی کے ساتھ امیر المومنین حضرۃ عثمان کو پیام دیا کہ پہلے بھی اصحاب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن ابی سرح عامل مصر کی شکایت لے کر تمہارے پاس حاضر ہوتے تھے مگر تم نے اُن کی طرف بالکل توجہ نہیں کی اب بیان کیا جاتا ہو کہ عامل مصر نے ایک شخص کو ناحق قتل کر دیا ہو اُسکا قصاص لینے کو پیغمبر صاحب کے اصحاب دوبارہ تمہارے پاس آتے ہیں بہتر ہوگا اگر تم اپنے عامل و[illegible] کے بارے میں انصاف سے کام لو۔ اِس کے ساتھ ہی حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت عثمان رضؓ کے پاس گئے اور کہا امیر المؤمنین! اصحاب محمد صلے اللہ علیہ وسلم آپ سے صرف اتنا چاہتے ہیں کہ آپ عبداللہ بن ابی سرح کو معزول کر دیں اور اُس نے جو ایک شخص کو قتل کر دیا ہو اگر قتل کا ثبوت ہو جائے تو اُس سے قصاص لے لیں حضرۃ عثمان نے فرمایا اچھا تم لوگ ایک ایسے شخص کو منتخب کر دو جو عبداللہ کی جگہ مقرر کیا جائے مصریوں نے کہا ابوبکر صدیق رضؓ کے فرزند محمد کو مصر کا عامل بنا دیجئے۔ حضرت عثمان نے محمد کے نام حکومتِ مصر کا فرمان لکھا اور اِن لوگوں کو رخصت کیا مصر کے باشندے اور مدینے کے چند انصار و مہاجرین محمد بن ابی بکر کو ساتھ لے مصر روانہ ہوئے۔ مدینے سے تین پڑاؤ کے فاصلے پر اِن کو ایک حبشی غلام ملا جو اونٹ کو مار مار بے تحاشا بھگائے لئے چلا جاتا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی فراری کی تلاش میں جاتا ہو یا خود فراری ہو اور کوئی اُس کی تلاش میں پیچھے لگا چلا آتا ہو۔ لوگوں نے غلام سے اِس پریشانی کے ساتھ جانے کا سبب پوچھا تو اُس نے کہا میں امیر المومنین حضرۃ عثمان رضؓ کا غلام ہوں اور عامل مصر کے پاس پیام زبانی لے کر جاتا ہوں۔ محمد بن ابی بکر رضؓ کے کہنے کے مطابق اُس کی تلاشی لی گئی تو ایک چھوٹے سے خشک مشکیزے میں خط نکلا جس کے لفافے پر یہ الفاظ درج تھے۔ مِنْ عُثْمَانَ اِلَی ابْنِ اَبِی سَرْحٍ محمد بن ابی بکر نے انصار و مہاجرین اور مصریوں کو جمع کر کے سب کے سامنے خط کی مُہر توڑی اور لفافے میں سے خط نکالکر اس طرح پڑھنا شروع

کیا ؎ امیرالمومنین عثمان کی طرف سے عبداللہ بن ابی سرح کو معلوم ہو کہ جب محمد بن ابی بکر اور فلاں فلاں اشخاص تیرے پاس پونہچیں تو کسی حیلے سے انہیں قتل کرڈال اور محمد سے میرا فرمان لے کر پھاڑ دے اور تا وقتیکہ میرا دوسرا حکم نہ پونہچے تو اپنے عہدے پر برقرار رہ، جو لوگ تیری شکایۃ میرے پاس پونہچاتے ہیں انہیں قید کردے اور کسی سے کسی بات کا خوف نہ کر"۔ لوگوں نے خط کا مضمون سُنا تو نہایت ناگواری کے ساتھ مدینے لوٹے اور طلحہ رضؓ اور زبیر رضؓ اور علی رضؓ وغیرہم اصحاب مدینہ کو جمع کرکے غلام حبشی کا واقعہ بیان کیا اور خط نکال کر سب کے سامنے ڈال دیا۔ خط کا مضمون پڑھکر ان لوگوں کو سخت طیش آیا اور سارے مدینے میں حضرت عثمان کی طرف سے بددلی و ناخوشی پھیل گئی۔ بنو ہذیل اور بنو زہرہ اور بنو غفار اور بنو مخزوم وغیرہ قبائل پہلے ہی سے بگڑے بیٹھے تھے اب قبیلۂ بنو تیم بھی محمد بن ابی بکر کی حمایۃ میں بگڑ بیٹھا اور سب مل کر حضرت عثمان کے مکان پر چڑھ آئے اور چاروں طرف سے محاصرہ کرلیا۔ حضرۃ علی رضؓ نے اس نازک و خطرناک موقع پر جو کام کیا وہ اُن ہی سے ہوسکتا تھا کہ طلحہ اور زبیر اور سعد اور عمار اور اور اصحاب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لے کر حضرۃ عثمان کے پاس پونہچے اور تمام بلوائیوں کو منتشر کردیا۔ پھر نہایت آہستگی سے غلام حبشی اور اونٹ اور خط کا تذکرہ چھیڑا۔ حضرۃ عثمان نے فرمایا بے شک غلام بھی میرا ہی اونٹ بھی میرا ہی خط پر مُہر بھی میری ہی لیکن یہ خط نہ میں نے لکھا نہ غلام کو میں نے بھیجا۔ اسپر حضرۃ علی رضؓ نے کہا بھلا ان لوگوں کو آپ کی اس بات کا کیونکر یقین ہو۔ امیرالمومنین نے کہا میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ نہ میں نے خط لکھا نہ کسی کو لکھنے کا حکم دیا نہ اس غلام کو مصر بھیجا۔ حضرۃ عثمان کی اس تقریر سے لوگوں کو کچھ تسلّی ہوئی۔ انھوں نے تحقیق کے بعد صاف پہچان لیا کہ یہ خط مروان کا ہے۔ امیرالمومنین بے شک اس بارے میں معذور ہیں۔ اسی موقع پر حضرۃ علی اور اُن کے ہمراہیوں کو جتایا گیا کہ مروان امیرالمومنین کے زنانخانے میں موجود ہے اُس سے فی الفور مواخذہ کرنا چاہیئے چنانچہ حضرۃ علی نے نہایت لجاجت سے کہا امیرالمومنین آپ مروان کو ہمارے حوالے کردیں تو یہ سارے فتنے ابھی فرو ہوجائیں اور ہم حافظ بنتے ہیں کہ آپ پر کسی طرح کی آنچ نہیں آئیگی لیکن حضرۃ عثمان نے مروان کو ان کے حوالے کرنے سے صاف انکار کردیا اور یہ لوگ رنجیدہ خاطر حضرۃ عثمان کے گھر سے نکل آئے۔ بلوائیوں نے یہ سُن کر کہ یہ ساری مفسدہ پردازی اور فتنہ انگیزی مروان کی ہے اور وہ حضرۃ عثمان کے گھر میں مخفی ہے اور عثمان اُسے ہمارے حوالے نہیں کرتے۔ پھر شورش برپا کردی اور مکان کا محاصرہ کرکے حضرۃ عثمان کو پیام دیا کہ مروان کو ہمارے سُپرد کردیا جائے اب بھی امیرالمومنین کی طرف سے یہی جواب ملا کہ میں اپنے جیتے جی تو مروان کو تمہارے حوالے کرنے کا نہیں۔ اس پر بلوائیوں نے محاصرے میں اور سختی کی اور پانی کا ایک قطرہ تک اندر نہیں جانے دیا۔ حضرۃ عثمان پیاس کی شدۃ سے تنگ ہوئے تو انھوں نے مکان کے ناہدان سے سر باہر نکال کر فرمایا کیا تم لوگوں میں علی موجود ہیں؟ جواب دیا گیا نہیں فرمایا سعد ہیں؟ کہا گیا نہیں۔ اس کے بعد حضرۃ عثمان تھوڑی دیر خاموش رہ کر فرمانے لگے کہ کوئی بھلا آدمی علی کو میرا پیام پونہچا دے کہ میں پیاسا ہوں تھوڑا پانی مجھے بھیجدو۔ حضرۃ علی رضؓ کو معلوم ہوا تو انھوں نے پانی کی بھری ہوئی

تین مشکیں ان کے پاس بھیجدیں۔ پانی ان تک پونہچا تو سہی مگر بڑی مشکل سے۔ بنی ہاشم اور بنی امیہ کے کئی غلام مجروح اور دو تین بلوائیوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔ حضرۃ علی رضہ کو جب معلوم ہوا کہ بلوائی امیرالمومنین کو قتل کرنا چاہتے ہیں تو آپ نے نہایت افسوس کے ساتھ فرمایا کہ ہم تو عثمان سے صرف مروان کو مانگتے تھے ہمیں یہ ہرگز منظور نہ تھا کہ عثمان کو کسی طرح کی تکلیف پونہچائی جائے' یہ کہہ کر آپ نے اپنے دونوں صاحبزادوں حسن وحسین کو بلا کر فرمایا کہ ابھی مسلح ہوکر امیرالمومنین کے دروازے پر جا کھڑے ہو اور جو شخص بھی بری نیت سے اندر جانا چاہے اُسے فوراً قتل کر ڈالو ادہر طلحہ نے اپنے فرزند کو اور زبیر نے اپنے بیٹے کو اور چند صحابیوں نے اپنے فرزندوں کو امیرالمومنین کی مدد کے لئے بھیجا۔ بلوائیوں نے یہ دیکھ کر امیرالمومنین پر تیر برسانے شروع کر دیئے کئی تیر حسن اور محمد بن طلحہ اور حضرۃ علی کے غلام قنبر کے بھی آ لگے' یہ تینوں حضرات اگرچہ لہو میں سر سے پاؤں تک بھیگ گئے تھے مگر دروازے کی چوکھٹ سے ایک انچ بھی اِدھر نہیں سرکے اور اندر جانے والوں کی بڑی سختی کے ساتھ مزاحمۃ کرتے رہے۔ بلوائیوں نے یہ دیکھ کر مکان کی پشت کی دیوار اندر جانے کے لئے تجویز کی اور محمد بن ابی بکر رضہ دو شخصوں کو ساتھ لے دیوار پر چڑھ زنانخانے میں اُتر گئے اور امیرالمومنین حضرۃ عثمان کو شہید کر ڈالا۔

حضرت عثمان کی شہادت کے بعد اب علی کرم اللہ وجہہ کے خلیفہ ہونے کا نمبر آیا کیونکہ خلیفۂ دوم حضرۃ عمر فاروق رضہ کے انتقال پر انتخاب خلافۃ با جماع صحابہ صرف دو شخصوں میں دائر تھا عثمان رضہ اور علی رضہ میں۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے جو ان دونوں کی طرف سے پنچ تھے اپنے اختیار سے عثمان رضہ کو خلافۃ کے لئے تجویز کیا اور وہ خلیفہ تسلیم کرنے گئے' ان کے انتقال ہوئے پیچھے صحابہ نے بے چون وچرا علی رضہ کی خلافۃ پر ان سے بیعۃ کی اور ان کو خلیفہ برحق تسلیم کیا مگر عراق وشام اور مصر کے چند قبائل نے اور ان ہی میں طلحہ رضہ اور زبیر رضہ بھی تھے علی رضہ کی خلافۃ پر بیعۃ نہیں کی طلحہ اور زبیر اور جن لوگوں نے علی رضہ کی خلافۃ کو تسلیم نہیں کیا اُن کا منشاء یہ تھا کہ پہلے قاتلین عثمان سے انتقام لے لیا جائے پھر خلافۃ کی بیعۃ کا سلسلہ شروع ہو۔ علی کرم اللہ وجہہ اپنی خلافۃ کی خیر مناتے اور کہتے تھے کہ میری بیعۃ کا سلسلہ تمام شہروں میں پھیل جائے اور خلافۃ اچھی طرح اپنے پاؤں جمالے تو پھر قاتلین عثمان کے بارے میں تفتیش کی جائے اور اگر ابھی سے اِس مقدمے کا کھوج لگایا جائے گا اور قاتلین عثمان کو سزا دی جائے گی تو عام شورش وبغاوۃ کی آگ جو ذرا مدھم پڑگئی ہے فوراً بھڑک اُٹھے گی اور ایسی بھڑکے گی کہ پھر اسکا بجھانا سخت مشکل پڑ جائے گا۔ طلحہ اور زبیر اور مصر وشام کے علماء کہتے تھے کہ انتقام قصاص حکم منصوص ہے اور حکم منصوص میں تاخیر کرنے سے مکلّف بالشرع خدا کا مجرم اور گنہ گار ٹھیرتا ہے اِس لئے سب سے پہلے ہمیں قاتلین عثمان سے قصاص لینا ضرور ہے۔ بس اتنی سی بات پر طلحہ اور زبیر اور ان کے ساتھی علی رضہ سے ناراض ہوکر کے چلے آئے۔ اِسی سال اُمّ المومنین بیبی عائشہ حج کرنے کے تشریف لائی تھیں۔ یہ لوگ ان کو ساتھ لے بصرے پونہچے کہ وہاں سے کچھ جمعیت فراہم کرکے قاتلین عثمان سے انتقام لیں یہاں مشہور ہوگیا کہ طلحہ اور زبیر اور اُمّ المومنین عائشہ لشکر جرار فراہم کرنے اور علی کرّم اللہ وجہہ سے مقابلہ کرنے کی غرض سے بصرے گئے ہیں اور عنقریب افواج کثیرہ کے ساتھ مدینے

بر حملہ آور ہوتے ہیں۔ حضرت علی رضؓ یہ افواہ سُن کر مدینے سے باہر نکلے اور بہت بڑی جمعیّۃ کے ساتھ آندھی کی طرح سرحدِ عراق پر پہنچ گئے۔ بصرے کے ایک وسیع میدان میں دونوں لشکروں کی مُٹھ بھیڑ ہوئی اور فریقین کے ناسمجھ لوگوں کے اشتعال سے دونوں طرف سے لڑائی پر آمادگی ظاہر ہوگئی۔ اِس لڑائی کے برپا کرانے میں زیادہ تر حصّہ اُن ہی لوگوں نے لیا جو قتلِ عثمان میں شریک تھے۔ الغرض دونوں طرف سے صف بندی ہوگئی اور صبح سے لے کر عصر تک بڑے گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی۔ اِس لڑائی میں طلحہ اور زبیر کے ساتھ تیس ہزار آدمی شریک تھے اور علی کرّم اللہ وجہہ کے ساتھ بیس ہزار۔ آخرکار طلحہ اور زبیر شہید ہوئے اور ان کے شہید ہوتے ہی ساری فوج کے پاؤں اُکھڑ گئے، دونوں طرف کے تیرہ ہزار آدمی قتل ہوئے جن میں بہت سے عُبّاد اور زُہّاد صحابہ اور ابنائے صحابہ تھے، یہ واقعہ ۱۵ جُمادی الاخری ۳۶ھ ہجری کو پیش آیا اور اس کا نام واقعۂ جمل رکھا گیا اِسلئے کہ اُمّ المومنین عائشہ رضؓ اِس معرکے میں ایک اونٹ پر سوار خود شریک جنگ تھیں۔

طلحہ اور زبیر کی شہادۃ کے بعد شامیوں کی فوج میں ایسی ہلا چلی پڑی کہ کسی کو اپنے آپے تک کی خبر نہ رہی اور جدھر جس کا سینگ سمایا بھاگ کھڑا ہوا۔ اِس موقع پر علی کرّم اللہ وجہہ کے چند جاہل و گستاخ لوگوں نے اُمّ المومنین حضرۃ عائشہ رضؓ کے ہَودج پر اِس قدر تیر بارانی کی کہ سارا ہودج تیروں سے چھلنی ہوگیا اور ایک بے ادب نے یہاں تک جراٗۃ کی کہ ان کے اونٹ کے پیروں پر تلواریں ماریں، اونٹ تڑپا تو اُمّ المومنین ہودج سمیت نیچے گر پڑیں حضرۃ علی رضؓ کو خبر ہوئی تو وہ اِس موقع پر تشریف لائے اور اُمّ المومنین کو دوسرے اونٹ پر سوار کر کے حفاظۃ و اَمن کے ساتھ مدینے پہنچا دیا۔ یہ بھی علی رضؓ ہی کا حوصلہ تھا اور اِن کی مسلّمہ شجاعۃ کو ہی شایاں تھا کہ انھوں نے عائشہ رضؓ کے مغلوب ہوئے پیچھے اُن کے اُمّ المومنین ہونے کا پاس کیا۔ اور ایک بات یہ بھی تھی کہ اگر ایسا نہ کیا جاتا اور فرض کرو کہ عائشہ رضؓ اِس معرکے میں ماری جاتیں یا قید کر لی جاتیں تو جو لوگ قتل عثمان رضؓ کے معاملے میں علی رضؓ سے بدگمان ہوگئے تھے وہ اور زیادہ برافروختہ ہوتے مگر اب یہ خرخشہ اسقدر طول پکڑ گیا ہے کہ اِس کو کسی مورّخ کے حوالے کر دینا چاہیئے کہ وہ تمام واقعات کو تحقیق کر کے اُن پر رائے زنی کرے۔ ہم نے عائشہ رضؓ کے تعلّق کی وجہ سے قتل عثمان رضؓ اور جنگِ جمل کے حالات بھی تحریر کئے ورنہ یہ بھی ہمارے موضوع سے خارج ہے لیکن اب چونکہ ہم لکھ چکے ہیں اتنا کہے بدون نہیں رہ سکتے کہ عثمان رضؓ اپنی بے جا اور تحکّمانہ اور خود سرانہ کارروائیوں کی وجہ سے قتل کے تو نہیں عزل کے مستوجب ضرور تھے ایک۔ اور چونکہ بات مَردوں میں ہو رہی تھی عائشہ رضؓ کو اِس میں دخل در معقولات مناسب نہ تھا۔ اور دخل بھی ایسا دخل کہ کشت و خون میں شریک۔ مگر وہی قصّہ اِفک کی یاد باوجود اتنے انقلابات کے کانٹے کی طرح ابھی تک اُنکے دل میں کھٹکتی تھی اور خاص کر علی رضؓ کی طرف سے اِن کا بطون صاف نہ تھا اور اِسی کو ہم نے تریا ہٹ سے تعبیر کیا۔ ہم کو تو اس کے سوائے اور کوئی توجیہ سوجھ نہیں پڑتی۔ جب سے ہوش سنبھالا سُنّی شیعوں کا اختلاف سُنتے سُنتے کان بہرے ہوگئے اور طبیعۃ بے چین رہنے لگی کہ ایک خدا ایک رسول ایک قرآن ایک قبلہ ایک دین اور اس پر فریقین میں باہم اِس قدر عداوۃ۔

آخر یہ کیوں۔ سوچتے سوچتے معلوم ہوا کہ بات کا تبنگڑ مشت لبعد از جنگ - اسلام کی شامت اِذَا تَعَارَضَا تَسَاقَطَا۔

ہم نے واقعات بلا رُو و رعایۃ جیسے کے تیسے لکھ دیئے ہیں خدا انصاف کی خیر اندیشی اور اسلام کی ہمدردی کی توفیق دے اَلْھِدَایَۃُ اَمْرٌ مِّنْ لَّدَیْہِ سلسلۂ اسباب کی ٹوہ لگاؤ تو ہمارے نزدیک ان ہی اور ایسے ہی اختلافات نے اسلام کو یہ روزِ بد دکھایا ہے۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔ اب ہم کو صرف ایک ہی بات اور لکھنی ہے کہ پیغمبر صاحب کے رفقا یعنی اصحاب اور اصحاب میں ان کے بعض ذوی القربیٰ بھی داخل ہیں۔ غرض پیغمبر صاحب کے اصحاب میں ایسی رنجشوں کے ہونے سے جن کا عاجل نتیجہ ہوا خون ریزی اور آجل زوالِ سلطنتِ اسلامی اصحاب کے تقدس اور پیغمبر صاحب کی تعلیم پر کسی طرح کا حرف تو نہیں آتا۔ اسی الزام سے بچنے کے لئے شیعوں نے تو یہ پہلو اختیار کیا کہ پیغمبر صاحب کی قرابتِ قریبہ کے خیال سے علی رض کی خلافۃ کو شرطِ ایمان قرار دیا بایں طور کہ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ کی رُو سے ایمان نام ہے حبّ اللہ کا اور حبّ اللہ منحصر ہے حبّ الرسول میں اور حبّ الرسول حبّ ذوی القربیٰ یعنی حبِ علی رض میں اور حبِ علی رض اُن کی خلافۃ میں۔ پیغمبر صاحب کی زندگی میں صحابہ کا شمار لاکھ سے متجاوز ہوگیا تھا۔ شیعوں نے علی رض اور اُن کے معدودے چند اعوان کے سوائے صحابہ کے جمِ غفیر میں کسی سے کچھ سروکار نہ رکھا نہ کسی کے رشتے کا خیال کیا نہ اسلامی خدمات کا۔ نہ عمر کا نہ کارگزاری کا نہ سلیقہ ملکداری و ملک گیری کا اور صرف اس وجہ سے کہ علی رض کو وہلۂ اُولیٰ اور ثانیہ اور ثالثہ میں خلافۃ نہ ملی اس سے بحث نہیں کہ کیوں نہیں ملی اور نہ اس سے بحث ہے کہ علی رض نے کیوں نہیں مطالبہ کیا اور مزے میں غاصبانِ خلافۃ کی فتوحات سے متمتع ہوتے رہے کہ یہ دلیلِ رضا ہے غرض صرف اس وجہ سے کہ علی رض کو خلافۃ نہ ملی لگے خلفائے ثلثہ اور جمِ غفیر صحابہ کی تکفیر کرنے۔ اس سے ہمارا دل شیعیۃ کی طرف سے کھٹا ہوگیا اور ہم نے سمجھا کہ ایسا عقیدہ رکھنے سے تو بات کہیں سے کہیں جا پہنچتی ہے کہ شیعہ لوگ جن لوگوں کی تکفیر کرتے ہیں پیغمبر صاحب تا دمِ مرگ اُن ہی کو اپنے ساتھ لگائے لپٹائے رہے کہ یہ اُن کی صلاح کے ٹکڑا نہیں توڑتے تھے کیا وہ دوست دشمن میں تمیز نہیں کرتے تھے یا معاذ اللہ لوگوں کے ساتھ ان کا برتاؤ منافقانہ تھا منہ پر کچھ دل میں کچھ۔ یہ اہل السنۃ والجماعۃ کی یہ ادا تو ہم کو بہت ہی پسند ہے کہ یہ لوگ ذوی القربیٰ اور صحابہ سب کا ادب اور قرابۃ کی قرابۃ کی جگہ اور خدمات کی خدمات کی جگہ قدر کرتے ہیں اس واسطے کہ پیغمبر صاحب کہا کرتے تھے۔ مَنْ اَحَبَّھُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّھُمْ وَمَنْ اَبْغَضَھُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَھُمْ ؎

| | | | |
|---|---|---|---|
| | زعشقِ عمر نیز خالی نیم | | بمہرِ علی گرچہ محکم پیم |

یہ تو سب کچھ سہی اور صحیح مگر ان لوگوں سے صحابہ کی باہمی رنجش کی معقول توجیہ کرتے نہ بن پڑی تو سر کے سے

؎ اور جو ایمان والے ہیں اُن کو (تو سب سے) بڑھ کر خدا کی محبت ہوتی ہے ۱۲ ؎ جو اُن (صحابہ) کو دوست رکھتا ہے تو مجھ سے محبت رکھنے کی وجہ سے اُن کو دوست رکھتا ہے اور جو اُن سے دشمنی کرتا ہے تو مجھے دشمن رکھنے کی وجہ سے اُن سے دشمنی کرتا ہے ۱۲



؎ ہدایتہ اُسی کی طرف سے ہے ۱۲

رنجش ہی کا انکار (انکار بداہتہ) کر بیٹھے کہ ان بزرگوں میں باہم کسی طرح کی ناخوشی تھی ہی نہیں اور جس کو لوگوں نے ناخوشی سمجھا وہ صرف اختلاف رائے تھا۔ اختلاف میں جو برسرِ غلط تھا مثِش بریں نیست کہ اُس نے اجتہاد میں خطا کی پھر بھی اُس کے لئے لَہٗ اَجْرٌ کی بشارۃ ہے کیونکہ اجتہاد ایسا جُوا ہے جس میں جیت بھی اپنا طاق بھی اپنا۔ مثلاً عائشہ رضؓ اور علی رضؓ میں جو دلی کدورۃ تھی اور اُسی کدورۃ کی وجہ سے جنگِ جَمَل کا وقوع ہوا تھا جس میں طرفین کے تیرہ ہزار آدمی مارے گئے تھے اور مقتولین عوام الناس نہیں بلکہ اکثر صحابی اور عبّاد اور حفّاظ۔ اہل السنۃ بے تامل کہدیں گے کہ علی رضؓ اور عائشہ رضؓ میں کچھ بھی رنجش نہ تھی لوگوں کے بہکانے سکھانے سے دونوں لشکروں میں اتفاقیہ مٹھ بھیڑ ہوگئی۔ ہم مانتے ہیں کہ اہل السنۃ کا یہ کہنا محض اس غرض سے ہے کہ عائشہ رضؓ اور علی رضؓ کسی کے مذہبی تقدس میں فرق نہ آنے لیکن جو حقیقۃ الحال سے واقف ہے وہ تو جانتا ہے کہ شروع سے دونوں ایک دوسرے کی بیخ کنی کے فکر میں تھے موقع نہیں ملتا تھا قابو پایا تو کھل کھیلے۔ غرض سُنّی شیعوں کی افراط و تفریط سے تو کام چلتا چلاتا نہیں بہتر یہ ہے کہ اس بحث کو اسلام میں آنے ہی نہ دیا جائے اُن لوگوں کے زمانے میں اگر کوئی موجود ہوتا اور اس کا خیال کرتا تو وہ موافقۃ یا مخالفۃ سے علی رضؓ یا عائشہ رضؓ کو نفع یا نقصان پونہچا بھی سکتا تھا لیکن اب کہ نہ شیرشاہ ہے اور نہ سلیم شاہ اس تکرار سے کہ شیرشاہ کی ڈاڑھی بڑی تھی یا سلیم شاہ کی کسی کو کیا فائدہ پونہچ سکتا ہے علیٰ ہذا القیاس صحابہ کے طرزِ عمل سے پیغمبر صاحب کی تعلیم پر بھلا یا بُرا کسی طرح کا اثر نہیں پڑ سکتا۔ اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِىٌّ حَمِيْدٌ[1] نوح عمؑ کا بیٹا باپ سے پھر گیا عیسےٰ عمؑ کے حواری عیسےٰ کو مُکر گئے تو اس سے نوح اور عیسےٰ علیہما السلام کی نبوۃ میں کیا ضعف آگیا تھا کہ پیغمبر صاحب کے کسی صحابی کی بدعملی سے اگر ہو پیغمبر صاحب کی تعلیم یعنی اسلام پر حرف آئے۔ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى[2] + ص

کارِ خود کن کارِ بیگانہ مکن — درزمینِ دیگراں خانہ مکن

گزشتگاں کے حالات معلوم کرکے آدمی کی بُری یا بھلی ایک رائے ضرور ہوتی ہے تو چاہیئے کہ اُس کو اپنے تک رکھے خصوصًا ایسے حال میں کہ اُسکا اظہار کسی کی دل آزاری کا موجب ہو۔ امام ابوحنیفہ رحؒ کی نسبۃ مشہور ہے کہ اُن سے کسی نے یزید کے بارے میں پوچھا یعنی یہ کہ اُس پر لعنۃ کریں یا نہ کریں۔ امام صاحب سُن کر خاموش ہو رہے ہاں نا کچھ جواب نہیں دیا۔ کیا امام صاحب یزید کی نسبۃ اچھی رائے رکھتے ہوں گے استغفر اللہ۔ مگر وہ سمجھے کہ یزید پر لعن کرنا جزو ایمان نہیں کریں تو ثواب نہیں نہ کریں تو باز پُرس نہیں، اس سے بہتر ہے کہ یزید پر لعن کرینگی عوض خدا کی تہلیل و تسبیح کریں پیغمبر صاحب پر اور اُنکے آل و اصحاب پر درود پڑھیں۔ علاوہ بریں لوگ بڑے اونچے سُروں میں تقدس کا راگ گاتے چلے آئے ہیں اُنھوں نے تجرّد عن البشریۃ کا نام تقدس رکھ چھوڑا ہے اور تجرّد عن البشریۃ ایک خیالی حالۃ ہے ناممکن الحصول لا تبدیل لخلق اللہ اور وہ نہیں ہے مگر رہبانیۃ جسکو شارع اسلام علیہ التحیۃ والسلام نے لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْاِسْلَامِ[3] فرماکر اسلامی تعلیم کے نصاب سے خارج کردیا ہے۔ اسلامی

[1] اگر تم اور جتنے لوگ روئے زمین پر ہیں وہ سب (کے سب مل کر بھی) خدا کی ناشکری کرو تو خدا کو ذرا بھی پروا نہیں کیونکہ وہ) بے نیاز اور (ہر حال میں) سزاوار حمد (و ثنا) ہے ۱۲ [2] کوئی شخص کسی دوسرے کے گناہوں (کا بوجھ اپنے اوپر) نہیں لیگا ۱۲ [3] اسلام میں رہبانیۃ (ترک دنیا) نہیں ہے ۱۲

تعلیم لوازمِ بشریّہ کا سلب کرنا نہیں ہے بلکہ مختلف اور گوناگون طبعی تقاضوں کو اعتدال پر لانا ہے۔ اس خیالی اور وہمی تقدس کو مذہب میں داخل کرنے کا ضروری نتیجہ ہے ریا اور سمعہ کہ مذہبی لوگ بتکلف اُن صفات سے اپنا متصف ہونا ظاہر کرتے ہیں جن سے وہ واقع میں متصف نہیں ہیں اور نہ ہو سکتے ہیں۔ اسلام تو ایک سیدھا سادہ مذہب ہے جسکو تصنع چھو نہیں گیا۔ پیغمبر صاحب رُوحی فِدَاہٗ خود اپنی نسبت پکارے کہتے تھے۔ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اور لَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ اُنھوں نے کبھی اپنی غلطی کی پردہ داری نہیں کی۔

| | |
|---|---|
| لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (انفال ع ۱) | اگر خدا (کے ہاں) سے (تمہارے) اس قصور کی معافی کا حکم تحریری پہلے سے (نافذ) نہ ہوچکا ہوتا تو جو کچھ تم نے (ہر کے قیدیوں کو چھوڑ دینے کے بدلے میں) لیا ہے اس (قصور کی سزا) میں ضرور تم پر بڑا ہی عذاب نازل ہوتا ۱۲ |
| عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ۝ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ۝ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۝ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۝ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۝ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۝ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۝ وَهُوَ يَخْشٰى ۝ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۝ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۝ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۝ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ۝ (عبس ع ۱) | (محمد) اتنی بات پر چیں بجبیں ہوئے اور موہنہ موڑ بیٹھے کہ (ایک) نابینا ان کے پاس آیا اور (اے پیغمبر) تم کیا جانو عجب نہیں کہ (تمہاری تعلیم سے) وہ سنور جائے یا نصیحت (کی باتیں) سُنے اور اُسکو نصیحت سود مند ہو۔ تو جو شخص (دین کی طرف سے) بے پروائی کرتا ہے اُس کی طرف تو تم خوب توجہ کرتے ہو حالانکہ (اگر) وہ ٹھیک نہ ہو تو تم پر کچھ (الزام) نہیں اور جو (خدا سے ڈر کر) تمہارے پاس دوڑتا ہوا آئے تو تم اُس سے بے اعتنائی کرتے ہو سنو جی! قرآن تو (سرتاسر) نصیحت ہے پس جو چاہے اُس کو سوچے (سمجھے اور ہمارے ہاں وہ لوح محفوظ کے) اوراق میں (لکھا ہوا) ہے جن کی تعظیم کی جاتی ہے (اور وہ) اونچی جگہ رکھے ہوئے (ہیں اور) پاک (ہیں) اور (ایسے) لکھنے والوں (یعنی فرشتوں) کے ہاتھوں میں (رہتے ہیں) جو بزرگ (اور) نیکو کار ہیں۔ |

اور غلطی کرنا لازمۂ طبیعتِ بشری ہے کہ ہیچ نفس بشر خالی از خطا نبود۔ قطعہ

| | |
|---|---|
| بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیرِ خویش<br>ورنہ سزاوارِ خداوندیش | عذر بدرگاہِ خدا آورد<br>کس نتواند کہ بجا آورد |

اور اسی لئے پیغمبر صاحب ہمہ وقت کثرۃ سے استغفار فرماتے رہتے تھے اور حکم خدا بھی یوں ہی تھا فَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ[1] اور فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ[2] مگر غلطی غلطی میں اور غلطی ہی کا دوسرا نام ہے گناہ فرق ہے۔

[1] تو (اے پیغمبر) اپنے گناہ کی بخشش مانگو ۱۲ [2] تو (اے پیغمبر) اپنے پروردگار کی حمد (و ثنا) کے ساتھ تسبیح و تقدیس کرو اور اُس (خدا) سے معافی مانگو ۱۲

ایک غلطی بڑی ایک غلطی چھوٹی۔ گناہ ایک کبیرہ۔ ایک صغیرہ۔ ایک ترک اَدنےٰ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ[1] پس اگر تم صحابہ میں وہ فرضی اور خیالی اوراِدّعائی تقدس ڈھونڈتے ہو جو مراد ہے تجرد عن البشریۃ کو تم سب کی طرف سے بچے دیتے ہیں کہ کسی ایک کو بھی یہ رتبہ حاصل نہ تھا۔ اِن سب سے بھی بلا استثنائے احدے غلطیاں ہوئی ہیں فروگزاشتیں ہوئی ہیں مگر ان کے حسنات کے مقابلے میں ان کے سیئات کسی حساب میں نہیں اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّئَاتِ[2] اور ہم نالائقوں کو کہ ۶ عار دارد کفر از اسلامِ ما۔ کے مصداق ہیں ان بزرگوں کے نام کے ساتھ کسی برائی کا ذکر کرنا کیسا خیال کرنا بھی چھوٹا مونھ بڑی بات ہوے

| | |
|---|---|
| چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد | میلش اندر طعنۂ پاکاں بُرد |

| | |
|---|---|
| لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابِیْ فَلَوْاَنَّ اَحَدَکُمْ اَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا مَّا بَلَغَ مُدَّ اَحَدِهِمْ وَلَا نَصِیْفَهٗ ۔ (صحیحین) | (پیغمبر صاحب نے فرمایا لوگو!) میرے صحابہ کو بُرا نہ کہو کیونکہ اگر تم میں کا کوئی کوہ اُحُد کے برابر بھی سونا (راہِ خدا میں) خرچ کرے گا تو اُن کے ایک مُد بلکہ نصف مُد کی برابری بھی نہیں کرسکے گا۔ |
| وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَیَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَیْرِ عِلْمٍ ۔ (الانعام ۶ ع ۱۳) | اور (مسلمانو!) جو لوگ خدا کے سوا دوسرے دوسرے معبودوں کو حاجت روائی کے لئے بُلایا (یعنی اُن کی پرستش کیا) کرتے ہیں اُن کو بُرا نہ کہو یہ لوگ (بھی) براہِ نادانی ناحق (ناروا) خدا کو بُرا کہہ بیٹھیں گے۔ |

تو کیا اصحاب ہی باچندیں خدمات بعد عون من اللہ ایسے بھی گئے گزرے ہوئے کہ اُن کو مونھ بھر بھر کے گالیاں دی جائیں صرف اس وجہ سے کہ علی رضؓ اور اُن کی نسل خلافت پر قبضہ پانے سے قاصر رہے ۔

| | |
|---|---|
| یہ عذرِ امتحانِ جذبِ دل کیسا نکل آیا | میں الزام اُن کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا |

## اُمّ المومنین بی بی حفصہ رضی اللہ عنہا

اِن کی تقریب کے لئے اسی قدر بس کرتا ہوں کہ یہ خلیفۂ ثانی عمر رضؓ کی بیٹی ہیں اسلامی خدمات کے اعتبار سے تو عمر رضؓ ابوبکر رضؓ سے دوسرے درجے میں تھے اور اسی وجہ سے خلافت بھی اِن کو ابوبکر کے بعد ملی اور ابوبکر رضؓ ہی کی وصیت سے ملی مگر فتوحات کے اعتبار سے تمام صحابہ میں بس اِن ہی پر نظر پڑتی ہے اور یہی سب میں پیش پیش دکھائی دیتے ہیں چونکہ دونوں کی خلافتیں اغراضِ نفسانی کے شائبے سے بالکل پاک تھیں سقیفۂ بنی ساعدہ میں خلیفہ کا انتخاب پیش تھا ابوبکر رضؓ نے عمر رضؓ سے کہا کہ تم خلافت قبول کرو۔ عمر رضؓ نے جلدی سے ابوبکر رضؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ ظاہر میں دو تن تھے مگر اسلام کی خیر خواہی میں یک جان و دو قالب با ایں ہمہ دونوں

[1] نیکو کاروں کی نیکیاں مقربین کے آگے برائیاں ہیں [2] بے شک نیکیاں برائیوں کو دور کردیتی ہیں ۱۲

میں منافسنہ بھی تھی تو وہی دوستانہ منافسہ وفی ذالک فلیتنافس المتنافسون۔ دونوں پیغمبر صاحب کے ساتھ تقرب میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتے تھے۔ غزوۂ تبوک کے لئے پیغمبر صاحب نے اصحاب سے چندے کی تحریک کی تو جس سے جتنا بن پڑا دے نکلا عمر رضؓ نے آدھا مال لا حاضر کیا اور سمجھے کہ آج میں ابوبکر رضؓ سے ضرور بازی لے جاؤنگا مگر بعد کو معلوم ہوا کہ ابوبکر رضؓ اپنا سارا مال چندے میں دے چکے ہیں۔ یہ ہی دوستانہ منافستہ مادح اور ماجور ہے کاش ایسی ہی منافسنہ فاطمہ رضؓ اور عائشہ رضؓ میں ہوتی اور ایسی ہی منافستہ علی رضؓ اور ابوبکر رضؓ میں تو چشم ما روشن دل ماشاد ہم سمجھتے ہیں کہ پیغمبر صاحب کے ساتھ حفصہ کا نکاح بھی اسی دوستانہ منافستہ کی وجہ سے تھا جو ابوبکر رضؓ اور عمر رضؓ کے درمیان قائم تھی کہ دونوں پیغمبر صاحب کے ساتھ تقرب کے طالب تھے۔ ابوبکر رضؓ اپنی بیٹی عائشہ رضؓ پیغمبر صاحب کو دے چکے تھے۔ حفصہ رضؓ پیغمبر صاحب سے ۳۵ برس چھوٹی یعنی فاطمہ رضؓ کی ہم سن تھیں۔ ان کا پہلا نکاح خُنَیس بن حُذافہ السہمی سے ہوا دونوں میاں بیوی ہجرۃ کر کے مدینے آئے خُنَیس جنگِ بدر میں شریک ہوئے۔ پھر چند روز بعد مدینے میں انتقال کر گئے۔ حفصہ بیوہ ہو گئیں۔ وہ لوگ ہم ہندوستان کے مسلمانوں جیسی جھوٹی غیرت تو رکھتے نہ تھے عدۃ کے گزرنے پر خود عمر رضؓ نے ابوبکر رضؓ اور عثمان رضؓ کو جن کی بیوی پیغمبر صاحب کی صاحبزادی رقیہ انتقال فرما گئی تھیں حفصہ کے نکاح کا پیام دیا۔ ہمارے نزدیک حفصہ کے بیوہ ہوتے ہی عمر رضؓ کو حفصہ کے پیغمبر صاحب کو دینے کا خیال آیا ہوگا مگر مارے ادب کے پیغمبر صاحب سے کہنے کا ہیاؤ نہ پڑا ابوبکر رضؓ اور عثمان رضؓ کو اسی غرض سے پیام دیا کہ بات پیغمبر صاحب کے کانوں میں پڑے وہ خود حفصہ کے حقوقِ ہجرۃ اور بیوگی اور پدری خدمات کا خیال کر کے حفصہ کے نکاح کی طرف راغب ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حفصہ رضؓ زمرۂ اُمہات المومنین میں داخل ہو گئیں۔ حفصہ رضؓ کی خصوصیتوں میں اتنی باتیں ہیں کہ عمر رضؓ کے خاندان کی عورتوں میں بھی پڑھنے لکھنے کا چرچا تھا۔ عمر رضؓ کے اسلام لانے کے بیان میں معلوم کر چکے ہو کہ عمر رضؓ کی بہن فاطمہ اور ان کے شوہر سعید بن زید عمر رضؓ سے پہلے اسلام لا چکے تھے۔ عمر رضؓ نے دفعتہً ان لوگوں کو قرآن پڑھتوں کو جا لیا اور سورۂ حدید کے شروع کی آیتیں پڑھ کر ایمان لے آئے۔ ابوبکر رضؓ نے اپنی خلافۃ میں جو اول بار قرآن جمع کرایا قرآن کا وہ پہلا نسخہ حفصہ رضؓ ہی کے پاس امانۃ تھا۔ حفصہ رضؓ کی ایک خصوصیۃ یہ تھی کہ اُمہات المومنین میں سب سے زیادہ عبادۃ گزار اور پرہیزگار تھیں اور وہ پیغمبر صاحب کی وفات کے بعد گوشہ نشین ہو گئی تھیں، لوگوں سے ملتی جلتی کم تھیں حفصہ رضؓ اور عائشہ رضؓ میں ویسی ہی دوستی محبۃ تھی جیسی ابوبکر رضؓ اور عمر رضؓ میں یہاں تک کہ جب عائشہ رضؓ علی رضؓ سے ناخوش ہو کر طلحہ اور زبیر کے ساتھ جا ملی تھیں حفصہ رضؓ بھی عائشہ رضؓ کے طرفداروں میں تھیں مگر ان کے بھائی عبداللہ ان کو سمجھا کر واپس لوا لانے تھے۔ حفصہ رضؓ نے ۵۹ برس کی عمر میں جمادی الاولیٰ سنہ ۴۱ھ میں انتقال کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ حسن رضؓ نے بطوعِ خاطر خلافۃ کے دردسر سے سُبکدوشی حاصل کر کے معاویہ کے ہاتھ پر بیعۃ کر لی تھی۔

## اُمّ المومنین زینب رضی اُمّ المساکین ہلالیہ

ان کے والد خزیمہ بن حارث بن عبداللہ بن عمرو بن عبدمناف بن ہلال بن عامر بن صعصعہ تھے اور والدہ ہند بنت عوف۔ چونکہ ان کی چھٹی پشت میں ہلال ہو گزرے ہیں اُن ہی کی ناموری کی وجہ سے یہ ہلالیہ کہلاتی تھیں یعنی بنو ہلال قبیلے ہی کی۔ مگر ازبسکہ مساکین کی بہت پرداخت کرتی رہتی تھیں اُم المساکین کے لقب سے مشہور تھیں۔ یہ پیغمبر صاحب سے عمر میں ۲۷ برس چھوٹی تھیں۔ ان کا پہلا نکاح پیغمبر صاحب کے پھوپی زاد بھائی عبداللہ بن جحش سے ہوا تھا وہ جنگ اُحد میں شہید ہو گئے۔ اسلام اور ہجرۃ اور بیوگی اور مساکین کی ہمدردی اور رشتہ داری اتنی باتیں پیغمبر صاحب کو زینب کے ساتھ نکاح کرنے کی داعی ہوئیں اور عورتیں بھی پیغمبر صاحب کے نکاح میں آنے کو اپنے حقوق کا کافی معاوضہ سمجھتی تھیں۔

زینب نے صرف دو تین مہینے پیغمبر صاحب کے نکاح میں رہ کر مدینے میں انتقال کیا۔ پیغمبر صاحب نے ان کے جنازے کی نماز پڑھائی۔ پیغمبر صاحب ہی نے ان کو قبر میں اُتارا اور قبرستان بقیع میں دفن ہوئیں۔

## اُمّ المومنین حضرۃ اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ان کا نام ہند۔ کنیت اُمّ سلمہ۔ باپ کا نام ابوامیہ اور ما کا عاتکہ۔ ابواُمیہ عرب کا ایک بڑا اجری اور مشہور بہادر اور قریش کا نامور اور معزز سردار تھا۔ بی بی ام سلمہ باپ کی طرف سے قریشی اور ما کی طرف سے کنانی تھیں کیونکہ ان کی ما عاتکہ عامر کنانی کی بیٹی ہیں۔

بی بی اُمّ سلمہ کی ولادۃ پیغمبر صاحب کی نبوۃ سے نو برس پہلے ہوئی تھی یعنی جس وقت یہ پیدا ہوئیں پیغمبر صاحب کی عمر اکتیس برس کی تھی۔ ان کی پہلی شادی عبدالاسد مخزومی کے فرزند ابوسلمہ کے ساتھ ہوئی جو ان کا چچازاد بھائی تھا۔ یہ اُن لوگوں میں تھیں جو راستی طبیعۃ کے تقاضے سے اسلام کی منادی سُنتے کے ساتھ بے چون وچرا پیغمبر صاحب پر ایمان لے آئے اور بقدر رسائی دوسروں کو ترغیب دی چنانچہ انھوں نے اپنے شوہر ابوسلمہ کو سمجھایا اور وہ بھی السابقون الاولون کے زُمرے میں داخل ہو گئے۔

جو مسلمان شروع میں اپنے دین کے خاطر حبشے نکل بھاگے اُن میں اُمّ سلمہ اور ان کے شوہر ابوسلمہ بھی تھے، دونوں میاں بی بی کئی برس تک حبشے میں رہے، وہیں ان کے پہلونٹی کا بیٹا سلمہ پیدا ہوا جس کی وجہ باپ ابوسلمہ کہلایا اور ما اُمّ سلمہ۔ ان کے ایک بیٹا عمر اور دو بیٹیاں زینب اور درہ تین بچّے اور بھی ہیں مگر وہ سب سلمہ کے بعد کے ہیں۔ عرب میں کُنیّۃ کا عام دستور تھا کہ اصل و فرع کے تعلّق سے نام کے علاوہ ایک اور نام رکھ لیا جاتا تھا اور اسی نام سے مسمّی یا مسماۃ کو پکارتے تھے مرد ہوا تو فلاں کا باپ فلاں کا بیٹا عورۃ ہوئی تو فلاں کی ما فلاں کی بیٹی فرع کے

تعلق سے کُنیۃ اکبر اولاد کے نام پر رکھی جاتی تھی۔ کُنیۃ اکثر نام سے زیادہ مشہور ہوتی تھی اور وہی عَلَم کا کام دیتی تھی اسی لئے پیغمبر صاحب نے فرمادیا تھا کہ چاہو میرا سا نام محمدؐ رکھو مگر میری سی کنیۃ ابوالقاسم نہیں تاکہ مجھکو دھوکا نہ ہو۔ کُنیۃ کے دستور کو ہم داخلِ آدابِ معاشرۃ سمجھتے ہیں کیونکہ نام کے لینے میں ایک طرح کا اکھڑ پن پایا جاتا ہے۔ افسوس ہو کہ ہمارے ملک میں کنیۃ کا رواج نہیں اور اکثر اس کی ضرورۃ محسوس ہوتی ہو۔

مولوی لوگ عرب کی تقلید میں اپنے لئے کُنیتیں وضع کرنے لگے ہیں مگر چونکہ رواج نہیں کوئی اِن کی کُنیتوں کی پروا نہیں کرتا ہاں لکھنے میں کنیۃ سے اپنا نام شاندار دیکھ کر مولوی اپنے جی میں خوش ہولیتے ہیں اور یہی اُن کی غرض بھی تھی۔ ای آدم زادیہ بھی تیرے عُجب کی ایک ادا ہے ؎

| | | | |
|---|---|---|---|
| بہر رنگے کہ خواہی جلوہ گر باش | کہ من آن قدرِ عنائی شناسم | | |

لوگ مرد اور عورۃ دونوں بزرگانِ دین یہاں تک کہ پیغمبروں اور پیغمبر صاحب کی بیبیوں بیٹیوں کے نام پر تبرکاً اپنے نام رکھ لیتے ہیں۔ اِس کا مضائقہ نہیں مگر بچوں کے کوسنے اور بُرا بھلا کہنے سے اور بڑوں کی بدکرداریوں سے ناموں کی بڑی بے حرمتی ہوتی ہو۔ برعکس نہند نام زنگی کافور۔ اس کا خیال رکھا جائے تو صرف ناموں سے لوگوں کے اعمال کی بہت کچھ اصلاح ہوسکتی ہو۔ ناواقف لوگ سلمہ اور سلمیٰ میں فرق تو کرتے نہیں عورتوں کے نام سلمیٰ رکھ لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ اُمّ المومنین اُمّ سلمہ کا نام ہو حالانکہ سلمیٰ کسی عورۃ کا نام ہو اور نام بھی ایسا عام کہ اکثر شعرائے عرب قصائد میں اِس نام سے تشبیب کرتے ہیں اور سلمہ صحابی ہیں جن کے نام پر اُمّ المؤمنین نے اُمّ سلمہ اپنی کُنیۃ رکھ لی تھی۔

اُمّ المؤمنین اُمّ سلمہ کے حالات میں اِن کی ہجرۃ خصوصیۃ کے ساتھ ذکر کے قابل ہو۔ ہجرۃ کے معنے ہیں ترکِ وطن۔ مگر ترکِ وطن ایک ہوتا ہے اختیار سے اور ایک ہوتا ہو مجبوری اور اضطرار سے۔ تو جو ہجرۃ مسلمانوں میں متعارف ہو اور اُمّ سلمہ کی ہجرۃ بھی اسی قسم کی تھی، وہ ترکِ وطن تھا مجبوری اور اضطرار سے کہ شروع کے مسلمان کفار کے مظالم سے بچنے کے لئے تین مرتبے مکّے سے نکل نکل بھاگے ہیں، دو مرتبے حبشے اور آخری مرتبہ مدینے۔ اصلی ہجرۃ یہی مدینے کی ہجرۃ ہے جس میں خود پیغمبر صاحب بھی شامل تھے اور اِسی ہجرۃ سے ہجری سنہ چلا ہو۔

نومسلموں کو ہجرۃِ حبشہ کا حکم ہوا تو پیغمبر صاحب کی صاحب زادی بی بی رقیہؓ اور اِن کے شوہر عثمان رضؓ کے بعد سب سے پہلے بی بی اُمّ سلمہ اپنے شوہر سمیت حبشے ہجرۃ کر گئیں۔ کچھ عرصے بعد مکّے میں حضرۃ حمزۃؓ اور حضرۃ عمر رضؓ جیسے شیر دل اور بہادر لوگوں کے مشرّف باسلام ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے لئے کچھ امن ہوگیا تھا۔ گو پورا اطمینان تو اب بھی نہ تھا مگر ویسی مار دھاڑ اور ضربِ شلاق اور آبرو ریزی نہ تھی جیسی پہلے ہوتی تھی۔ مکّے میں امن ہونے کی خبر مہاجرینِ حبشہ کو پہنچی تو وہ یکے بعد دیگرے پھر مکّے میں سمٹ آئے۔ بی بی اُمّ سلمہ بھی اپنے شوہر اور بچے سمیت مکّے لوٹ آئیں لیکن انہیں مکّے آئے چند ہی روز گزرے تھے کہ پیغمبر صاحب اور مسلمانوں کو

مدینے ہجرت کرنے کا حکم ہوا۔ بیبی اُمِّ سلمہ بھی ہجرت کی تیاری میں مصروف ہوئیں اور نومسلموں کے ایک مختصر قافلے کے ساتھ مدینے کی طرف چل کھڑی ہوئیں۔

مورخ ابن اثیر نے بیبی اُمِّ سلمہ کی ہجرتِ مدینہ کا واقعہ نہایت موثر اور پُر درد لفظوں میں ان ہی کی زبان سے ادا کیا ہے پس بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ہم بھی اس واقعے کو بیبی امِّ سلمہ ہی کی زبان سے اُن ہی کے لفظوں میں بیان کریں۔ بیبی ام سلمہ کہتی ہیں کہ جب مسلمان، ہجرتِ مدینہ کی تیاریاں کر رہے تھے تو میرے شوہر ابوسلمہ اور اُن کے ساتھ میں بھی سامانِ سفر کی درستی میں مصروف تھی، اپنے شہر و وطن اور اپنے خان مان کے چھوڑنے اور غیر جگہ غیر آدمیوں میں بود و باش کرنے کا کس کو افسوس نہیں ہوتا اور اس خصوص سے نومسلم مہاجرین بھی مستثنیٰ نہیں تھے مگر اُنھوں نے اپنے دین کی حفاظت اپنے ایمان کے بچاؤ کے خاطر ان سب باتوں کو بالائے طاق رکھا اور نہایت خوشی و شادمانی کے ساتھ راہِ غربت میں گامزنی کرنے کو تیار ہو گئے۔ اس موقع پر میرے شوہر ابوسلمہ کے پاس صرف ایک اونٹ تھا اور ہم تین آدمی سوار ہونے والے تھے۔ ایک میں، دوسرا میرا ننھا سا بچّہ سلمہ، تیسرا میرا شوہر ابوسلمہ اس موقع پر اتنی گنجائش نہ تھی کہ ہم دوسرا اونٹ خرید کر آسائش کے ساتھ سفر طے کرتے مجبوراً اسی ایک اونٹ پر میرے شوہر ابوسلمہ نے مختصر سا سامان لاد لیا اور کجاوہ کس کر مجھکو اوپر بٹھا بچّے کو میری گود میں دے خود اونٹ کی نکیل ہاتھ میں لے روانہ ہو گئے۔ بنو مغیرہ کو جب ہمارے چلنے کی خبر ہوئی اور یہ میرے میکے کے لوگ تھے تو اُنھوں نے آکر میرے شوہر ابوسلمہ کی مزاحمت کی اور سختی سے کہا کہ تم ہماری لڑکی کو کہاں لے جاتے ہو تمہیں اپنی ذات کا اختیار ہے جہاں چاہو خدائی خوار مارے مارے پڑے پھرو ہم اپنی لڑکی کی تو یوں مٹی خراب نہیں ہونے دیں گے بھلا یہ بھی کوئی عقل کی بات ہے کہ عورت ذات اور وہ بھی بچے والی یوں بے سر و سامان جنگلوں و بیابانوں میں تمہارے ساتھ سرگرداں پھرے اس وقت میرے شوہر کی اور اُن سے بہت زیادہ میری بُری حالت تھی میں اونٹ پر بیٹھی رو رہی تھی اور میرے شوہر ابوسلمہ مجبوری اور بیکسی کی حالت میں مایوسانہ نظروں سے بار بار مجھے دیکھتے تھے۔ آخر الامر میرے میکے والوں نے میرے غریب اور بیکس شوہر کے ہاتھ سے جبراً اونٹ کی نکیل چھین لی اور مجھے اُلٹا میکے کی طرف لے چلے اس وقت جو قلق مجھ پر گزرا بیان سے باہر ہے میں زار و قطار روتی جاتی اور پیچھے مُڑ مُڑ کر اپنے شوہر ابوسلمہ کو دیکھتی جاتی تھی اسی اثنا میں میرے سسرال والے بنو عبدالاسد آپہنچے، غالباً اُن کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ میرے میکے والوں نے میرے شوہر کے ساتھ بیجا زیادتی کی ہے اُنھوں نے آتے کے ساتھ نہایت طیش اور برہمی کے لہجے میں میرے میکے والوں کی طرف روئے سخن کر کے کہا کہ اگر تم اپنی لڑکی پر قبضہ کرتے اور اُس کو اُس کے شوہر کے ساتھ نہیں جانے دیتے ہو تو ہم اپنے بچے کو تمہاری لڑکی کے پاس ہرگز نہیں چھوڑ سکتے الغرض میرے سسرال والوں نے میرے بچے سلمہ کو زبردستی میری گود سے چھین لیا۔ اب میری نظروں میں دُنیا اندھیر تھی شوہر سے چھوٹنے کا جو رنج تھا سو تھا اپنے ننھے سے بچے کی مفارقت کا وہ صدمہ ہوا جس کا دسواں حصّہ بھی بیان کرنا میرے امکان سے خارج ہے الغرض میرے میکے والے مجھے اپنے ساتھ مکّے لے آئے اور میرے بچے سلمہ کو سسرال والے لے گئے اور میرے شوہر

ابوسلمہ کو چونکہ ہجرۃِ مدینہ کا حکم تھا وہ خدا رسول کی حکم عدولی کیونکر کرسکتے تھے مجھے اور بچے کو چھوڑ سیدھے مدینے پہونچے۔ مجھے اپنے شوہر بالخصوص اپنے بچے کی جدائی کا صدمہ کسی پہلو پر چین نہیں لینے دیتا تھا اور میرے میکے کا وسیع اور آباد گھر میرے لئے قید خانے سے کسی طرح کم نہ تھا۔ رات جوں توں کرکے جس طرح بن پڑی کاٹی اور صبح ہوتے ہی گھر سے نکل میدان کے ایک ٹیلے پر آ بیٹھی اور شام تک برابر روتی رہی۔ اب سے روزانہ میرا یہی کام تھا کس کا کھانا کس کا سونا کس کا بولنا بات کرنا رات گھر آکر منہ لپیٹ پڑ رہی اور صبح سویرے میدان کے ٹیلے پر جا بیٹھی اور شام تک روتی رہی۔ ہر چند میں اپنے آپ کو بہت سنبھالتی تھی مگر آنکھوں کے آنسو کسی طرح تھمنے کا نام ہی نہیں لیتے تھے، بیساختہ دل بھر بھر آتا تھا اور کلیجہ بے قابو ہوا جاتا تھا۔ ایک سال یا اس سے کچھ کم میرا یہی حال رہا۔ اس کے بعد بنو مغیرہ میں کا ایک شخص جو رشتے میں میرا چچا زاد بھائی ہوتا تھا میرے پاس ملنے کو آیا اور میری اس بیکسی اور زار زار حالت کو دیکھ کر سخت افسوس کیا۔ اس نے میری بہت کچھ ڈھارس بندھائی اور کہا تو زیادہ غمگین و ملول نہ ہو میں تیرے خاندان کے لوگوں سے تیری سفارش کرکے تجھے مدینے پہونچوا دیتا ہوں، یہ کہہ کر اس نے قبیلے کے لوگوں کو جمع کیا اور سردارِ قبیلہ کو میری حالتِ زار پر متوجہ کرکے کہا کہ آپ اس مسکین کو کیوں نہیں چھوڑ دیتے، افسوس ہے کہ اتنے عرصے سے یہ دکھیا اپنے بچے اور شوہر کی مفارقت میں بے چین و بے قرار ہے اور تمہارے پتھر سے زیادہ سخت دل اس کی بیچینی اور درد کا احساس نہیں کرسکتے۔ خاندان کے لوگ اس کی اس تقریر سے اس قدر متاثر ہوئے کہ بے چون وچرا سب نے مجھے مدینے چلے جانے کی اجازت دے دی اسی اثناء میں میرے سسرال والوں نے میرے بچے سلمہ کو بھی میرے پاس پہونچا دیا۔ اب میں اپنے بچے کو گود میں لے اونٹ پر سوار ہوئی اور تنہا مدینے کی طرف چل کھڑی ہوئی۔ اسوقت خدا کے سوا نے اور کوئی میرے ساتھ نہ تھا۔ میں رستے سے بالکل واقف نہ تھی، نہ کوئی پڑاؤ اور مقام مجھے معلوم تھا خدا کو یاد کرتی جنگل بیابان میں چلی جاتی تھی۔ جب موضع تنعیم میں پہونچی تو طلحہ کا بیٹا ابو طلحہ کا پوتا عثمان سامنے سے آتا دکھائی دیا جو کسی غرضِ خاص سے مکّے جاتا تھا۔ جب وہ قریب آیا تو مجھے پہچان کر بولا کہ ابو امیّہ کی بیٹی! کہاں جاتی ہے؟ میں نے کہا مدینے اپنے شوہر ابوسلمہ کے پاس۔ کہا کیا تمہارے ساتھ کوئی آدمی ہے؟ میں نے جواب دیا کہ خدا اور میرے اپنے بچے کے سوائے کوئی تیسرا شخص میرے ساتھ نہیں ہے۔ یہ سن کر اس شریف نہاد و نیک ذات نے میرے اونٹ کی مہار ہاتھ میں لے لی اور آگے آگے دن بھر چلتا رہا۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ عثمان سے زیادہ رحمدل ہمدرد مصیبتہ میں کام آنے والا آدمی میں نے تو دیکھا نہیں، جب وہ کسی پڑاؤ یا منزل پر پہونچتا تو اونٹ کو بٹھا مجھ سے الگ آڑ میں کھڑا ہوجاتا۔ میں اتر لیتی تو اونٹ کو کسی درخت کے سایئے میں باندھ دیتا اور خود وہیں پڑ رہتا، چلنے کا وقت ہوتا تو اونٹ کے پاس آ کھڑا ہوتا اور نہایتہ سہولت کے ساتھ مجھے اور میرے بچے سلمہ کو سوار کرکے آگے کو روانہ ہوتا۔ الغرض ہم کئی روز تک اسی طرح چلا کئے یہاں تک کہ مدینے پہنچ گئے، مدینے پہونچ کر جب اس کی نظر بنی عمرو بن عوف کی بستی قُبا پر پڑی تو کہنے لگا تمہارا شوہر ابوسلمہ اسی

بستی میں مقیم ہو اب تم جاؤ اور اپنے شوہر کو تلاش کرو بس میں کے جاتا ہوں میں اونٹ پر سے اُتری اور خدا کی برکت و مہربانی کے ساتھ محلہ قبا میں داخل ہوئی ابوسلمہ جب مجھے مل گئے تو عثمان مکّے واپس چلا گیا۔

اس کے بعد بیبی اُم سلمہ اکثر کہا کرتی تھیں کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے میں یقین کے ساتھ کہتی ہوں کہ اسلام کے خاطر جو مصیبتہ ابوسلمہ کی بیوی یعنی میں نے جھیلی ہے ویسی مصیبتہ مہاجرین کے کسی اہلِ بیت نے نہیں جھیلی اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کرتی تھیں کہ میں نے اپنی عمر بھر کسی مصاحب اور ساتھی کو ایسا رحمدل ایسا ہمدرد ایسا مصیبتہ میں کام آنے والا نہیں دیکھا جیسا طلحہ کے بیٹے عثمان کو خدا اُس پر رحم کرے اور توفیقِ اسلام عنایتہ فرما کر جنّت نصیب فرمائے۔

کہا جاتا ہے کہ جس مسلمان بیبی نے سب سے پہلے مدینے ہجرۃ کی بیبی اُم سلمہ ہیں۔ اِن کے شوہر ابوسلمہ پیغمبر صاحب کے بڑے جلیل القدر اور باوقعت صحابی تھے جنھوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام کی خدمتہ میں جان تک راہِ خدا میں قربان کر ڈالی۔ بیبی ام سلمہ کو مدینے آئے ہوئے پورے دو سال بھی نہیں ہوئے تھے کہ پیغمبر صاحب کو معرکۂ بدر پیش آیا اور ان کے شوہر ابوسلمہ اس معرکہ میں شہید ہوئے اب تو بیبی اُم سلمہ پر گویا مصیبتہ کا پہاڑ ٹوٹ پڑا اور ان کی آنکھوں میں دُنیا اندھیر ہو گئی۔ سچ ہے اسلام میں یعنی اسلام کی خاطر جتنی مصیبتیں بیبی اُم سلمہ نے جھیلیں کسی اور مسلمان مہاجر بیبی نے نہیں جھیلیں اور اسی وجہ سے اِن کی پوری دلجوئی اور تسلّی بجز اس کے اور کسی طرح ہو ہی نہیں سکتی تھی کہ خود پیغمبر اسلام اِن کو اپنی زوجیتہ کا شرف عنایتہ فرمائیں اور آخر کار ایسا ہی ہوا بیبی اُم سلمہ کے ہاں ابوسلمہ سے اُن کے حینِ حیاۃ دو بیٹے سلمہ اور عمر اور ایک بیٹی درّہ تین اولادیں پیدا ہو چکی تھیں۔ جب ابوسلمہ معرکۂ بدر میں شہید ہوئے تو بیبی اُم سلمہ حاملہ تھیں بعد کو زینب پیدا ہوئیں جو آخر کار جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی ربیبہ کہلائیں۔ ابوسلمہ کے شہید ہو جانے کا بیبی اُم سلمہ کو اس درجے صدمہ ہوا کہ مدتوں ان کی آنکھوں کے آنسو خشک نہیں ہوئے اور اگرچہ مدّتِ عدۃ گزر جانے کے بعد بہت لوگوں نے اِن کو نکاح کا پیام دیا مگر انھوں نے صاف طور پر کہہ دیا کہ میں اپنے بچّوں کی پرورش کروں گی اور ان سے اپنے دلِ دردمند کو تسلّی دونگی، دوسری شادی کروں گی تو اِن کی مٹّی خوار ہوگی۔ حضرۃ ابوبکر نے جو نہایتہ رقیق القلب اور رحمدل تھے اور جنکی توجّہ نومسلموں کی مداراۃ و دلجوئی میں بہتہ مصروف رہتی تھی اور اسی وجہ سے اُنھوں نے اکثر مسلمان لونڈی غلاموں کو اُن کے کافر آقاؤں کے پنجۂ ظلم سے چھڑانے کی غرض سے مونھ مانگے داموں پر خرید کر آزاد کیا تھا بیبی اُمّ سلمہ کو نکاح کا پیام دیا اور انھوں نے انکار کر دیا۔ آخر میں جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرۃ عمر بن الخطاب کو ان کے پاس بھیجا اور انھوں نے جا کر کہا کہ پیغمبر صاحب تم کو اپنے نکاح کا پیام دیتے ہیں بیبی اُم سلمہ نے کہا عمر! تم پیغمبر صاحب سے جا کر کہو کہ میں ایک عورۃ ہوں غیور یعنی میری طبیعتہ سخت غیرتمند واقع ہوئی ہے اور قطعِ نظر اِس کے میرے کئی بچّے ہیں اور میرا کوئی ولی وارث یہاں موجود نہیں ہے حضرۃ عمر نے پیغمبر صاحب کی خدمتہ میں حاضر ہو کر تمام واقعہ عرض کیا پیغمبر صاحب نے فرمایا میں خدا سے دعا کروں گا کہ وہ تمہاری ناواجب غیرۃ کو تمہاری طبیعتہ سے نکال دے گا رہے تمہارے بچّے اُن کی کفالتہ میرے ذمّے یہ سُن کر بیبی اُم سلمہ راضی ہو گئیں

اور ان کے بیٹے سلمہ نے اپنی ولایۃ سے ان کا نکاح پیغمبر صاحب سے کر دیا یہ نکاح ۴ سنہ ہجری میں ہوا۔

بیبی اُمّ سلمہ کا انتقال شوال کے مہینے ۶۱ سنہ ہجری میں ہوا اس وقت ان کی عمر ۸۴ برس کی تھی ازواج مطہرات میں سب سے آخر میں ان ہی کا انتقال ہوا۔

ان کے انتقال سے کچھ پہلے ۶۱ سنہ ہجری میں حسین بن علیؓ موضع کربلا میں شہید ہوئے جس روز حسین بن علیؓ کربلا میں شہید ہوتے بیبی اُمّ سلمہ نے مدینے میں اُسی روز اس واقعے کی خبر شائع کر دی تھی چنانچہ ترمذی میں ابو رافع کی بیوی سلمٰی سے روایۃ ہی کہ میں ایک روز بیبی اُمّ سلمہ کے پاس گئی دیکھتی ہوں کہ وہ زار و قطار رو رہی ہیں میں نے رونے کا سبب پوچھا تو لگیں کہنے میں نے ابھی جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور اس وحشت ناک حالۃ میں دیکھا کہ آپ کے سر اور ڈاڑھی مبارک کے بال خاک آلود ہیں میں نے پیغمبر صاحب کی یہ حالۃ دیکھکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کا کیا حال ہو کہ سر اور ڈاڑھی مبارک کے تمام بال خاک آلود ہو رہے ہیں فرمایا اُمّ سلمہ میں ابھی ابھی مقتلِ حسین میں گیا تھا اور وہیں سے آرہا ہوں سلمٰی کا بیان ہو کہ اس واقعے کے چند روز بعد میں نے سُنا کہ قتلِ حسین کی خبر مدینے کے ہر چہار طرف گشت کر رہی ہو۔

بیبی اُمّ سلمہ کا انتقال ہوا تو بہت سے صحابہ اور تابعین ان کے جنازے میں شریک ہوئے حضرۃ ابوہریرہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور پیغمبر صاحب کے صحابیوں نے بقیع میں جہاں اور اُمہات المومنین مدفون تھیں ان کو دفن کیا۔

اُمّ المؤمنین اُمّ سلمہ کے نام کے ساتھ ذہن خواہی نخواہی ایک بڑے فقہی مسئلے وقف علی الاولاد کی طرف منتقل ہوتا ہو جس کی چھیڑ چھاڑ برسوں سے ہندوستان کے مسلمانوں میں ہو رہی ہو بات یہ ہو کہ کسی شخص نے بڑی قدر و قیمۃ کی جائداد اپنی اولاد کے نام وقف کر دی۔ دوسرے حقدار اس بنا پر اپنے حق کے دعویدار ہوئے کہ وقف علی الاولاد جائز نہیں۔ مقدمہ ہندوستان کی چھوٹی سے لے کر بڑی عدالتوں تک لڑتا رہا یہانتک کہ ولایۃ پہنچا وہاں سے یہی فیصلہ ہوا کہ اسلامی شریعت کی رُو سے وقف علی الاولاد جائز نہیں چونکہ فریقین مسلمان ہیں اُن کو اسلامی شریعت کا پابند رہنا چاہیئے۔ وقف علی الاولاد کرنے والا ہار گیا ہندوستان کے معاملہ فہم مسلمانوں نے سمجھا کہ اس غلط فیصلے کا ضروری نتیجہ یہ ہوتا ہو کہ مسلمانوں کے با مقدور خاندان آخر کو تباہ ہوں کیونکہ صاحب جائداد وقف کے سوائے نالائق اولاد کے دست برد سے جائداد کے محفوظ رکھنے کی اور کوئی تدبیر کر نہیں سکتا۔ ظاہر ہبہ کی صورۃ سمجھ میں آتی ہو مگر ہبہ مشروط بالاجماع معتبر نہیں فتعین الوقف کہ وقف کی صورۃ میں واقف یہ قید لگا سکتا ہو کہ موقوف علیہ منافع وقف سے متمتع ہو اصل جائداد کو کبھی صورۃ سے منتقل نہ کر سکے۔ اب مسلمانوں میں کئی کئی برس سے کھچڑی پک رہی ہو کہ کسی طرح ولایۃ کی انگریزی عدالۃ پر اس کی غلط فہمی ثابت کر کے اُسی سے اُس کا فیصلہ منسوخ کرایا جائے کیونکہ وہ سب انگریزی عدالتوں سے بالا دست عدالۃ ہو اپنا فیصلہ ہی منسوخ کرے تو کرے۔ جوازِ وقف علی الاولاد کی تردید میں بہت سے شواہد ہیں از انجملہ ایک حدیث اُمّ المؤمنین اُمّ سلمہ کی ہو کہ انھوں نے

پیغمبر صاحب سے پوچھ کر اُن کی اجازت سے اپنے پہلے شوہر ابوسلمہ کی اولاد پر جو ان ہی کے بطن سے تھی کچھ جائداد وقف کردی تھی۔ تاکہ اصل مسئلے میں شُبہے کی گنجائش نہ رہے الفاظ حدیث بعینہا نقل کئے جاتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِلِيْ اَجْرٌ اَنْ اُنْفِقَ عَلٰى بَنِيْ سَلَمَةَ اِنَّمَا هُمْ بَنِيَّ فَقَالَ اَنْفِقِيْ عَلَيْهِمْ فَلَكِ اَجْرُ مَا اَنْفَقْتِ عَلَيْهِمْ (صحیحین) | بی بی ام سلمہ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا مجکو اس پر کچھ ثواب ملے گا کہ میں سلمہ کی اولاد پر جو حقیقۃً میری ہی اولاد ہی کچھ خرچ کروں (پیغمبر صاحب نے) فرمایا اُن پر خرچ کرو تمہیں اُس کا اجر ملے گا جو اُن پر خرچ کروگی۔ |

وقف علی الاولاد کے جواز کو ہم نے حدیث اُمّ سلمہ سے اس لئے ثابت کیا کہ یہاں اُن کا مذکور تھا ورنہ اس مسئلے کے نام کے ساتھ ہمارا ذہن منتقل ہوا تھا قرآن کی آیۃ۔

| | |
|---|---|
| يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ | (اے پیغمبر) تم سے (لوگ) پوچھتے ہیں کہ (خدا کی راہ میں) کیا خرچ کریں تو اُن کو سمجھا دو کہ (خیر خیرات کے طور پر) جو مال بھی خرچ کرو تو (وہ تمہارے) ماں باپ کا حق ہی اور قریب کے رشتے داروں کا اور یتیموں کا اور محتاجوں کا اور مسافروں کا۔ |

کی طرف استدلال کا طریقہ یہ ہی کہ انفاق کی دو قسمیں ہیں، ایک یہ کہ اصل چیز کا کسی کو مالک بنادینا، دوسرے یہ کہ اصل چیز کا تو نہیں بلکہ اُس کی منفعت کا مالک قرار دینا تو ما انفقتم دونوں طرح کے انفاق کو شامل ہی۔ اور چونکہ الاقربین میں اولاد بدرجۂ اولےٰ داخل ہو انفاق کی دوسری قسم کے لحاظ سے آیۂ قرآنی صاف طور پر وقف علے الاولاد کے مسئلے کا جواز ثابت کررہی ہی۔

# اُمّ المؤمنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

ان کا نام زینب۔ کنیتہ ام الحکم۔ باپ کا نام جحش۔ ماں کا اُمیمہ۔ اُمیمہ عبدالمطلب کی بیٹی اور پیغمبر صاحب کے والد عبداللہ کی حقیقی بہن تھیں اس لحاظ سے بی بی زینب پیغمبر صاحب کی حقیقی پھوپی زاد بہن ہوئیں اور یہی قریب رشتے کی ایک ایسی خصوصیتہ تھی جو بی بی زینب کے سوائے ازواج مطہرات میں سے کسی ام المؤمنین کو نصیب نہیں ہوئی اور اسی پر ان کو بہت بڑا ناز بھی تھا۔ پیغمبر صاحب کے ساتھ نکاح ہونے سے پہلے ان کا نام برّہ تھا چونکہ پیغمبر صاحب کو اس قسم کے نام ناپسند تھے آپ نے ان کا نام بدل کر زینب رکھا۔ یہ قدیمۃ الاسلام اور مہاجرات میں داخل تھیں جب یہ مدینے ہجرۃ کر آئی ہیں تو ان کی عمر پورے تینتیس برس کی تھی۔ عرب میں عورۃ کے نکاح کے لئے عمر کا کوئی معیار مقرر نہ تھا کبھی تو پانچ چھ سال کی لڑکی بیاہ دی جاتی تھی اور کبھی چالیس

پچاس برس تک شادی نہیں ہوتی تھی، بیبی زینب باوجودیکہ تینتیس برس سے متجاوز ہو چلی تھیں مگر ابھی تک اِن کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ سنہ ۳ ہجری میں پیغمبر صاحب نے اپنے مُتبنّٰے زید بن حارثہ کے ساتھ اِن کا نکاح کیا۔

زید بن حارثہ اصل میں ایک نہایۃ شریف النسب آدمی تھے اور عرب کے اُس مشہور قبیلے میں سے تھے جو بنی طے کے نام سے پُکارا جاتا تھا اور جس میں حاتم طائی بڑا نامور سخی گزرا تھا۔ اسلام سے پہلے انکی ماں سُعدیٰ قافلے کے ساتھ اِن کو لے کر کہیں جاتی تھیں، عرب کے خانہ بدوشوں اور لُٹیروں نے قافلے پر حملہ کیا اور اہلِ قافلہ کا سارا مال و متاع چھین لیا، زید کو بھی پکڑ لے گئے، اُس وقت دستور تھا اور اب تک بھی ہے کہ لوگ بچّوں کو زبردستی پکڑ لے جاتے اور غلام بنا لیتے تھے۔ ابھی آٹھ یا نو برس کی عمر تھی کہ زید عرب کے مشہور بازارِ عُکاظ میں آ کر فروخت ہوئے۔ بیبی خدیجہ کے بھتیجے حکیم بن حزام نے اپنی پھوپی خدیجہ کے لئے چار سو درہم کو خریدا اور جب بیبی خدیجہ نے پیغمبر صاحب سے نکاح کیا تو زید کو آپ کی مِلک میں دے دیا۔ پیغمبر صاحب نے اِن کو غلام کی طرح نہیں رکھا بلکہ فوراً آزاد کر دیا اور چونکہ اِن کی ہوشمندی اور نیک مزاجی پیغمبر صاحب کو معلوم تھی ؎

بالائے سرش ز ہوشمندی
مے تافت ستارۂ بلندی

نہایۃ محبت کے ساتھ اِن کو اپنے پاس رکھا، تھوڑے دِنوں بعد زید کے چچا اِن کی تلاش میں مکّے آئے اور انہیں پہچان کر اپنے ساتھ لے جانا چاہا لیکن زید نے پیغمبر صاحب کی ترکِ صحبۃ کو گوارا نہیں کیا، پیغمبر صاحب نے فرمایا بھی کہ زید! تمہارا جی چاہتا ہو تو چلے جاؤ لیکن اِنھوں نے چچا کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا اور آخر نہیں گئے۔ پیغمبر صاحب کو جب معلوم ہوا کہ زید درحقیقۃ غلام نہیں ہے بلکہ قبیلۂ بنی طے کا شریف زادہ ہے تو آپ نے زید کو اپنا مُتبنّٰے کر لیا۔ اِس وقت تک مُتبنّٰے کے بارے میں کوئی حکم خدا کی طرف سے صادر نہیں ہوا تھا اور مُتبنّٰے بیٹوں کے ساتھ ہر طرح پر صُلبی بیٹوں کی سی مداراۃ کی جاتی تھی اور اب تک بھی ہندوستان کے مسلمانوں کا قریب قریب یہی حال ہے۔ الغرض زید بن حارثہ اب زید بن محمد پُکارے جانے لگے مگر چونکہ کچھ دِنوں تک غلامی کی حالۃ میں رہ چکے تھے بعض لوگ اب بھی اِن کو نظرِ حقارت سے دیکھتے تھے۔ پیغمبر صاحب کو زید بہت عزیز تھے اور اِسی وجہ سے آپ نے اِن کا نکاح اپنی آزاد لونڈی اُمّ ایمن سے کر دیا تھا جن کی آغوشِ محبۃ میں خود پیغمبر صاحب نے پرورش پائی تھی۔ اِن کے بطن سے اُسامہ پیدا ہوئے جو آخر میں بڑے جری اور بہادر شہسوار ثابت ہوئے۔ اُمّ ایمن کا انتقال ہو گیا تو پیغمبر صاحب نے اِن کا نکاحِ ثانی اپنی پھوپی زاد بہن زینب سے کرانا چاہا۔ مگر زینب اِس نکاح سے ناخوش تھیں کیونکہ زید اگرچہ پیغمبر صاحب کے مُتبنّٰے کہلاتے تھے مگر تھے تو غلام آزاد۔ آخر پیغمبر صاحب نے بہت اصرار کیا اور اِسی موقع پر سورۂ احزاب کی یہ آیت نازل ہوئی۔

| | |
|---|---|
| وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ | اور کسی مسلمان مرد اور کسی مسلمان عورۃ کو شایاں نہیں |

إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝ (الاحزاب ع ۵)

کہ جب اللہ اور اُس کا رسُول (اُن کے بارے میں) کوئی بات ٹھہرا دیں تو (اپنی رائے کو دخل دیں اور) اِس بات میں اُن کا (اپنا) اختیار (باقی) رہے اور جو شخص اللہ اور اُس کے رسُول کی نافرمانی کریگا تو وہ صریح گمراہی میں پڑ چکا۔

اِس آسمانی حکم کو سُن کر بی بی زینب مجبور ہو گئیں اور انھوں نے پیغمبر صاحب کے حکم کے موافق زید کو اپنا شوہر تسلیم کر لیا یعنی اِن کا نکاح زید سے ہو گیا۔ نکاح ہوتے تو ہو گیا مگر میاں بی بی میں موافقت نہ آئی یہاں تک کہ زید زینب کے چھوڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ پیغمبر صاحب نے اُن کو بہتیرا سمجھایا لیکن جب طبیعتوں میں ناموافقت ہوتی ہو تو میاں بی بی کے تعلق میں لُطف باقی نہیں رہتا۔ آخر زید نے زینب کو طلاق دے ہی دی۔ اب پیغمبر صاحب کو کئی مشکلیں پیش آئیں۔ سب سے پہلے زینب کی دلجوئی کہ اِن کو پیغمبر صاحب نے زید سے بیاہ دیا تھا اور وہ نکاح اِن کو ناگوار تھا اب اُس پر طلاق کا دیا جانا یہ دوسری ناگواری اور اسی کے مقارن خدا کو منظور ہوا کہ متبنّیٰ کی رسم بد بھی موقوف کی جائے نہ یہ کہ لوگ لے پالک نہ بنائیں بلکہ لے پالک کو صُلبی بیٹے کی طرح نہ سمجھیں اور نہ صُلبی بیٹے کے سے اُن کے حقوق تسلیم کئے جائیں اور جب ایک شخص دُنیا میں کوئی اصلاح کرنی چاہتا ہو تو سب سے عمدہ تدبیر اُس اصلاح کے جاری کرنے کی یہ ہو کہ خود اُس پر عمل کر کے اپنا نمونہ دوسروں کو دکھائے اب یہ موقع تھا کہ زینب کی دلجوئی کے لئے خود پیغمبر صاحب اِن سے نکاح کر لیں مگر معلوم تھا کہ متبنّیٰ کی بی بی سے نکاح کرنا صلبی بیٹے کی بی بی سے نکاح کرنے کے برابر سمجھا جاتا تھا اگر پیغمبر صاحب زینب سے نکاح نہ کرتے تو زینب کی دلجوئی نہیں ہو سکتی تھی اور نہ متبنّیٰ کی رسم کی اصلاح ہو سکتی تھی لوگ یہ حجت کرتے کہ خود پیغمبر صاحب کو ایسا موقع ملا اور جو دوسروں سے کرانا چاہتے تھے آپ نے کیا۔ اور نکاح کرنے میں یہ قباحت تھی کہ رسم مروّجہ کے مطابق نہایت مکروہ الزام پیغمبر صاحب کے ذمّے عائد ہوتا بے شک پیغمبر صاحب بہ تقاضائے بشریّت اِس وقت بہت ہی متردّد ہوتے ہوں گے مگر آخر کار اصلاح کا پہلو غالب رہا اور آپ نے خود زینب سے نکاح کر لیا اور کرنا چاہیے تھا اور اصلاح کے واسطے پیغمبر صاحب نے خود اپنا نمونہ دکھایا تاکہ جو اسلام کا دعویٰ کرتا ہو متبنّیٰ کے بارے میں ذرا نہ ہچکچائے اور متبنّیٰ کو صلبی بیٹا نہ سمجھے۔ پیغمبر صاحب کے اِس نکاح کی کیفیت سورۂ احزاب کی ایک آیۃ میں اِس طرح پر بیان کی گئی ہے۔

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ

پھر جب زید اُس (عورۃ یعنی زینب) سے بے تعلّقی کر چکا (یعنی طلاق دیدی اور عدۃ کی مُدۃ پوری ہو گئی) تو ہم نے (اے پیغمبر) تمہارے ساتھ اُس (عورۃ) کا نکاح کر دیا تاکہ (عام) مسلمانوں کے لے پالک جب اپنی بیبیوں سے بے تعلق ہو جائیں تو

| | |
|---|---|
| فِیۡۤ اَزۡوَاجِ اَدۡعِیَآئِہِمۡ اِذَا قَضَوۡا مِنۡہُنَّ وَطَرًا ؕ وَ کَانَ اَمۡرُ اللّٰہِ مَفۡعُوۡلًا ۝ (الاحزاب ع ۵) | مسلمانوں کے لئے ان (عورتوں سے نکاح کرنے) میں کسی طرح کی) تنگی نہ رہے اور خدا کا حکم تو ہو کر ہی رہنا ہے۔ |

پیغمبر صاحب کا یہ نکاح ۵ ہجری میں ہوا اور بذریعہ وحی ہوا۔ حضرۃ انس کا بیان ہے کہ جب زینب کی عدۃ کی مدۃ گزر چکی تو جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ سے فرمایا کہ زینب کے پاس جاؤ اور میرے نکاح کا اُنکو پیام دو۔ زید گئے اور بیبی زینب کے دروازہ مکان کی طرف پشت کر کے کہا زینب! جناب پیغمبر صاحب تم کو اپنے نکاح کا پیام دیتے ہیں۔ زینب یہ پیام سُنکر مارے خوشی کے سجدے میں گر پڑیں اور زید سے کہا تا وقتیکہ میں اس بارے میں اپنے خدائے عزوجل سے مشورہ نہ لے لوں کوئی جواب نہیں دے سکتی اسی موقع پر جناب پیغمبر صاحب پر آیہ فلما قضی الخ نازل ہوئی۔ بیبی زینب نے نہایت مسرت کے ساتھ پیغمبر صاحب کا پیام منظور کیا اور انکا نکاح پیغمبر صاحب سے ہو گیا۔ اسی بنا پر بیبی زینب اور ازواج مطہرات کے مقابلے میں فخراً کہا کرتی تھیں کہ میرا نکاح تو خدا نے آسمان پر کیا ہے اور تمہارا نکاح تمہارے باپوں نے زمین پر کیا۔ اُمہات المومنین میں سوائے زینب کے کوئی بیبی حضرۃ عائشہ کی مدمقابل نہ تھی۔ بیبی اُن کا مقابلہ کرتی تھیں اور اکثر مواقع پر غالب رہتی تھیں۔ یہ ایسی راستباز اور منصف مزاج تھیں کہ باوجود رقابت اور مقابلے کے حضرۃ عائشہ کے افک کے مقدمہ میں نفس الامری واقعے کے خلاف ایک لفظ بھی تو نہیں کہا چنانچہ عائشہ رض کہتی ہیں کہ منافقوں نے مجھ پر تہمت لگائی تو پیغمبر صاحب نے زینب سے میری بابت دریافت فرمایا انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے علم میں عائشہ بالکل بے لوث ہیں۔

بیبی زینب نہایت سخی اور فیاض عورۃ تھیں اور ان کی طبیعۃ میں رحمدلی اور ہمدردی کا قدرتی مادۃ تھا اپنے ہاتھ سے چمڑے کو دباغت دیتیں اور جتنی کچھ اُس سے آمدنی ہوتی محلے کے یتیموں اور محتاجوں کو تقسیم کر دیتیں۔ پیغمبر صاحب نے ان ہی کے حق میں فرمایا تھا اسرعکن لحوقا بی اطولکن یدا یعنی تم میں جس کے ہاتھ دراز ہیں وہی مجھ سے جلدی ملے گی۔ حضرۃ عائشہ رض فرماتی ہیں کہ پیغمبر صاحب کی اس حدیث کو سُنکر تمام ازواج مطہرات اپنے اپنے ہاتھ ناپنے لگیں کہ دیکھیں کس کے ہاتھ لمبے ہیں حالانکہ پیغمبر صاحب کی اطولکن یدا سے یہ مراد تھی کہ جو تم میں زیادہ سخی اور فیاض ہو سو یہ صفت بجز زینب کے کسی بیبی میں نہیں پائی جاتی تھی کہ وہ اپنے ہاتھوں سے مزدوری کرتی اور مزدوری سے جو حاصل ہوتا اُسے راہ خدا میں صرف کر دیتی تھیں اور وہی سب سے پہلے پیغمبر صاحب سے جا ملیں۔

جب حضرۃ عمر رض پیغمبر صاحب کے دوسرے جانشین ہوئے تو انھوں نے اُمہات المومنین میں سے ہر ایک کے لئے بارہ ہزار درہم سالانہ مقرر کئے۔ یہ رقم ہر اُم المومنین کو سال کے سال گھر بیٹھے پہونچ جایا کرتی تھی۔ بیبی زینب کو جو رقم ملتی یہ اُسے اپنے محتاج رشتے داروں اور یتیموں کو خیرات کر دیتیں۔ ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ حضرت عمر رض نے ان کا سالانہ وظیفہ ان کے پاس بھیجا اور انھوں نے اُسے فوراً خیرات کر دیا۔ حضرۃ عمر کو معلوم ہوا تو ایک ہزار درہم لے کر خود آئے اور بیبی زینب کے سامنے رکھ دیئے۔ بیبی زینب نے پردے میں سے اپنی لونڈی کو

بلا کر کہا کہ اسے بھی ابھی تقسیم کردو اور دعا کی کہ خداوندا اس کے بعد عمر بن الخطاب کی عطا مجھے نہ پا سکے اُمّ المومنین زینب کو شاید ایسا خیال ہوا کہ عمرؓ نے ان کو مسرفہ سمجھا چنانچہ اسی سال کے آخر میں ان کا انتقال ہو گیا حضرت عمرؓ نے جنازے کی نماز پڑھائی اور اسامہ بن زید اور محمد بن عبداللہ بن جحش اور عبداللہ بن احمد بن جحش نے قبر میں اُتارا انتقال کے وقت ان کی ساٹھ برس کی عمر تھی کیونکہ ہجرۃ سے تیس برس پہلے پیدا ہوئیں ۲۰ سنہ ہجری میں انتقال کیا۔ ان کی قبر بقیع میں ہے۔

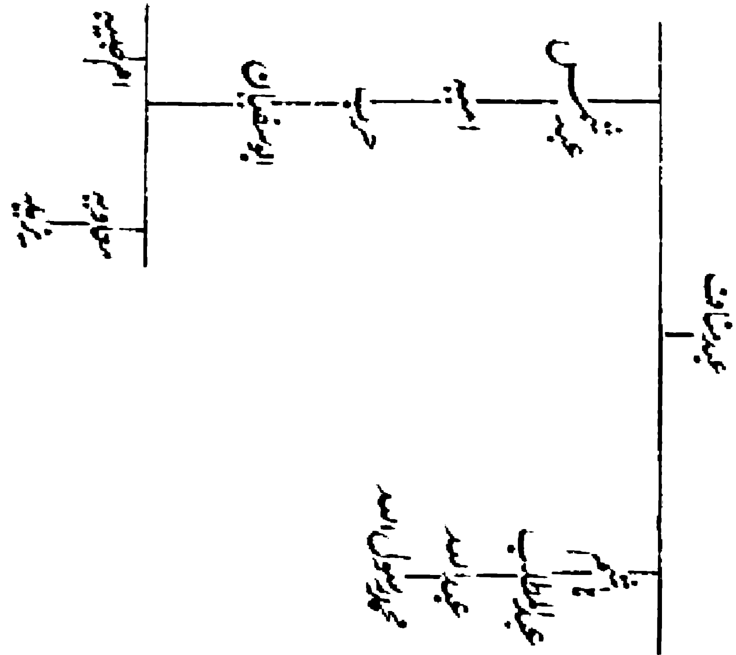
ہم کو تو نکاحِ زینب کے دواعی دیکھنے ہیں کہ کس غرض سے پیغمبر صاحب نے زینب کے ساتھ نکاح کیا تو دواعی کئی ہیں (۱) زینب کا اسلام کہ یہ شروع کے اسلام لانے والوں میں تھیں (۲) اُن کا دین کی خاطر مدینے ہجرۃ کر آنا (۳) پیغمبر صاحب کے ساتھ ان کی قرابتِ قریبہ کہ دونوں ماموں پھوپی کے بھائی بہن تھے (۴) باوجودیکہ ان کی اپنی مرضی نہ تھی پیغمبر صاحب نے پیغمبری کے اختیار سے ان کا نکاح زید بن حارثہ سے کردیا اور یہ مان گئیں عورۃ ذات (اور عورۃ بھی عبدالمطلب رئیسِ قریش کی نواسی) اس سے بڑھ کر پیغمبر کی فرمان برداری کیا کرتی ہم تو اس کو مردوں کے جہاد کے برابر سمجھتے ہیں پیغمبر صاحب کی زندگی کے واقعات میں نکاحِ زینب بھی ایک مہتم بالشان واقعہ ہے جسکو وقوعِ واقعہ کے وقت سے بڑے شدّومدّ کے ساتھ پیغمبر صاحب کے خلاف میں بایں بیان پیش کیا جاتا ہے کہ پیغمبر صاحب نے زینب کو اپنی زوجیۃ میں لینے کے لئے اُس کو زید سے طلاق دلوائی۔ بھلا اس جھوٹ کا بھی کچھ ٹھکانا ہے۔ شروع سے آخر تک زید کے ساتھ پیغمبر صاحب کا مُشفقانہ برتاؤ کسی طرح اس بدگمانی کی اجازۃ نہیں دیتا زید خدیجہ رضؓ کا زرِ خرید غلام تھا۔ خدیجہ رضؓ نے پیغمبر صاحب کی غلامی میں دیا۔ پیغمبر صاحب نے لیتے ہی آزاد کردیا اور پھر اس کو ایسے پیار سے پالا کہ اپنا موُنھ بولا بیٹا بنا لیا یہ اُسی پیار اخلاص کا اثر تھا کہ زید کے چچا نے زید کو لے جانا چاہا اور پیغمبر صاحب نے خوشی راضی زید کو اختیار بھی دیا مگر اس نے پیغمبر صاحب کو چھوڑنا گوارا نہیں کیا۔ غرض پیغمبر صاحب شفیق باپ کا سا برتاؤ کرتے تھے تو زید سعادتمند فرزند کا سا۔ زید سریۂ مُوتہ میں ۸ سنہ ہجری کو مارا گیا۔ زید کے شہید ہونے پیچھے ویسی ہی پرداخت و پرورش زید کے بیٹے اسامہ کی فرماتے رہے چنانچہ عین مرض الموت میں روم کو لشکر روانہ کرنا تھا ابوبکرؓ اور عمرؓ جیسے کارگزار تجربہ کار صحابیوں کے ہوتے نوعمر ناتجربہ کار اسامہ کو سپہ سالار بنایا پیغمبر صاحب اور زید کی ان خصوصیتوں کا خیال کرو تو پیغمبر صاحب کی نسبۃ ایسا گمان ہو ہی نہیں سکتا کہ انھوں نے زینب کو اپنی زوجیت میں لینے کے لئے زید سے طلاق دلوائی ہو۔ معمولی اخلاق کا آدمی ایسا نہیں کرسکتا نہ کہ پیغمبر صاحب۔ پھر پیغمبر صاحب کو زینب کی ایسی ضرورۃ ہی کیا پڑی تھی زینب کے نکاح کے وقت چار بیبیاں پیغمبر صاحب کے پاس موجود تھیں۔ اگر زینب حسن وجمال میں بھی سربرآوردہ تھیں جیسا کہ معترض خیال کرتے ہیں تو وہ کوئی غیر نہ تھیں ۱۴ برس کی عمر میں ان کا پہلا نکاح زید سے ہوا اس اثنا میں بارہا پیغمبر صاحب نے ان کو ضرور دیکھا ہوگا ایسے ہی حُسن پرست تھے تو زینب کی اُٹھتی جوانی میں ان سے نکاح کر لیتے۔

# اُمّ المؤمنین امّ حبیبہ رضی اللہ عنہا

نام تو تھا رملہ مگر انھوں نے اپنی بیٹی حبیبہ کے نام پر جو ان کے پہلے شوہر عبید اللہ بن جحش سے پیدا ہوئی تھیں اپنی کنیت اُمّ حبیبہ رکھ لی تھی اور اسی کنیت کے ساتھ یہ نام سے زیادہ مشہور بھی تھیں۔ ان کا باپ ابُوسفیان بن حرب عرب کے اُس نامور اور مشہور قبیلے بنو اُمیہ کا معزز و ممتاز اور نہایت جری و دلیر سردار تھا جسکی شجاعت و بہادری سارے عرب کو تسلیم تھی اور جس کی متکبرانہ عزۃ وجاہ کا ڈنکا ممالک مشرقیہ میں بڑا بج رہا تھا۔ خود ابوسفیان بڑے جاہ وجلال کا آدمی تھا اور اُس کی اولوالعزمیاں اور معرکہ آرائیاں اقوامِ روزگار میں ضرب المثل تھیں شاہانِ روم و فارس اسکی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے اور اُن کے پُرشوکت اور جاہ وجلال سے بھرے ہوئے درباروں میں انتہا سے زیادہ اس کی عظمت و وقعت کی جاتی تھی۔ جس زمانے میں جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے بادشاہِ روم ہرقل کو تبلیغ اسلام کی غرض سے اپنا خط روانہ فرمایا ابوسفیان بیت المقدس میں موجود تھا اور ہرقل نے پیغمبر صاحب کے حالات و واقعات اسی سے دریافت کئے تھے مسلمان ہونے سے پہلے اسی نے اسلام کی اشاعت اور پیغمبر اسلام کی کامیابیوں میں چند در چند رُکاوٹیں پیدا کر دی تھیں مگر مسلمان ہونیکے بعد ویسی ہی اسلام کی خدمت اور اُس کے رواج دینے میں کوشش بھی کی جیسی اُس کی چلتی گاڑی میں روڑے اٹکاتے تھے۔ ابُوسفیان کے بیٹے معاویہ جو بیبی اُمّ حبیبہ کے حقیقی بھائی تھے اور جن کی نسل میں نواسی برس چار مہینے تک اسلامی خلافت رہی اپنے باپ سے بڑھ کر اسلام کے فدائی اور جان نثار ثابت ہوئے انھوں نے نہ صرف مشرقی ملکوں میں بلکہ یورپ و افریقہ کی پہاڑیوں تک میں اسلام کا شاندار جھنڈا گاڑ دیا اور اسپین اور قرطبہ کے تاریک جنگلوں تک کو اسلام کی روشنی سے چمکیلا بنا دیا۔

ابُوسفیان اسلام لانے سے پیشتر پیغمبر صاحب کا سخت مخالف تھا اور یہ مخالفت گو بظاہر اختلافِ مذہب کی وجہ سے تھی مگر تاریخی واقعات بتا رہے ہیں کہ یہ اثر تھا اُس خاندانی نزاع کا جو عبد مناف کے بیٹوں عبد الشمس اور ہاشم کی اولاد میں صدیوں سے چلی آتی تھی۔ اِس کا مفصل بیان اسی کتاب کے ۴۲۔۴۴ صفحوں میں مذکور ہوا۔ خلاصہ یہ کہ معلوم ہو کہ قبیلۂ قریش جس میں کے پیغمبر صاحب تھے جیسا دستور ہے مُرورِ زمانہ کے ساتھ کئی شاخوں میں منقسم ہو گیا تھا مگر تھے سب کے سب خانۂ کعبہ کے متولی یا مجاور اور اسی تولیت پر ان کی وجاہت اور معاش کا انحصار تھا۔ نوتے دن ان لوگوں میں خدماتِ کعبہ اور آمدنیِ متعلقہ خدمات کی بانٹ چونٹ پر جھگڑے اور خرخشے رہا کرتے تھے یہانتک کہ کبھی کبھی خونریزی تک کی نوبت پونہچ جاتی تھی۔ ہم زیادہ دور نہیں جانا چاہتے پیغمبر صاحب کی چوتھی پشت میں عبد مناف ہو گزرے ہیں، کہتے ہیں کہ ان کے دو بیٹے ہاشم اور عبد شمس جوڑواں پیدا ہوئے اس طرح پر کہ عبد الشمس کے پانوں کا تلوا ہاشم کے ماتھے سے چپاں تھا جو آخر کو کاٹ کر الگ کیا گیا یہ دیکھکر اس وقت کے نجومیوں نے پیشین گوئی کی کہ ان میں اور ان کی نسلوں میں تلوار چلا کریگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ہم اگر اُس زمانے میں ہوتے اور کہانت بھی کرتے ہوتے تو اتنی پیشین گوئی اور کرتے کہ ہاشم کی نسل عبدِ شمس کی نسل کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہوگی اسلئے کہ عبد شمس پانوں سے

ہاشم کے ماتھے کو ٹھکرایا۔ اس تفریق کو پیشِ نظر رکھنے کے لئے ہم عبدِشمس اور ہاشم دونوں کی نسلوں کے مختصر نسب نامے بھی ذیل میں بنائے دیتے ہیں۔



عبدمناف کی دو شاخوں میں جانی دشمنی تو بڑوں سے متوارث چلی آتی تھی پیغمبر صاحب کے دعویٔ نبوۃ نے وہ کیا جو آگ کے ساتھ تیل کیا کرتا ہے۔ بھلا جو لوگ بنی ہاشم کی برتری کو ایک آنکھ نہ دیکھ سکیں وہ کب گوارا کر سکتے تھے کہ اُن میں کا ایک اور وہ بھی تنہا بے پناہ خستہ حال ہمارے دینِ آبائی کو لغو و باطل قرار دے کر آپ تمام جزیرۂ عرب کا ہادی اور پیشوا اور متبوع بنے تو ہم اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہ ٹھہرے۔ توحیدِ باری کی منادی کی رُو سے تو تمام قبائل قریش تمام جزیرۂ عرب اور بشمول یہود و نصاریٰ تمام اہلِ مذاہب سے مقابلہ تھا اور ہو اور رہے گا مگر پیغمبر صاحب کو زیادہ تر ابتدا میں ایذائیں پہنچیں اہلِ مکّہ سے جن میں رہتے تھے ؎

کرنے کس مونہہ سے ہو غربت کی شکایت غالبؔ ۔۔۔ تم کو بے مہریٔ یارانِ وطن یاد نہیں

اور اہلِ مکّہ میں بھی سب سے بڑھ کر رشتہ داروں سے الاقارب کالعقارب ان میں ایک موذی ابوسفیان بھی تھا کہ پیغمبر صاحب نبوۃ کے ۱۳ برس اہلِ مکّہ کی ایذادہی سے عاجز آ کر مکّہ چھوڑ مدینے جا رہے تھے اس پر بھی موذیوں نے چَین سے نہ بیٹھنے دیا یہاں تک کہ ہجرۃ کے بعد بدر کی مشہور لڑائی ہوئی۔ اس میں قریش کے بڑے بڑے سردار مارے گئے اور کَبَرَتِی مَوْتُ الْکُبَرَاءِ ابوسفیان قبیلۂ قریش کا سردار ہوا تو ہجرۃ کے تیسرے برس جنگ اُحد میں اور پانچویں برس جنگِ احزاب میں لشکر لے کر مدینے پر حملہ آور ہوا غرض برابر پیغمبر صاحب اور اسلام کی بیخ کنی میں لگا رہا مگر کسی کا بال بھی بیکا نہ کر سکا یہاں تک کہ پیغمبر صاحب نے ہجرۃ کے آٹھویں برس خود مکّے پر چڑھائی کی اس کو خبر لگی تو ٹوہ لینے مدینے آیا لشکرِ اسلام کی کثرۃ دیکھ کر مکّے والوں کو جا خبر دی کہ مسلمانوں سے لڑنے کا نام بھی نہ لینا چنانچہ مکّہ بے لڑے فتح ہو گیا اور اب ابوسفیان اور اس کا بیٹا معاویہ اور جورو ہندہ

گھر کا گھر مسلمان ہوگیا۔ ابوسفیان حقیقة میں فرعونِ اُمت تھا اور اس کا اسلام بھی فرعون کا سا اسلام تھا۔

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ آٰلْـٰٔنَ وَ قَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَ كُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ۝ (سورہ یونس ع ۹)

یہاں تک کہ جب فرعون (کے سر پر ڈبا ڈبا پانی) آ پہنچا تو لگا کہنے کہ اب مجکو یقین آیا کہ جس (خدا) پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اُس کے سوا (اور) کوئی معبود نہیں اور (اب) میں (بھی اُسی کے) فرماں برداروں میں ہوں (تو خدا نے اُس کو ملامت کی اور فرمایا) کیا اب (ایسے وقت میں ایمان؟) اور (تیرا حال تو یہ تھا کہ اِس سے) پہلے برابر نافرمانی کرتا رہا اور تو مفسدوں میں کا (ایک ہی مفسد) تھا۔

پیغمبر صاحب کے ساتھ جو اِس خاندان کو عداوة تھی اس کا کسی قدر اندازہ اِس سے کیا جاسکتا ہے کہ جنگ اُحد میں پیغمبر صاحب کے چچا حمزہ بن عبد المطلب شہید ہوئے تو ہندہ نے پیٹ پھاڑ کر ان کا جگر نکالا اور اُسکو چبا گئی نگلا نہ گیا تو تھوک دیا اِسی خاندان کی بیٹی تھیں اُم حبیبہ۔ ان کے حالات پڑھ کر خدا کی قدرة یاد آتی ہے اَلْحَیُّ اٰیَةُ اَمْرٍ مِّنْ لَّدُنْهُ ؎

| | |
|---|---|
| گہ آری خلیلے ز بتخانہ | گہی آشنائے ز بیگانہ ؎ |
| حسن زبصرہ بلال از حبش صہیب از روم | زخاکِ مکہ ابوجہل ایں چہ بوالعجبی است |

اہلِ مکہ نے برابر ۱۳ برس جیسی جیسی ایذائیں پیغمبر صاحب اور اُن کے مومنوں کو دی تھیں اُن کا وہ سلوک تو جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا[1] کی رُو سے چاہتا تھا کہ پیغمبر صاحب فتح مکہ کے بعد خانہ کعبہ کو محفوظ چھوڑ کر لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا[2] پر عمل کریں مگر یہیں سے تو ہم کو پیغمبر صاحب کی صداقت کا بڑا قوی ثبوت ملتا ہے ؎

بدی را بدی سہل باشد جزا    اگر مردی اَحْسِنْ اِلٰی مَنْ اَسَا[3]

کہ انھوں نے مکے میں داخل ہونے سے پہلے امنِ عام کی مُنادی کرادی اور شہر میں داخل ہوئے تو اونٹنی پر سر جھکائے سجدۂ شکر بجا لاتے ہوئے داخل ہوئے جس سے سب پر ظاہر ہوگیا کہ ان کو کسی سے ذاتی پرخاش تھی ہی نہیں اَلْحُبُّ لِلّٰهِ وَ الْبُغْضُ فِی اللّٰهِ[4] اور ابوسفیان کے ساتھ تو وہ کیا کہ ؎ گڑ سے جو مرے تو زہر کیوں دو۔ آدمی تھا غیور اور مغرور اتنا اس کی ریاست کا لحاظ کیا کہ امنِ عام کی مُنادی میں اس کا نام بھی خصوصیت کے ساتھ داخل تھا مَنْ دَخَلَ دَارَ اَبِیْ سُفْیَانَ فَهُوَ اٰمِنٌ[5] پھر فتح مکہ کے ایک مہینے بعد حنین کی لڑائی ہوئی تو اس میں مسلمانوں کو بہت لوٹ ملی تھی اس اثنا میں ابوسفیان بھی مسلمانوں میں آملا تھا۔ پیغمبر صاحب نے مالِ غنیمت مسلمانوں میں تقسیم کیا تو ابوسفیان کے پرچانے کو سَو اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی اِس کو اور اس کے بیٹوں

[1] ہدایة خدا کی طرف سے ہے ۱۲ [1] بُرائی کا بدلہ ویسی ہی بُرائی ۱۲ [2] (اے میرے پروردگار) کافروں میں سے کسی متنفس کو بھی ندم نہ چھوڑ (کہ) روئے زمین پر رستا بستا (نظر آئے) ۱۲ [3] جو بُرائی کرے اُس کے ساتھ بھلائی کر ۱۲ [4] خدا ہی کیلئے محبت کی جانی اور خدا ہی کے بارے میں دشمنی ۱۲ [5] جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوگا اُسے امن ملے گا ۱۲

معاویہ اور یزید کو مرحمت فرمائی کہ آخر تھا تو آدمی اَلْاِنْسَانُ عَبِیْدُ الْاِحْسَانِ مارے شرم کے آنکھ سامنے نہیں کرسکتا تھا اور پھر تو وہ غزوۂ طائف میں شریک جہاد ہوا اور ایک آنکھ کھو آیا۔ پھر حضرت عمر رض کی خلافت میں یرموک کی لڑائی ہوئی اس میں بھی ابوسفیان شرمندگی مٹانے کو شریک تھے اور دوسری آنکھ کھو آئے ہم کو تو ابوسفیان کی پچھلی مخالفتوں کا خیال آتا ہے ادب و تعظیم تو درکنار ان کا نام لینے کو بھی جی نہیں چاہتا مگر پھر سوچتے ہیں تو ہمارا غیظ و غضب جو کچھ بھی سمجھو متفرع ہو پیغمبر صاحب اور اسلام کی ہواخواہی پر لیکن پیغمبر صاحب سے بڑھ کر تو ہم کو اسلام کا درد ہونے سے رہا انھوں نے تو ابوسفیان کے اسلام کو لالچ سے تھا تو اور ڈر کر تھا تو بطوع خاطر مان کر اُس کے پچھلے قصور سب معاف کر دیئے تھے اور یہاں تک اُس کی طرف سے مطمئن ہوگئے تھے کہ اُس کو نجران کا عامل مقرر کر دیا تھا۔ پس خدا رسول جس کا قصور معاف کریں ہم کو کیا حق ہے کہ ہم اُس کو بدستور خطاوار سمجھیں۔

معاویہ کا معاملہ ابوسفیان کے معاملے سے کہیں زیادہ مشکل ہے یہ بھی باپ کی طرح فتح مکّہ کے بعد ایمان لائے اور مؤلفۃ القلوب میں تھے۔ ام حبیبہ کے رشتے سے پیغمبر صاحب کے اصہار میں تھے مگر اِس قرابت میں ان کو یا ابوسفیان کو کچھ دخل نہ تھا۔

معاویہ سے پیغمبر صاحب نے کبھی کبھی وحی بھی لکھوائی ہے۔ غرض صحابی ہونے کی فضیلت اور وہ بجائے خود بڑی فضیلت ہے معاویہ کو حاصل ہے۔ اِس سے کسی کو انکار نہیں مگر پیغمبر صاحب کے خاندان یعنی اہل بیت کے ساتھ وہ سلوک کیا کہ نسل پیغمبر کو آخر کار برباد کر چھوڑا۔ آدمی تھے چلتے ہوئے عمر رض نے ان کو عراق اور شام کا عامل کر دیا تھا۔ قتلِ عثمان کے بعد مدینے میں علی رض کی خلافت پر بیعت ہوئی۔ انھوں نے اِس حیلے سے تخلّف کیا کہ پہلے قاتلین عثمان سے قصاص لیا جائے اور ان کو گمان یہ تھا کہ علی رض نے عثمان کو قتل کرایا ہے۔ غرض علی رض کی بیعت معاویہ اور ان کے علاقے والوں کے تخلّف کی وجہ سے ناتمام رہی۔ علی رض اور معاویہ رض کی نزاع کا انجام یہ ہوا کہ مقام صفین میں دونوں کے لشکر صف آرا ہوئے اور طرفین کے تیس ہزار آدمی مارے گئے اور آخر کار ابوموسیٰ اشعری علی رض کی طرف سے اور عمرو بن العاص معاویہ کی طرف سے حَکم قرار پائے کہ جس کو خلیفہ قرار دیں وہی خلیفہ۔ عمرو بن العاص معاویہ کا وزیر تھا اور وہ بھی معاویہ کی طرح بڑے جوڑ توڑ کا آدمی تھا ع وزیرے چنیں شہر یارے چناں۔ اِس نے ابوموسیٰ کو دھوکا دے کر اپنے تئیں حَکمِ مستقل بنایا اور علی رض کو خلافت سے معزول کر دیا۔ علی رض اور کوفیوں نے جو علی رض کے مددگار تھے عمرو بن العاص کے فیصلے کو نہ مانا اور خلافت بدستور دو عملی میں رہی کوفیوں کے خلیفہ علی رض اور عراقیوں اور شامیوں کے معاویہ یہاں تک کہ علی رض عبدالرحمٰن بن ملجم کے ہاتھ سے شہید ہوئے اور ادھوری اور متنازع فیہ خلافت کے لئے کوفیوں نے حسن رض کے ہاتھ پر بیعت کی۔ آخر حسن رض نے خلافت کے دردِ سر کو اپنی اور عامۂ مسلمین کی عافیت میں خلل انداز سمجھ کر یہ کالائے بد معاویہ کے سر ڈالی پھر بھی معاویہ کو نسلِ اہل بیت کی طرف سے کھٹکا لگا رہا اور اُس نے اپنے بیٹے یزید کے لئے بیعت لینی شروع کی حسین رض نے کیا انکار دونوں میں لڑائی ٹھنی اِس لڑائی کا جو کچھ انجام ہوا آج تک مسلمان اُس کو روتے



۱؎ انسان احسان کا بندہ ہے ۱۲

بیٹتے ہیں اور اس کے سوائے وہ کر بھی کیا سکتے ہیں ؎

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| | نہ ماند ستمگار بد روزگار | | بماند برو لعنت پایدار | |
| | پنداشت ستمگر کہ جفا برما کرد | | برگردنِ او بماند و برما بگزشت | |

اب ہم پھر اصلِ مطلب کی طرف لوٹتے ہیں۔

بیبی اُمِ جیبہ کی ما کا نام صفیّہ تھا اور وہ بیٹی تھیں ابوالعاص بن امیّہ کی جو حضرۃ عثمان ذوالنورین کے دادا تھے اِس لحاظ سے صفیّہ حضرۃ عثمان کی پھوپی اور اُمِ جیبہ ان کی پھوپی زاد بہن ہوئیں۔ غرض کہ بی بی ام جیبہ کا حسب و نسب دادیہال اور نانہال دونوں طرف سے نہایۃ شریف نہایۃ معزز و ممتاز تھا۔

بیبی اُمِ جیبہ پیغمبر صاحب کی بعثت سے ۱۷ برس پہلے پیدا ہوئیں یعنی جس وقت پیغمبر صاحب نے رسالۃ کا دعویٰ کیا ان کی عمر ۱۷ برس کی تھی۔ اس وقت اگرچہ ان کے باپ ابوسفیان اور بھائی معاویہ اسلام کے سخت مخالف اور پیغمبر صاحب کے دشمن اور جان کے لاگو تھے مگر انھوں نے اپنی بلند خیالی اور دانشمندی اور دور اندیشی کی مدد سے اسلام کی حقانیت اور پیغمبر صاحب کی صداقۃ بغیر کسی تردّد اور تذبذب کے تسلیم کر لی اور بے چون و چرا مسلمان ہوگئیں۔ ہر چند کہ ابوسفیان اور خاندان کے تمام لوگوں نے مزاحمۃ کی اور طرح طرح کی تکلیفیں بھی پونہچائیں لیکن اُمِ جیبہ کی ثابت قدمی اور استقلال میں ذرّہ بھر فرق نہ آیا۔ اِن کی پہلی شادی عبیداللہ بن جحش سے ہوئی جو نہایۃ سیدھا سادہ آدمی تھا اور جو بیبی اُمِ جیبہ کی ترغیب سے اِن کے ساتھ ہی مسلمان ہوگیا تھا مسلمانوں کو ہجرۃ حبشہ کی اجازۃ ہوئی تو یہ دونوں میاں بیوی بھی کفار کے مظالم اور سخت گیریوں سے بچنے کیلئے حبشے ہجرۃ کر گئے۔ یہاں آکر عبیداللہ نصرانی ہوگیا یہ وقت اُمِ جیبہ کے لئے بڑا مشکل اور نازک وقت تھا کوئی اور عورۃ تو عورۃ مرد بھی ہوتا تو شاید اس موقع پر اُس کے قدم ڈگمگا جاتے مگر انھوں نے اس وقت بھی اپنے مردانہ استقلال میں ذرا بھی فرق نہ آنے دیا اور فوراً عبیداللہ سے الگ ہوگئیں عبیداللہ سے اِن کے ہاں ایک لڑکی جیبہ نام پیدا ہوئی تھی جس کے نام پر انھوں نے اپنی کنیۃ اُمِ جیبہ رکھ لی تھی۔ پیغمبر صاحب کو مکّے میں جب یہ خبر پونہچی تو آپکی رحمدلی اور ہمدردی اِس امر کی متقاضی ہوئی کہ ام جیبہ کو جس نے صرف اسلام کے خاطر اتنی تکلیفیں اُٹھائی اور زحمتیں جھیلی ہیں اُس کی تسلّی اور دلجوئی کے لئے اپنے نکاح کا پیام بھیجنا چاہیئے۔ چنانچہ آپ نے عمرو بن امیّہ ضمری کو اپنا خط دے کر حبشے کے بادشاہ نجاشی کے پاس روانہ کیا۔ خط میں نجاشی کو لکھا گیا تھا کہ اپنی وکالۃ سے میرا نکاح اُمِ جیبہ کے ساتھ کر دو اور ساتھ ہی مہر بھی ادا کر دو۔ نجاشی نے پیغمبر صاحب کے حکم کی فوراً تعمیل کی اور اُمِ جیبہ کا آپ سے نکاح کر دیا۔

اِس نکاح کی کیفیۃ خود اُمِ جیبہ اپنی زبان سے اِس طرح بیان کرتی ہیں کہ میں حبشے کے ملک میں تنہا اور اکیلی رہتی تھی اور اسی وجہ سے نہایۃ متوحش اور پریشان تھی۔ میرا شوہر عبیداللہ جو حبشے میں عیسائی ہوگیا تھا اُس سے میں پہلے ہی الگ ہوگئی تھی جب وہ مرگیا تو تھوڑے دنوں بعد نجاشی کی لونڈی جسکا نام ابرہہ تھا اور جو نجاشی

کی بیٹیوں کی کنگی چوٹی اور بناؤ سنگھار پر مامور تھی میرے پاس آئی اور لگی کہنے کہ بیبی! بادشاہ نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہی اور پیام دیا ہی کہ جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے خط میں لکھا ہی کہ میں اپنی وکالت سے اُن کا نکاح تمہارے ساتھ کر دوں۔ میں یہ پیام سُن کر بہت خوش ہوئی اور ابرہہ سے کہا کہ جیسی تو میرے پاس خوشخبری لائی ہی خدا تجکو نیکی اور برکت کی خوش خبری دے اور جھٹ اپنے ہاتھوں کے چاندی کے دو کڑے اور انگلیوں کے انگوٹھی چھلے اُتار ابرہہ کے حوالے کئے۔ ابرہہ نے کہا اور ہاں مجھے بادشاہ نے یہ پیام بھی دیکر بھیجا ہی کہ تم اپنی طرف سے کسی ایسے شخص کو کھڑا کر دو جو اپنی وکالت سے تمہارا نکاح کر دے۔ میں نے خالد بن سعید کو جو حبشے ہی میں موجود تھے کہلا بھیجا۔ شام ہوئی تو نجاشی نے جعفر بن ابی طالب اور عثمان بن عفان اور جس قدر مسلمان حبشے میں تھے سب کو بُلا بھیجا اور جب سب جمع ہو گئے تو خود نجاشی نے خطبہ پڑھا۔ خدا کی حمد و ثنا کے بعد کہا:۔

اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَتَبَ اِلَیَّ اَنْ اُزَوِّجَہٗ اُمَّ حَبِیْبَۃَ بِنْتَ اَبِیْ سُفْیَانَ فَاَجَبْتُ اِلٰی مَا دَعَا اِلَیْہِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَقَدْ اَصْدَقْتُھَا اَرْبَعَمِائَۃِ دِیْنَارٍ +

حمد و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے خط میں تحریر فرمایا ہی کہ میں ابوسفیان کی بیٹی اُم حبیبہ کا آپ سے نکاح کر دوں تو جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے جس بات کا مجکو پیام دیا میں نے اُسے تسلیم کیا اور میں نے اُم حبیبہ کا چار سو دینار (ایک ہزار روپیہ اس وقت کا سکہ کیونکہ دینار ڈھائی روپیہ کا ہوتا ہی) مقرر کیا۔

یہاں تک پونہچ کر نجاشی نے چار سو دینار حاضرین جلسہ کے سامنے ڈالدیئے۔ اس پر خالد بن سعید اُٹھے اور خدا کی حمد و ثنا کے بعد کہا:۔

اَمَّا بَعْدُ. فَقَدْ اَجَبْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلٰی مَا دَعَا اِلَیْہِ وَزَوَّجْتُہٗ اُمَّ حَبِیْبَۃَ بِنْتَ اَبِیْ سُفْیَانَ وَبَارَکَ اللّٰہُ لِرَسُوْلِہٖ +

حمد و صلوٰۃ کے بعد معلوم ہو کہ میں نے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان قبول کیا جس کی آپ نے ہدایت فرمائی اور میں نے ابوسفیان کی بیٹی اُم حبیبہ کو اُن سے بیاہ دیا۔

خالد بن سعید کی طرف سے ایجاب و قبول ہو چکا تو نجاشی نے چار سو دینار اُٹھا کر خالد کو دیدیئے اور خالد نے جوں کے تُوں میرے پاس بھیجدیئے۔ نکاح ہو چکے پیچھے لوگ اُٹھکر چلنے لگے تو نجاشی بولا ابھی سب صاحب ٹھہر جائیں کیونکہ انبیاء علیہم السلام کا مسنون طریقہ ہی کہ نکاح کے بعد طعام ولیمہ کھلایا جائے پس سب لوگ ولیمے کا کھانا کھا کر جائیں یہ کہکر نجاشی نے کھانا منگایا اور سب لوگ کھا کر چلے گئے۔ اس کے دوسرے یا تیسرے روز نجاشی نے اُسی لونڈی ابرہہ کے ہاتھ بہت سا مشک و عنبر میرے پاس بھیجا اور شرجیل حسنہ کے ساتھ مجھے نہایت حفاظت سے مدینے روانہ کر دیا۔

پیغمبر صاحب کا نکاح بیبی اُم حبیبہ سے سنہ ۶ ہجری کے آخر میں ہوا۔ ابوسفیان کو جب یہ خبر پونہچی کہ پیغمبر صاحب

نے اُمّ حبیبہ سے نکاح کرلیا ہے تو گو وہ آپ کا سب سے زیادہ دشمن سب سے زیادہ مخالف تھا مگر اُس نے صاف لفظوں میں کہہ دیا۔ ذَالِكَ الْفَحْلُ لَا يُقْدَعُ اَنْفُهٗ یعنی وہ ایک ایسا جوانمرد ہے جسکی عزۃ پر کسی طرح کا دھبّہ نہیں ہے۔ ابوسفیان ابھی تک بھی مسلمان نہیں ہوئے تھے مگر اسلام چپکے چپکے اپنی حقانیت اور صداقت کا اثر اُن کے دل میں پیدا کر رہا تھا۔ اسی اثنا میں قریش۔ قبیلۂ بنو خزاعہ سے لڑ پڑے جو پیغمبر صاحب کا حلیف اور ہم عہد تھا اور معاہدہ یہ تھا کہ پیغمبر صاحب کے کسی حلیف سے نہیں لڑیں گے اب جو قریش کی طرف سے نقضِ عہد ہوا تو ابوسفیان کو پیغمبر صاحب سے جدید عہد کرنے کی غرض سے مدینے جانا پڑا یہاں آئے تو اپنی بیٹی اُمّ حبیبہ سے ملنے کے لئے اِن کے مکان پر پہونچے۔ بیبی اُمّ حبیبہ نے باپ کو اندر بلا لیا اور جھٹ اُس گدے کو تہ کرکے الگ کھ دیا جس پر پیغمبر صاحب تشریف رکھا کرتے تھے۔ ابوسفیان نے اِن کی یہ حرکت دیکھکر پوچھا کہ کیا تم نے یہ گدا اس غرض سے اُٹھا لیا کہ میں اس پر نہ بیٹھ سکوں۔ بیبی اُمّ حبیبہ نے مذہبی جوش کی دُھن میں کہا کہ ہاں اسی ارادے سے اُٹھایا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تم مشرک ہو اور یہ پیغمبر خدا کا فرش ہے۔ ابوسفیان نے کہا اُمّ حبیبہ! تو بہت ہی بُرائی اور گمراہی میں مبتلا ہو گئی لیکن تاہم وہ دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے اور کسی قسم کی کدورۃ ظاہر نہیں کی۔ بیبی اُمّ حبیبہ کا انتقال مدینے میں سنہ ۴۴ ہجری میں ہوا اور بقیع قبرستان میں مدفون ہوئیں۔

## اُمّ المومنین بیبی جویریہ رضی اللہ عنہا

اِن کا اصلی نام تھا برّہ بنت الحارث بن ابی ضرار بن حبیب بن عائذ بن مالک بن جذیمہ۔ جذیمہ کا دوسرا نام مصطلق بھی تھا اور قبیلہ بنی المصطلق اسی کی طرف منسوب تھا۔ قبیلۂ بنو المصطلق چونکہ قبیلۂ بنو خزاعہ کی ایک شاخ تھا کیونکہ جذیمہ کی پانچویں پشت اوپر ایک شخص عمرو نامی ہے جو ابوخزاعہ کہلاتا تھا اس لئے بنو المصطلق اور بنو خزاعہ دونوں ایک ہی جدّ اعلےٰ کی اولاد ہیں اور اسی وجہ سے یہ قبائل خزاعیہ اور بنو المصطلقیہ کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ حارث بن ابی ضرار جویریہ کے باپ جو قبیلۂ بنو المصطلق کے سردار تھے ایک بڑے نامور بہادر اور مشہور شہسوار تھے اور اسی سبب سے یہ سارے کا سارا قبیلہ شجاعۃ و دلیری میں بڑا نام پا چکا تھا۔

بیبی جویریہ ہجرۃ مدینہ سے تقریباً ۹ برس پہلے پیدا ہوئیں۔ اِن کا پہلا نکاح اِن کے باپ حارث نے اپنے ہی خاندان کے ایک نوجوان مسافع بن صفوان کے ساتھ کر دیا تھا جو بڑا دل چلا اور بہادر شہسوار تھا جس زمانے میں جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم ربیع الاول سنہ ۵ ہجری میں قلعۂ دومۃ الجندل پر چڑھائی کرنے کی غرض سے اُدھر تشریف لے گئے تھے جویریہ کا باپ حارث چپکے چپکے مدینے پر حملہ آور ہونے اور مسلمانوں سے جنگ کرنے کی تدبیریں سوچ رہا تھا اُس نے اپنے گرد و نواح کے تمام قبائل کو مسلمانوں سے لڑنے کے لئے مدعو کیا اور سب مسلح ہو کر اُس کے ساتھ چلنے پر آمادہ ہو گئے۔ پیغمبر صاحب مدینے واپس آئے تو آپ نے سُنا کہ بنو المصطلق کا سردار حارث بن ابی ضرار ایک کثیر جماعۃ کے ساتھ مسلمانوں سے لڑنے پر آمادہ ہے۔ آپ نے فوراً بریدہ

بن الحصیب اسلمی کو اس خبر کی تحقیق اور بنو المصطلق کی تفتیشِ حالات کے لئے روانہ کیا۔ بریدہ مدینے سے نکل موضع فرع کے متصل پہنچے جو بنو المصطلق کے چشمۂ مریسیع سے بقدرِ مسافت یک روزہ ورلی طرف واقع ہے۔ یہاں پہنچ کر دیکھتے ہیں کہ حارث بن ابی ضرار کی فوجیں پھیلی پڑی ہیں۔ یہ سب سے پہلے حارث کے پاس گئے اُس نے پوچھا تم کون ہو کہا میں تمہاری ہی قوم کا ایک شخص ہوں مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم لوگ محمدؐ سے لڑنے پر آمادہ ہوئے ہو اگر ایسا ہی ہے تو مجھے بھی اجازت دو کہ اپنے لوگوں کو جمع کر کے لاؤں تاکہ ہم تم دونوں یدِ واحد ہو کر اُس پر حملہ کریں اور اُس کے نئے دین و مذہب کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ پھینکیں۔ حارث یہ سن کر بہت خوش ہوا اور بریدہ کو اپنا ہم آہنگ خیال کر کے سارا راز کھول دیا۔ بریدہ یہ کہکر وہاں سے لوٹ آئے کہ تم آگے بڑھو اور میں اپنے لوگوں کو جمع کر کے عقب سے پہنچتا ہوں۔ جب بریدہ مدینے واپس آئے اور پیغمبر صاحب سے اُن کے تمام حالات بیان کئے تو پیغمبر صاحب زید بن حارثہ کو مدینے میں اپنا جانشین مقرر کر کے مسلمانوں کا ایک لشکرِ جرار ہمراہ لے مدینے سے باہر نکلے اور شعبان ۵ھ ہجری کو چشمۂ مریسیع پر جو موضع قدید کی طرف واقع ہے قیام فرما ہوئے۔ حارث اور اُس کے ساتھیوں کو پیغمبر صاحب اور مسلمانوں کی آمد آمد کی گرم خبروں نے پہلے ہی سے متوحش کر دیا تھا اب جو انھوں نے ایک نہایت خونخوار اور بہادر لشکر کو آنکھوں سے دیکھا تو اُن کے ہوش و حواس جاتے رہے بہت سے عرب جو حارث کی کمک کو آئے تھے بے تحاشا بھاگ کھڑے ہوئے اور لشکر میں ایک کھلبلی سی مچ گئی مگر حارث اور اُس کے قبیلے کے سات سو آدمی ابھی تک بے خوف و ہراس جنگ کی تدابیر میں مصروف تھے۔ پیغمبر صاحب نے مہاجرین کا علم حضرت ابوبکرؓ کو اور انصار کا سعد بن عبادہ کو عنایت فرما کر مسلمانوں کو دشمن کے مقابلے میں صف بندی کا حکم دیا جس وقت دشمن کا لشکر سامنے آیا پیغمبر صاحب نے اتمامِ حجت کے لئے اعلان کر دیا کہ اگر اب بھی خدائے واحد پر ایمان لا کر فتنہ و فساد سے باز آئیں تو کسی کے جان و مال اور آبرو سے کچھ تعرض نہیں کیا جائے گا بلکہ دوسرے مسلمانوں کی طرح ہمارا بھائی بنجائے گا مگر دشمنوں نے صلح کے پیغام کو نہایت حقارت اور بے پروائی سے ٹال دیا اور جنگ شروع کر دی۔ دلیرانِ اسلام نے بے پس و پیش دفعۃً حملہ کر دیا اور تھوڑی ہی دیر میں میدان مار لیا۔ بنو المصطلق اپنی اہل و عیال اور مال و اسباب چھوڑ کر بھاگے اور مسلمانوں نے فوراً اُن پر قبضہ کر لیا۔ اس لڑائی میں دشمنوں کے دس آدمی مارے گئے اور بقیۃ السیف گرفتار کر لئے گئے۔ مسلمانوں کا صرف ایک آدمی شہید ہوا۔ حارث اپنی چالاکی اور ہوشیاری سے نکل بھاگا۔ اہلِ عرب کے دستور کے مطابق حارث کا تمام خاندان بچے بوڑھے یہانتک کہ عورتیں شریکِ جنگ تھیں جو حارث کے بھاگنے پیچھے اور قیدیوں کی طرح مسلمانوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہوئیں اُن ہی میں جویریہ بھی تھیں۔ مال غنیمت اکھٹا کیا گیا تو دو سو اونٹ پانچ ہزار بکریاں اور دو سو گھر کے قیدی شمار میں آئے پیغمبر صاحب نے سارا مال غنیمت اپنے غلام شقران کے سپرد کیا اور وہ مدینے لے آیا۔ مدینے پہنچ کر پیغمبر صاحب نے مال و اسباب اور لونڈی غلام مجاہدین کو تقسیم کئے۔ حارث کی بیٹی جویریہ ثابت بن قیس صحابی کے حصے میں آئیں ثابت چونکہ قبیلہ خزاعہ میں سے تھے اور بنو المصطلق سے قرابتِ قریبہ رکھتے تھے انھوں نے جویریہ سے مکاتبت کر لی یعنی اس شرط پر آزاد کر دیا کہ وہ ایک

معین رقم انھیں ادا کر دیں۔ جویریہ کو پیغمبر صاحب کی رحمدلی اور صفت فیاضی معلوم تھی، وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ میں مسلمان ہو چکی ہوں اور بنو المصطلق کے سردار کی بیٹی ہوں مگر اب میرا شمار لونڈیوں میں ہے ثابت نے مجھ سے مکاتبت کر لی ہے لیکن مجکو اتنی مقدرۃ نہیں کہ رقم معینہ ادا کر کے اپنے لئے آزادی خرید لوں آپ مجھ پر رحم فرمایئے اور میری مدد کیجئے۔ پیغمبر صاحب پر جویریہ کی اس تقریر کا وہ اثر ہوا کہ آپ نے فوراً ثابت بن قیس کو روپیہ ادا کر کے ان کو آزاد کر دیا اور نہ صرف آزاد کیا بلکہ خود ان سے نکاح کر لیا جس کا نتیجہ نکلا کہ مسلمانوں نے بنو المصطلق کے تمام قیدی اس خیال سے آزاد کر دیئے کہ اب یہ لوگ ہمارے پیغمبر کی بیبی کے بھائی بند ہیں، اس صورۃ میں ان کا قید رکھنا سوء ادب ہے۔ پیغمبر صاحب کی یہ عنایت وشفقت اور حکیمانہ تدبیر دیکھکر بہت سے بنو المصطلق مسلمان ہو گئے۔ حضرت عائشہ رض کہا کرتی تھیں کہ جویریہ کا یہ نکاح اُن کی قوم کے لئے نہایت خیر و برکۃ کا موجب ثابت ہوا کہ ساری قوم اُسی روز غلامی سے آزاد ہو گئی اور بہت سے لوگ شرف اسلام سے بہرہ یاب ہوئے۔ میرے خیال میں تو کوئی عورۃ اپنی قوم کے لئے ایسی بابرکۃ ثابت ہوئی نہیں۔

اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد جویریہ کے والد حارث بہت سے اونٹ اور مال و اسباب ساتھ لے کر ان کے چھڑانے کو مدینے روانہ ہوئے اور جب موضع عقیق میں پہنچے تو اپنے اونٹوں کو چرنے چھوڑ دیا ان میں دو اونٹ ان کو بہت ہی بھلے معلوم ہوئے جن کو انھوں نے عقیق کی کسی گھاٹی میں اس خیال سے چھپا دیا کہ اگر مدینے لے جاؤں گا تو جویریہ کی چھڑائی میں چار و ناچار دینے پڑیں گے۔ مدینے سے لوٹتیوں کو اپنے ہمراہ وطن لیتا جاؤں گا الغرض مدینے پہنچ کر پیغمبر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ محمد تم میری بیٹی کو قید کر لائے ہو۔ لو اُس کا فدیہ لے لو اور بیٹی کو میرے ہمراہ کر دو۔ حارث کو ابھی تک معلوم نہ تھا کہ پیغمبر صاحب نے اُس کی بیٹی کو آزاد کر کے خود اُس سے نکاح کر لیا ہے اور نہ یہ معلوم تھا کہ اس نکاح کی برکت سے اُسکی تمام قوم نے آزادی حاصل کر لی ہے۔ تو جب حارث نے تمام اونٹ اور اموال پیش کئے پیغمبر صاحب نے پوچھا کہ بھلا وہ دو اونٹ کہاں ہیں جن کو تم عقیق کی گھاٹیوں میں چھپا آئے ہو۔ یہ سنتے ہی حارث مسلمان ہو گیا اور کہا واللہ تم خدا کے بھیجے ہوئے سچے پیغمبر ہو کیونکہ اُن اونٹوں کے چھپانے کو بجز خدا کے اور کوئی نہیں جانتا تھا اور اُسی نے تم کو معلوم کرایا۔ حارث مسلمان ہو چکا تو اب سے معلوم ہوا کہ اُس کی بیٹی جویریہ جس کے چھڑانے کے لئے وہ بہت سامال و اسباب لے کر دور دراز سفر طے کر کے آیا تھا پیغمبر صاحب کے نکاح میں ہے اس پر جسقدر اُسے خوشی ہوئی بیان سے باہر ہے۔ الغرض بیٹی سے ملا اور اپنی قوم کو ساتھ لے خوشی خوشی اپنے مقام پر واپس آ گیا

بیبی جویریہ نہایۃ عبادۃ گزار اور زاہد عورۃ تھیں، نماز پنجگانہ کے علاوہ اکثر اوقات نوافل و ورد و دعا و استغفار میں مصروف رہتی اور حالتِ بیداری میں بہت ہی کم اوقات میں مصلّے چھوڑتی تھیں جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم ایک روز صبح کو ان کے حجرے میں تشریف لے گئے دیکھا تو یہ مصلّے پر بیٹھی ہوئی کچھ پڑھ رہی ہیں، اتفاق سے اُسی روز قریب دوپہر کے پھر تشریف لے گئے اب بھی ان کو مصلّے ہی پر بیٹھا پایا پیغمبر صاحب نے فرمایا جویریہ! کیا تم

صبح سے اب تک مصلّے ہی پر بیٹھی ہو انھوں نے عرض کیا جی ہاں فرمایا میں تمہیں چند کلمات بتاتا ہوں کہ اگر وہ تم ایک دفعہ بھی کہہ لیا کرو تو سارے دن کی نفل عبادة سے بہتر ہو وہ کلمات یہ ہیں۔

| | |
|---|---|
| سُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ خَلْقِهٖ ۔ سُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ خَلْقِهٖ سُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ خَلْقِهٖ سُبْحَانَ اللهِ رِضٰی نَفْسِهٖ سُبْحَانَ اللهِ رِضٰی نَفْسِهٖ سُبْحَانَ اللهِ رِضٰی نَفْسِهٖ سُبْحَانَ اللهِ زِنَةَ عَرْشِهٖ سُبْحَانَ اللهِ زِنَةَ عَرْشِهٖ سُبْحَانَ اللهِ زِنَةَ عَرْشِهٖ سُبْحَانَ اللهِ مِدَادَ كَلِمَاتِهٖ سُبْحَانَ اللهِ مِدَادَ كَلِمَاتِهٖ سُبْحَانَ اللهِ مِدَادَ كَلِمَاتِهٖ | ہم خدا کی پاکی بیان کرتے ہیں اسکی مخلوقات کی گنتی کے برابر۔ ہم خدا کی پاکی بیان کرتے ہیں اسکی مرضی کے مطابق۔ ہم خدا کی پاکی بیان کرتے ہیں اُس کے تختِ کبریائی کے وزن کے برابر ہم خدا کی پاکی بیان کرتے ہیں اُس سیاہی کے برابر جس سے اُس کی باتیں لکھی جاتی ہیں۔ |

امّ المومنین جُویریہ نے ۵۰ھ ہجری کو مدینے میں انتقال کیا اور بقیع میں مدفون ہوئیں اسوقت معاویہ بن ابوسفیان بر سرِ خلافت تھے۔ حضرة ابن عباس اور جابر بن عبداللہ اور عبداللہ بن عمرو وغیرہم نے ان سے بہت سی حدیثیں روایتہ کی ہیں۔

حالاتِ مذکورۂ بالا ابن اثیر کی کتاب اسد الغابہ سے لئے گئے ہیں۔ ان میں ایک معاملہ تبدیلِ نام کا ہے کہ امّ المومنین جُویریہ کا اصلی نام برّہ تھا جس کو بدل کر پیغمبر صاحب نے جُویریہ کر دیا تھا۔ جُویریہ تصغیرِ شفقت ہے جاریہ کی جس کے معنے لڑکی کے ہیں پیغمبر صاحب ناموں کا بہت خیال رکھتے تھے اور اکثر بُرے ناموں کو اچھوں سے بدل دیا کرتے تھے، اتفاق سے پیغمبر صاحب کی ربیبہ زینب بنت ابی سلمہ اور آپ کی بیبی امّ المومنین جُویریہ بنت الحارث دونوں کا نام برّہ تھا پیغمبر صاحب نے پہلی کا نام زینب اور دوسری کا جُویریہ کر دیا۔ پیغمبر صاحب نے بہتوں کے نام بدلے ہیں از انجملہ حزن کا سہل۔ حرب کا سلم۔ عاصیہ کا جمیلہ تو واقع میں پہلے نام حزن۔ حرب۔ عاصیہ بُرے ہی تھے۔ لیکن برّہ ایسا تو بُرا نہیں۔ مگر اس میں میاں مٹھو کے قسم کی بُرائی تو ہے لَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى[1] ایک شخص کا نام تھا ابو الحکم پیغمبر صاحب نے اس نام کو ناپسند فرمایا اور کہا اِنَّ اللهَ تَعَالٰی هُوَ الْحَكَمُ وَاِلَيْهِ الْحُكْمُ ایک وہ تھے کہ ایسی ایسی باتوں کا خیال رکھتے تھے اور ایک ہم ہیں کہ ناموں سے اور خطابوں سے کبر و نخوۃ ظاہر ہے۔ یہ تو افراط ہے اور تفریط یہ ہے کہ عاصی اور آثم جزوِ نام بنا لیتے ہیں۔ پیغمبر صاحب ناموں سے تفاول بھی کرتے تھے۔ صلح حدیبیہ درپیش تھی۔ اہلِ مکہ کی طرف سے لوگ پیامِ صلح لے کر آتے تھے اور شرطیں قرار نہیں پاتی تھیں، اہلِ مکہ بات بات پر ناحق کی ہیکڑی اور ضد کرتے تھے۔ آخر کو سُہیل بن عمرو آئے اور پیغمبر صاحب نے اُن کو دیکھ کر فرمایا کہ بس اب آسانی سے معاملہ تصفیہ پا جائے گا اور یہ اسلئے کہ لفظ سُہیل سہولة سے مشتق ہے۔ پیغمبر صاحب کے حال میں لکھا ہے کہ ان کو فال یعنی فالِ نیک بہت پسند تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ درحقیقتہ فال میں دعا مضمر ہوتی ہے گو دعا کے لفظ موںھ سے نہ کہے جائیں یعنی فال لینے والا چاہتا ہے کہ فلاں

[1] (لوگو! بہت) اپنی پاکیزگی نہ (جتایا) کرو پرہیزگاروں کو وہی خوب جانتا ہے ۱۲

امر میں فال لیتا تو اُس کے حسب دلخواہ واقع ہو اور یہی دعا ہے۔ فال سے ایک بات یہ بھی پائی جاتی ہے کہ فال لینے والا غیب نہیں جانتا۔ پیغمبر صاحب تو برابر اپنے مریدوں سے یہ کہتے تھے۔ لَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَا اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ اور لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ اور وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ اور مَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِكُمْ۔ پیغمبر صاحب مستقبلات کے لئے ایسے ہی بے قرار رہتے تھے جیسے ہم۔ انھوں نے رات کو کوئی خواب دیکھا ہوتا تو نمازِ صبح کے بعد صحابہ سے بیان کرتے اور ان سے بھی پوچھتے کہ تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہو تو بیان کرے اور پھر اپنی اور دوسروں کی خوابوں کی تعبیر بیان فرماتے۔ یہ علمِ مستقبلات کیلئے بے قراری نہیں تو کیا ہے ایسی ہی باتوں سے ہم پیغمبر صاحب کی صداقت کے معتقد ہوئے ہیں۔ اب مسلمانوں میں فال کی جیسی مٹی خوار ہوئی ہے سب کو معلوم ہے اور خواب تو پلی کے خواب میں چھیچڑے رہ گئے ہیں۔

## اُمّ المومنین بیبی صفیہ رضی اللہ عنہا

ان کا نام تھا صفیہ بنت حُیی بن اخطب بن سعنہ بن ثعلبہ بن عبید بن کعب بن الخزرج بن ابی حبیب بن النضیر بن نخام بن ناخوم۔ ناخوم بنی اسرائیل کا ایک بڑا نامور اور مشہور سردار تھا جو لاوی بن یعقوب کی نسل میں تھا اور لاوی بن یعقوب موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون بن عمران کی نسل میں تھے تو بیبی صفیہ ہارون پیغمبر کی نسل میں ہوئیں۔ یہی وجہ تھی کہ یہودیوں میں ان کا حسب و نسب نہایت معزز اور باوقار تسلیم کیا جاتا تھا اور اسی سبب سے اُس زمانے کے یہودی ان کے باپ حُیی کی انتہا سے زیادہ قدر و منزلت کرتے تھے۔ اور یہ اُن میں ایک ممتاز اور معزز سردار مانے جاتے تھے۔ بیبی صفیہ کی ماں کا نام ضرہ تھا اور وہ بیٹی تھی سموئل[1] کی جو سارے

[1] یہ وہی سموئل بن عادیا ہے جسکی وفاشعاری اور امانتداری کی ایک پُرجوش حکایت ادب کی درسی کتابوں میں اس طرح مذکور ہے کہ ملک الشعراء جس کو ملک الضلیل بھی کہتے تھے یعنی امراء القیس نے سموئل کے پاس کچھ زرہیں اور ہتھیار امانتہً رکھوا دی تھیں امراء القیس روم سے واپس آتے وقت مر گیا شاہ کندہ نے جو امراء القیس کا دشمن تھا یہ خبر سُن کر سموئل کو پیام دیا کہ امراء القیس کے جو ہتھیار اور زرہیں تیرے پاس امانتہً رکھوائی ہیں ہمارے حوالے کر دے سموئل نے صاف جواب دیدیا کہ امراء القیس کے وارثوں کے سوائے اُس کے ہتھیار اور کسی کو نہیں دے سکتا۔ شاہ کندہ نے دوبارہ قاصد بھیجا اور اس نے پھر انکار کر دیا اور کہا میں تو اپنے عہد و پیمان کو توڑنے کا نہیں اور نہ اپنی امانت میں خیانت کرونگا اور جس چیز کا ایفاء مجھ پر واجب ہے اُس کے برخلاف کروں گا نہیں۔ شاہ کندہ اس خشک جواب کو سُن کر جوشِ غضب میں بھڑک اُٹھا اور ایک لشکر جرار لیکر سموئل کی طرف روانہ ہو گیا۔ سموئل قلعہ بند ہو گیا اور شاہ کندہ نے بڑی سختی کے ساتھ محاصرہ کر لیا۔ اتفاق سے سموئل کا بیٹا شکار کو گیا ہوا تھا۔ شکارگاہ سے واپس آتے ہوئے شاہ کندہ کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا اب شاہ کندہ نے قلعے کے نیچے آکر سموئل کو آواز دی اور جب اُس نے اوپر سے جھانک کر اس کی طرف دیکھا تو شاہ کندہ نے کہا کہ تیرا بیٹا میرے ہاتھ میں گرفتار ہے اگر اب بھی تو مجھے امراء القیس کے ہتھیار اور زرہیں دیدے گا تو میں تیرے بیٹے کو چھوڑ دونگا اور محاصرہ اُٹھا کر اپنے وطن کو چلا جاؤنگا ورنہ تیرے دیکھتے دیکھتے تیرے بیٹے کو ذبح کر ڈالونگا۔ سموئل نے ایک بڑی ہمت اور استقلال کے لہجہ میں کہا کہ میں تو عہد شکنی کروں گا نہیں تجکو جو کچھ کرنا ہو کر گزر۔ بے رحم شاہ کندہ نے سموئل کے سامنے اُس کے مظلوم بیٹے کو ذبح کر ڈالا اور قلعے کے سر کرنے سے عاجز ہوا تو بے نیل مرام واپس چلا گیا۔ سموئل نے بیٹے کے ذبح ہونے کی اور وہ بھی اپنی آنکھوں کے سامنے مطلقاً پروا نہ کی اور اپنے عہد و امانت کی حفاظت میں حتی الامکان کوشش کی۔ موسم حج آیا امراء القیس کے ورثہ سموئل کے پاس حاضر ہوئے اور اس نے اُس کے ہتھیار اور زرہیں جوں کی توں ان کے حوالے کر دیں۔ اُس وقت سے سموئل کی وفاداری اور ایفاءِ عہد ضرب المثل ہو گیا۔ ۱۲

[2] ان سب کے تراجم اوپر گزر چکے ۱۲

جزیرہ عرب میں شجاعت و دلیری کے ساتھ مشہور تھا اور جس کی ہمدردی اور وفاداری تمام لوگوں میں ضرب المثل تھی صفیہ جبکہ چودہ برس کی تھیں ان کے باپ حیی بن اخطب نے سلام بن مشکم یہودی سے ان کی شادی کردی تھی جو ایک پُرجوش شاعر اور مشہور شہسوار تھا مگر میاں بیوی میں کچھ ایسی اَن بن ہوتی کہ تھوڑے ہی عرصے میں سلام بن مشکم نے ان کو طلاق دے دی۔ حیی بن اخطب نے ان کی دوسری شادی کنانہ بن ابی الحقیق کے ساتھ کردی جو یہودیوں میں ایک بڑا نامور اور مسلّم شاعر مانا جاتا تھا۔ خیبر کے قلعوں میں ایک بڑا نامی اور مشہور قلعہ تھا جس کا نام القموص تھا اور جو اپنے استحکام اور آرائش میں بے نظیر تھا کنانہ بن ابی الحقیق خیبر کا سردار اسی قلعے میں اپنی بیوی صفیہ کے ساتھ رہتا تھا سنہ ۷ ہجری میں جب خیبر فتح ہوا اور مسلمانوں نے وہاں کے یہودیوں کو شکست فاش دی تو کنانہ مارا گیا اور خیبر کے سب یہودی مسلمانوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہوگئے۔ بی بی صفیہ جو ابھی نئی دُلھن تھیں یہ بھی قیدیوں میں شامل تھیں۔

جنگِ خیبر کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ جب سے اسلام مدینے آیا روزافزوں ترقی کرتا رہا اب کہ اُس کو مدینے آئے کچھ کم سات برس ہوئے تھے اُس نے ترقی کے بہت سے منازل طے کرلئے تھے اور اسی وجہ سے تمام مخالفین آپ سے آپ جلے مرتے تھے۔ بالخصوص یہودیوں کے حسد و عداوت کا کچھ ٹھکانا ہی نہ تھا۔ مدینے کے گوشۂ شمال و مغرب میں آٹھ منزل کے فاصلے پر ایک نہایت سرسبز و شاداب زمین تھی جس کو خیبر کہتے تھے اور جس میں دس مشہور اور نہایت مضبوط قلعے واقع تھے۔ یہی قطعۂ زمین مرکز تھا یہودیوں کا جن میں یہودیوں کے دو مشہور قبیلے بنی نضیر اور بنی قینقاع بھی جو مدینے سے جلاوطن کردیئے گئے تھے شامل ہوگئے تھے۔ یہ لوگ شب و روز اسی فکر میں غلطاں و پیچاں رہتے تھے کہ جس طرح بن پڑے اسلام کو اُبھرنے نہ دیں اور مسلمانوں کی شوکت جتنی کچھ بھی ہو توڑ دیں جنگِ خندق جو سنہ ۵ ہجری میں واقع ہوئی اُس کے محرّک اور باعث یہی مفسد تھے لیکن اُس موقع پر تو ان کی کچھ پیش رفت گئی نہیں اپنا سا مونھ لے کر چلے آئے اب خود ہی دس ہزار کی جمعیت سے جنگ کرنے کو آمادہ ہوگئے اور بنی اسد اور بنی غطفان عرب کے صحرائی قبائل کو بھی اپنا ہم آہنگ بنالیا اور جنگ کے سامان فراہم کرنے میں بڑی تیزی کے ساتھ مصروف ہوئے۔ جب ان کی اِن فتنہ انگیزیوں کی خبر پیغمبر صاحب کو پہنچی تو آپ بخیالِ تحفظِ مدینہ چودہ سو مجاہدین کو ہمراہ لے خدا پر بھروسا کرکے مدینے سے باہر تشریف لائے اور نہایت عجلت کے ساتھ خیبر کی طرف روانہ ہوئے منافقوں کے سردار عبداللہ بن اُبیّ نے مسلمانوں کی اس آمادگی اور روانگی کی خبر پہلے ہی خیبر کے یہودیوں کو دیدی تھی اور وہ لوگ نہایت مستعدی کے ساتھ قلعوں سے نکل کھلے میدان میں لڑنے کو تیار ہوگئے۔ گو مدینے سے خیبر تک آٹھ پڑاؤ کا فاصلہ تھا مگر جناب پیغمبرِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ منزلیں اس تیزی اور جلدی کے ساتھ طے کیں کہ عرب کے صحرائی قبائل یہودیوں کی مدد کو نہ پہنچ سکے اور جو لوگ مدد کو چلے تھے رستے میں سے یاں خوف پلٹ آئے کہ مبادا مسلمان ان کے گھروں پر حملہ کرکے اُن کو لوٹ نہ لیں۔ پیغمبر صاحب مارا مار کرتے خیبر کے متصل پہنچ گئے۔ ابھی خیبر ایک منزل تھا کہ لشکرِ اسلام کو رات ہوگئی۔ پیغمبر صاحب نہایت ہوشیاری

اور خاموشی سے رات بھر چلتے رہے اور صبح ہوتے ہی دفعۃً خیبر کے دروازے پر پہنچ گئے۔ یہود ساری رات پاؤں پھیلائے میٹھی نیند سوتے رہے صبح کو اُٹھے تو معلوم ہوا کہ لشکرِ اسلام اُن کی چھاتی پر موجود ہے۔ اُس وقت وہ نہایت پریشان ہونے اور اب اُنہیں بجز اسکے اور کچھ کرتے ہی نہ بن پڑا کہ قلعہ بند ہو گئے۔ قلعوں کے استحکام اور مضبوطی پر ان کو پورا اعتماد تھا۔ انھوں نے خیال کیا کہ کھلے میدان میں نہ لڑے تو نہی ہمارے قلعے ایسے مستحکم اور مضبوط ہیں کہ مسلمانوں سے ہرگز فتح نہ ہوں گے اور آخر کار وہ عاجز آ کر محاصرہ اُٹھا لیں گے۔ قریب دوپہر کے لڑائی شروع ہوئی اور یہودیوں نے قلعوں کے اوپر سے پتھر اور تیر برسانے شروع کئے مسلمان اوّل اوّل اُن کے نامردانہ حملوں کو روکتے رہے لیکن آخر میں ان کے بڑھتے ہوئے جوشوں کے آگے قلعوں کے پتھر اور تیروں کی کچھ حقیقت نہ تھی انھوں نے لگاتار اور تابڑ توڑ حملے کرنے شروع کر دیئے اور تھوڑی ہی دیر میں تین قلعے فتح کر لیئے لیکن القموص قلعہ جو سب میں مستحکم اور مضبوط تھا اس کا سر ہونا مشکل ہو گیا۔ بہادر اور شیر دل سالارِ افواجِ اسلام نے اگرچہ ان تھک کوششیں کیں مگر ناکام رہے۔ محاصرہ طول کھینچتا جاتا تھا انجام کار پیغمبر صاحب نے علی کرم اللہ وجہہ کو عَلَم دے کر روانہ کیا۔ یہودیوں کی طرف سے حارث اور مرحب دونوں بھائی جو شجعان یہود کے سرگروہ اور دلیرانِ قوم کے ناک تھے ایک جمِ غفیر کو ساتھ لے کر باہر نکلے اور مسلمانوں کے حملوں کے روکنے کی کوشش کرنے لگے۔ دونوں طرف کے بہادر جان توڑ کر ایک دوسرے پر پل پڑے۔ حضرۃ علی رضٰ جوش میں بھرے ہوئے آگے بڑھے اور حارث کو جس نے معرکۂ جنگ میں تہلکہ ڈال دیا تھا قتل کر ڈالا یہ دیکھکر مرحب جس کی شجاعت کی دھاک تمام لوگوں پر بیٹھی ہوئی تھی بڑے غیظ و غضب کے ساتھ حضرۃ علی رضٰ کی طرف بڑھا۔ آپ نے پینترا کاٹ کر ایسی زور سے تلوار ماری کہ مرحب دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گر پڑا۔ اب علی کرم اللہ وجہہ کے لئے رستہ صاف تھا آپ صفِ اعداء میں دلیرانہ گھس گئے۔ ان کی یہ حیرتناک دلیری دیکھ کر مسلمانوں میں ایک تازہ جوش پیدا ہو گیا اور انھوں نے اپنے بہادر سردار کے تعقب میں دشمنوں پر یکبارگی حملہ کر دیا۔ ایک سخت خونریزی اور شدید معرکے کے بعد میدان بالکل صاف ہو گیا۔ بہت سے دشمن قتل کئے گئے اور بقیۃ السیف قلعے کی طرف بھاگے۔ اولوالعزم اور شیر دل مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا اور حضرت علی رضٰ اپنے چند جاں نثاروں کے ساتھ قلعے کے دروازے تک پہنچ گئے۔ قلعے کا پھاٹک بند تھا انھوں نے جوش میں آ کر پھاٹک کے ایک کواڑ کو زور سے ہلایا اور کھینچ کر الگ پھینک دیا۔ پھاٹک کا کھلنا تھا کہ تعاقب کرنے والے مسلمان اندر گھس گئے اور قلعہ فتح ہو گیا۔ قلعۂ القموص کے سر ہوتے ہی یہودیوں کا سارا غرور خاک میں مل گیا اور اب انھوں نے نہایت عاجزی اور ذلت کے ساتھ امن کی درخواست کی اور چند شرائط پر صلح ہو گئی۔ کنانہ بن ابی الحقیق قلعے ہی میں مارا گیا اور اُسکی ساری اہل و عیال جن میں حیی بن اخطب سردار بنی نضیر کی بیٹی صفیہؓ بھی تھیں قید ہو گئے۔

اسیرانِ یہود پیغمبر صاحب کی خدمت میں پیش کئے گئے اور مالِ غنیمت ایک جگہ جمع کیا گیا۔ بلال رضٰ بھی صفیہ اور ایک اور عورت کو لائے اور اتفاق سے لانے بھی اُسی رستے سے جہاں ان کے قبیلے کے مقتولین خاک و خون میں

غلطاں پڑے تھے۔ یہ وہ دردناک نظارہ تھا جسکو عورۃ تو عورۃ مرد بھی مشکل سے دیکھنے کی تاب لا سکتا ہو۔ ایک ہُو کا میدان ہو۔ چاروں طرف خون میں تھڑی ہوئی لاشیں بھیانک صورت میں پڑی ہوں۔ سارا کُنبہ کا کُنبہ بھائی بہنوئی چچا رشتے کنبے کے لوگ کٹے پڑے ہوں کوئی ایسا ہی قوی اور مضبوط دل کا ہوگا جو اس منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھے اور اُس کا دل قابو میں رہے حضرۃ صفیہؓ ایسے دردناک منظر کو دیکھتی اور رنج و غم کا گھونٹ خاموشی کے ساتھ پیتی ہوئیں بلالؓ کے ساتھ چلی آئیں۔ دوسری عورۃ مارے خوف و ہیبت کے بے قابو ہوگئی اور ایک چیخ مار کر اِدھر اُدھر بیتابانہ بھاگنے لگی۔ الغرض بلالؓ نے بیبی صفیہؓ اور ان کی ہمراہی عورۃ کو پیغمبر صاحبؐ کے اجلاس میں پیش کیا۔ بیبی صفیہؓ تو خاموشی کے ساتھ ایک طرف کو بیٹھ گئیں اور ان کے ساتھ کی عورۃ لگی ماتھا پیٹنے اور چیخنے چلانے اور سر پر خاک ڈالنے پیغمبر صاحب نے اُس کی یہ بیتابانہ حالت دیکھکر حاضرین سے فرمایا کہ اس شیطانی کو یہاں سے نکال دو اور بلالؓ کی طرف روئے سخن کرکے ارشاد کیا کہ کیا خدا نے تمہارے دل سے رقۃ و رحمت بالکل ہی نکال ڈالی کہ عورتوں کو اُس موقع سے لائے جہاں اُن کے بھائی باپ بیٹے خاک و خون میں لتھڑے پڑے تھے۔ بیبی صفیہؓ جب پیغمبر صاحب کے سامنے پیش ہوئیں تو آپ نے ان کے چہرے پر چند اُبھرے ہوئے نشان دیکھ کر پوچھا یہ نشان کیسے ہیں؟ انھوں نے عرض کیا کہ عرصہ ہوا میں نے ایک خواب دیکھا تھا کہ چاند آسمان سے ٹوٹ کر میری گود میں آ پڑا ہے میں نے یہ خواب اپنے باپ سے بیان کیا اُس نے نہایت غیظ میں آکر اس زور سے میرے چہرے پر تھپّڑ مارا کہ انگلیوں کے نشان اُبھر آئے اور اب تک باقی ہیں اور کہا کیا تو اپنی گردن یہاں تک اونچی کرے گی کہ ملکۂ عرب بن کر دنیا میں مشہور ہوگی۔

خیبر کا مال غنیمۃ اور لونڈی غلام تقسیم ہوئے تو بیبی صفیہؓ وحیہ کلبی کے حصّے میں آئیں جو پیغمبر صاحبؐ کے ایک جلیل القدر صحابی تھے۔ بیبی صفیہؓ آخر تھیں تو ایک معزز سردار کی بیٹی، اِن کے چہرے سے شاہانہ رُعب جلال اور بھی نمایاں تھا، اس سے صحابہ نے پیغمبر صاحبؐ سے عرض کیا کہ بیبی صفیہؓ آپ کے سوا کسی اور کے لئے موزوں نہیں۔ پیغمبر صاحبؐ نے بھی بجائے خود خیال فرمایا کہ اگر صفیہؓ میرے نکاح میں آئیں گی تو اس سلسلۂ برادری کے قائم ہونے سے یہود کی مخالفۃ میں کمی ہوگی اور یہی مصلحۃ سمجھ کر آپؐ نے اسی سال کے اوائل میں بیبی اُم حبیبہؓ سے نکاح کیا تھا جس کی وجہ سے ابو سفیان کی مخالفۃ کا زور کم ہوگیا تھا پس پیغمبر صاحب نے صفیہؓ کو وحیہؓ سے واپس لے لیا اور آزاد کرکے نکاح کر لیا۔

پیغمبر صاحب مدینے پونہچے تو بیبی صفیہؓ کو حارثہ بن النعمان کے مکان میں الگ ٹھیرایا یہیں تمام ازواج مطہرات ان سے ملنے آئیں یہ سب سے بہ تواضع اور خندہ پیشانی سے پیش آئیں یہیں بیبی عائشہ بھی ان کو دیکھنے آئیں پیغمبر صاحب نے ان سے پوچھا کہ تم نے صفیہؓ کو کیسا پایا تو انہوں نے کہا کیا پایا، وہ ایک یہودن ہے اور بس۔ پیغمبر صاحب نے فرمایا ایسا مت کہو، وہ مسلمان ہو اور اُس کا اسلام اچھا اور بہتر ہے۔ بیبی صفیہؓ نہایت نیک دل اور خوش خلق بیبی تھیں اور اسی وجہ سے ہر شخص کے ساتھ نرمی اور محبتہ اور ہمدردی کا برتاؤ کرتی تھیں

ازواجِ مطہرات میں سے بعض بیبیوں نے اِن کے ساتھ بعض مرتبہ سختی بھی برتی لیکن اِنھوں نے کبھی کسی کی دِل آزاری روا نہیں رکھی۔ ایک دفعہ بیبی عائشہ اور حفصہ نے اِن کے نسب و حسب کے متعلق کوئی دِل آزار بات کہی۔ اِنھوں نے خود تو اُس کا کچھ جواب نہیں دیا پیغمبر صاحب سے شکایت کی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر وہ کہتی ہیں کہ ہم خاندان نبوّت میں ہیں تو تم بھی کہہ دو کہ میرے باپ ہارون ع ہیں اور چچا موسیٰ ع اور شوہر محمد۔

پیغمبر صاحب کی نسل سے بیبی صفیہ کو خصوصیت کے ساتھ محبت تھی۔ جب یہ خیبر سے مدینے آئیں تو فاطمۃ الزہرا پیغمبر صاحب کی صاحبزادی اِن کے دیکھنے کو آئیں۔ اِنھوں نے اپنے کانوں کے جھمکے جو بہت ہی بیش قیمت اور جواہرات سے مُرصّع تھے تحفۃً ان کے نذر کر دیئے اور جتنی بیبی فاطمہ کی سہیلیاں اِن کے ساتھ آئی تھیں سب کو زیور کی قسم کی ایک ایک چیز عنایت کی۔

پیغمبر صاحب بیبی صفیہ کی بہت کچھ وقعت کرتے تھے اور اس کی وجہ اِن کے دیندارانہ اخلاق اور خود پیغمبر صاحب اور اُن کے متعلقین کے ساتھ دلی ہمدردی اور محبت کا اظہار تھا۔ ایک دفعہ کا مذکور ہے کہ پیغمبر صاحب سفر میں تھے بیبی زینب بنت جحش اور بیبی صفیہ دونوں ساتھ تھیں۔ ایک مقام پر پہنچ کر بیبی صفیہ کا اونٹ جس پر یہ سوار تھیں بیمار ہو گیا۔ بیبی زینب کے پاس کئی اونٹ زائد از ضرورت تھے پیغمبر صاحب نے اُن سے فرمایا کہ تم ایک اونٹ صفیہ کو دیدو۔ بیبی زینب اگرچہ انتہا سے زیادہ سیر چشم اور فیّاض اور با مروّت اور ہمدرد قوم تھیں لیکن بتقاضائے بشریت بے ساختہ اِن کی زبان سے نکل گیا کہ اِس یہودن کو تو میں اپنا اونٹ ایسے ہی دوں گی۔ بیبی زینب کا یہ فقرہ پیغمبر صاحب کو اِس درجہ ناگوار گزرا کہ آپ نے ان سے بولنا چھوڑ دیا اور پورے تین مہینے تک اِن کے گھر تشریف نہیں لے گئے۔ بیبی زینب کا بیان ہے کہ پیغمبر صاحب کی اس خفگی سے مجھے نا اُمیدی سی ہو گئی اور میں سخت نادم ہوئی اور عہد کیا کہ بار دیگر ایسی بات ہرگز نہیں کہوں گی۔

بیبی صفیہ نہایت دانشمند اور عاقبت بیں بیبی تھیں، اِن کی طبیعت حق گو اور انصاف پسند واقع ہوئی تھی، یہ سچ بات کہنے میں کبھی درگزر ہی نہیں کرتی تھیں۔ پیغمبر صاحب کی وفات کے بعد آپ کے دوسرے جانشین حضرۃ عمر کے عہد خلافت میں بیبی صفیہ کی لونڈی جو شب و روز اِن کے پاس رہتی تھی دربارِ عمرؓ میں آ کر لگی کہنے کہ بیبی صفیہ یہودیوں کی طرح سبت (ہفتے) کو بہت پسند کرتی اور یہودیوں سے دلی محبت رکھتی ہیں۔ حضرۃ عمرؓ خود اِن کے پاس تشریف لے گئے اور دونوں باتوں کی بابت اِن سے استفسار کیا، اِنھوں نے جواب دیا کہ عمر! جب سے خدا نے مجھے سبت کے بدلے جمعہ عنایت فرمایا ہے میں اُس کو سبت سے بہت زیادہ محترم و بزرگ سمجھتی ہوں، رہے یہود تو چونکہ وہ میرے رشتے دار اور قرابتمند ہیں بے شک میں اُن سے محبت رکھتی ہوں۔ حضرۃ عمرؓ بیبی صفیہ کے اس جواب سے بہت خوش ہوئے لیکن بعد کو بیبی صفیہ نے لونڈی کو بلا کر پوچھا کہ تو نے امیر المومنین سے میری شکایت بے جا کیوں کی۔ لونڈی نے سیدھے سبھاؤ جواب دیا کہ بیبی! مجھے شیطان نے بہکا دیا۔ حضرۃ صفیہ نے فرمایا جا میں نے تجھے راہِ خدا میں آزاد کر دیا۔

بیبی صفیہ نے ۶۲ برس کی عمر میں ۵۲ سنہ ہجری کو انتقال کیا جب کہ معاویہ بن ابی سفیان تختِ خلافہ پر متمکن تھے صحابیوں اور تابعیوں کے جمِ غفیر نے ان کے جنازے کی نماز پڑھی اور مدینے کے مشہور قبرستان بقیع میں دفن کیا۔

# اُمّ المومنین بیبی میمونہ رضی اللہ عنہا

ان کے والد کا نام حارث بن حزن تھا جو قبیلۂ بنو ہلال کے ایک معزز اور سربرآوردہ شخص تھے۔ ان کی سگی سوتیلی سب ملاکر پندرہ بہنیں اور بھی تھیں جو سب کی سب صحابیہ تھیں اور جلیل القدر صحابیوں سے بیاہی گئی تھیں۔ ام الفضل۔ لبابۂ صغریٰ۔ لبابۂ کبریٰ۔ سمار بنت عمیس اور ام المومنین زینب ام المساکین یہ ایسی مشہور اور نامور بیبیاں تھیں جو صحابیات کے رجسٹر میں پہلا نمبر رکھتی تھیں۔ ام الفضل۔ پیغمبر صاحب کے چچا عباس کے نکاح میں تھیں اور اسمار بنت عمیس پہلے حضرۃ جعفر سے بیاہی گئیں اور ان کے انتقال کے بعد خلیفۂ دوم حضرۃ عمر رض کے نکاح میں آئیں اور ان کے بعد حضرۃ علی رض کے۔

لبابۂ صغریٰ۔ جنرل افواجِ اسلام خالد بن الولید کی والدہ تھیں۔ غرض کہ بیبی میمونہ کا سارا خاندان جس طرح ایامِ جاہلیت میں معزز و نامور تھا اسلام میں بھی نامور و معزز رہا۔ خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْاِسْلَامِ إِذَا فَقِهُوا۔

بیبی میمونہ کا اصلی نام برّہ تھا پیغمبر صاحب نے ان کا نام بدل کر میمونہ رکھ دیا۔ ان کا پہلا نکاح قریش کے ایک نوجوان ابو رہم بن عبد العزّیٰ سے ہوا جو چند ہی روز کے بعد انتقال کر گیا۔ بعد کو حضرۃ عباس نے اپنی بی بی ام الفضل کی تحریک سے جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میمونہ میری سالی بیوہ ہوگئی ہے اور قرابتہ اور یگانگی کے چند در چند حقوق اس بات کے متقاضی ہیں کہ آپ اُن سے نکاح کر لیں پیغمبر صاحب کو اپنے معزز چچا کی خاطر منظور تھی اور اس کے سوائے بیبی میمونہ اپنی دانشمندی اور بیدار مغزی اور سب سے بڑھکر قرابتہ داری کی وجہ سے اس کی مستحق بھی تھیں کہ پیغمبر صاحب ان کو اپنی زوجیت کا شرف عنایۃ فرمائیں۔ لیکن چونکہ اس وقت خیبر پر چڑھائی کی تیاریاں نہایۃ سرگرمی کے ساتھ ہو رہی تھیں میمونہ کے نکاح کے معاملے کو بالفعل ملتوی رکھا گیا۔ خیبر سے لوٹتیوں کو پیغمبر صاحب نے مکے میں اپنے چچا عباس کے پاس پیام بھیجا کہ وہ اپنی وکالۃ سے میمونہ کا نکاح میرے ساتھ کر دیں۔ اسی اثنار میں پیغمبر صاحب نے عمرۃ القضار کا ارادہ کر لیا اور آپ صحابہ کے ایک جمِ غفیر کے ساتھ مکے پہنچے۔ عمرے سے فارغ ہوتے تو جعفر رض کو میمونہ کے پاس نکاح کا پیام دے کر بھیجا اور انھوں نے اپنے بہنوئی عباس کو اپنا وکیل مقرر کیا اور نکاح ہوگیا۔ پیغمبر صاحب نے پانچ سو درہم مہر کے ادا کئے اور بیبی میمونہ کو ساتھ لے مدینے تشریف لے آئے۔

پیغمبر صاحب کا یہ آخری نکاح تھا اس کے بعد پھر آپ نے کوئی نکاح نہیں کیا۔ بیبی میمونہ کا انتقال ۵۱ سنہ ہجری میں ہوا اور یہ ایک اتفاق کی بات ہے کہ جس مقام پر ان کی رخصتہ ہوئی وہیں انکا انتقال بھی ہوا یعنی موضع سرف

میں جو مکّے سے دس میل کے فاصلے پر واقع ہے اور اُسی قبّے میں دفن ہوئیں جہاں ان کی پیغمبر صاحب سے پہلی ملاقات ہوئی۔

پیغمبر صاحب کی ازواجِ مطہرات کے حالات کے متعلق جو کچھ ہمیں لکھنا منظور تھا مختصراً لکھ دیا۔ ازواجِ مطہرات کے علاوہ کچھ اور عورتیں بھی تھیں جن کو مختلف اوقات میں بطریق ملک یمین پیغمبر صاحب کی خدمت کا شرف حاصل ہوا اور اس طرح کی کئی عورتیں تھیں۔ ایک ماریہ قبطیہ جس کو اسکندریہ کے تاجدار مقوقس نے دیگر تحائف کے ساتھ پیغمبر صاحب کی خدمت میں بھیجا تھا اور جس کے بطن سے ابراہیم بن رسول اللہ پیدا ہوئے اور حالتِ رضاعت ہی میں انتقال کر گئے۔ دوسری ریحانہ بنت سمعون یہودیہ جو غزوۂ بنی مصطلق میں پکڑی آئی اور لونڈیوں کی طرح پیغمبر صاحب کی خدمت میں رہ کر آپ کی عین حیاۃ مر گئی۔ ان کے علاوہ دو اور لونڈیاں تھیں ایک وہ جس کو اُم المومنین بی بی زینب بنت جحش نے پیغمبر صاحب کی خدمت میں دے دیا تھا اور ایک وہ جو کسی جہاد میں قید ہو کر آئی تھی چونکہ ان دونوں عورتوں کے تاریخی حالات ہمیں دستیاب نہیں ہوئے اس لئے ہم نے انکو لیا بھی نہیں۔ ماریہ قبطیہ اور ریحانہ کے متعلق جو کچھ تحقیق ہوا ہے بطریقِ اجمال ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

سنہ ۶ ہجری میں صلح حدیبیہ کے بعد پیغمبر صاحب کو قریش کی طرف سے پورا نہیں تو کچھ کچھ ضرور اطمینان ہو چلا تھا اس لئے جب آپ حدیبیہ سے لوٹ کر مدینے تشریف لائے تو آپ نے یہ ارادہ کر لیا کہ خدائے واحد کے نام کا ڈنکا اُس کی وسیع زمین کے ہر حصے میں بجا دیا جائے خواہ کوئی سُنے یا نہ سُنے اور سُنکر تسلیم کرے یا نہ کرے میں تو اپنے فرضِ منصبی سے سُبکدوش ہو ہی جاؤں گا اور تبلیغ رسالۃ کی خدمت جس پر میں مامور ہوں ادا ہو ہی جائے گی۔ یہ خیال کر کے آپ نے سنہ ۶ ہجری کے آخر میں بادشاہوں کے نام نامے لکھنے کا حکم فرمایا۔

اس زمانہ میں عرب کے اطراف و جوانب میں چار بڑی زبردست سرحدی سلطنتیں قائم تھیں جو نہایت مقتدر اور باشوکت تسلیم کی جاتی تھیں۔ سلطنتِ فارس جس کا پایۂ تخت ان دنوں ایران تھا سلطنتِ مصر جس کا دارالخلافہ اسکندریہ تھا۔ سلطنتِ روم اور حبشہ۔ ایران میں شہنشاہ خسرو پرویز حکمران تھا اور چونکہ یہ آتش پرست تھا سلئے ایران میں آتش پرستی کا ہنگامہ گرم تھا گھر گھر اہرمن اور یزداں کی دُھائی مچی ہوئی تھی اور ایک متنفس بھی خالقِ حقیقی کے نام سے آشنا نہ تھا۔ روم میں ہرقل قیصر کی حکومۃ تھی جو مذہبًا عیسائی تھا اور اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ کے قاعدے سے تمام رومی رعایا میں تثلیث کی عملداری پھیلی ہوئی تھی۔ باپ بیٹا روح القدس تین خدا مانے جاتے تھے اور ہر شخص صلیب کے آگے سرِ نیاز جُھکائے ہوئے تھا۔ یہی کیفیۃ مصر و اسکندریہ اور ملک حبش کی تھی کہ اسکندریہ کا تاجدار مقوقس اور حبشے کا بادشاہ نجاشی دونوں عیسوی مذہب رکھتے تھے جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ان چاروں بادشاہوں کو اور ان کے ضمن میں چند اور سرداروں کو جو لاکھوں خلق اللہ کی جان و مال کے مالک تھے خدائے عزوجل کا فرمان بے دھڑک پہنچا دیا اور اُن کی ہدایۃ کے لئے نامے روانہ کئے۔

# پیغمبر صاحب کا نامہ ہرقل قیصر روم کی طرف

یہ نامہ پیغمبر صاحب نے سنہ ہجری کے آخر میں لکھا اور ہرقل کو محرم سنہ میں پونہچا۔ نامہ لکھ لکھا کر مرتب ہوا تو پیغمبر صاحب نے صحابہ کی طرف روئے سخن کرکے فرمایا کہ اس نامے کو ہرقل کے پاس کون شخص لے جانا چاہتا ہی۔ وحیہ کلبی جو ایک بڑے معزز خاندان کے سربرآوردہ آدمی اور جلیل القدر صحابی تھے بول اُٹھے کہ میں لیجانا چاہتا ہوں پیغمبر صاحب نے اِن کے حق میں دعا کی اور سربند نامہ حوالے کیا اور فرمایا کہ یہ نامہ ملکِ غسان حارث کو دیدینا جو ان دنوں بصرے کا حاکم ہی وہ تم کو اور اِس نامے کو ہرقل کے پاس پونہچا دیگا کیونکہ آج کل ہرقل ایران پر فتح پانے کی خوشی میں بیت المقدس گیا ہوا ہی۔ وحیہ پیغمبر صاحب کا نامہ لیکر بصرے کی طرف کو روانہ ہوگئے اور بصرے پونہچ کر حارث کو نامہ دیا حارث نے عدی بن حاتم کو جو قریب العہد مسلمان تھے ان کے ساتھ کردیا کہ وہ وحیہ کو قیصرِ روم تک پونہچا دیں۔ یہ دونوں بیت المقدس پونہچے تو وہاں کے لوگوں نے وحیہ سے کہا کہ قیصرِ روم کے دربار کا دستور ہی کہ جو شخص اُس کے سامنے جائے سجدے میں گر پڑے اور تاوقتیکہ خود قیصر حکم نہ دے سجدے سے سر نہ اُٹھائے۔ وحیہ نے کہا میں تو خدا کے سوائے کسی کو سجدہ کروں گا نہیں، لوگوں نے کہا تو تمہارا خط قیصر تک پونہچنے کا نہیں اسی جیص بیص میں ایک شخص نے کہا میں ایک تدبیر بتاتا ہوں کہ تم کو سجدہ بھی کرنا نہ پڑے اور خط بھی قیصر تک پونہچ جائے قیصر کی ہر چوکھٹ پر ایک اونچا منبر بچھا ہوا ہی جس پر وہ بیٹھا کرتا ہی تو یہ خط منبر کے مقابلے میں رکھدیا جائے کسی اور کی تو مجال ہی نہیں کہ وہ خط اُٹھا سکے خود قیصر اُٹھائے گا اور پھر قاصد کو بُلا کر تفتیشِ حال کرے گا۔ وحیہ نے ایسا ہی کیا قیصرِ روم ہرقل نے خط اُٹھا کر کھولا تو اپنے ترجمان کو بُلایا اور خط کے مضمون سے مُطلع ہوکر حکم دیا کہ اگر اس مُدّعیِ نبوۃ کی قوم کا کوئی شخص ہمارے ملک میں موجود ہو تو اُسے ہمارے سامنے پیش کرو۔ اتفاق سے اِن دنوں ابوسفیان بن حرب اپنے چند ہموطنوں سمیت ملکِ شام میں تجارت کو گیا ہوا تھا۔ ہرقل کے آدمیوں نے اِن لوگوں کو دربار میں لا حاضر کیا۔ چونکہ یہ واقعہ ابوسفیان کا اپنا بیتا ہوا واقعہ ہی مناسب معلوم ہوتا ہی کہ اُس کو اُسی کی زبان میں ادا کیا جائے۔ ابوسفیان کا بیان ہی کہ ہرقل کے لوگ مجکو اور میرے ساتھیوں کو بیت المقدس میں ہرقل کے پاس لے گئے میں نے دیکھا کہ ہرقل سونے کے جڑاؤ تخت پر بیٹھا ہی اور اُس کے سر پر ایک بڑا قیمتی تاج ہی اُس کے اِرد گرد عظماءِ روم مؤدّب بیٹھے ہیں، ہم لوگ دربار میں پونہچے تو ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا اِن سے پوچھو کہ جس شخص نے زمینِ عرب میں نبوۃ کا دعویٰ کیا ہی اُس کا سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار تم میں کون ہی۔ ابوسفیان کا بیان ہی کہ جب ترجمان نے ہم سے پوچھا تو میں بولا کہ میں اُس کا قریبی رشتہ دار ہوں، کہا گیا تمہارا اُس سے کیا رشتہ ہی میں نے کہا میں اُس کا چچا زاد بھائی ہوں۔ ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا کہ اس شخص کو تو میرے قریب کردو اور اِس کے ساتھیوں کو اس کے پیچھے کھڑا کرکے کہہ دو کہ جو باتیں میں اِس سے پوچھتا جاؤں اگر یہ اُن میں سے کوئی بات غلط بیان کرے تو تم فوراً اِس کو روک دینا۔ ابوسفیان کہتا ہی کہ بخدا اگر مجھے اِس بات کا خوف نہ ہوتا کہ لوگ مجھے جھوٹا کہیں گے تو میں

اس موقع پر ضرور جھُوٹ بولتا لیکن میں اس سے مطمئن نہ تھا لہذا جھُوٹ نہ بول سکا۔ الغرض ابوسفیان اور ہرقل میں اس طرح مکالمہ شروع ہوا۔

ہرقل۔ تم لوگوں میں اس مدّعیِ نبوۃ کا حسب نسب کیسا ہی؟۔

ابوسفیان۔ وہ ہم سب میں شریف النسب ہی۔ اور اُس کا حسب نسب ہم سب لوگوں میں معزز و مفتخر تسلیم کیا جاتا ہی۔

ہرقل۔ اچھّا اس سے پیشتر تم میں کے کسی شخص نے نبوۃ کا دعویٰ کیا ہی؟۔

ابوسفیان۔ نہیں!

ہرقل۔ بھلا اُس کے مدّعیِ نبوۃ ہونے سے پہلے تم اُس کو متہم کرتے تھے کہ وہ لوگوں سے جھوٹ بولتا ہی؟

ابوسفیان۔ نہیں!

ہرقل۔ کیا اُس کے بڑوں میں کوئی بادشاہ ہو گزرا ہی؟۔

ابوسفیان۔ نہیں!

ہرقل۔ تم اُس کی عقل ورائے کو کیسا پاتے اور فہم وسمجھ کو کیسا جانتے ہو؟۔

ابوسفیان۔ ہم نے اُس کی عقل ورائے پر کبھی عیب نہیں لگایا۔ اُس کی رائے ہمیشہ صائب ہتی اور تدبیر ٹھیک بیٹھتی ہی۔

ہرقل۔ اُس کی پیروی کون لوگ کرتے ہیں شرفاء اور دولتمند یا ضعفاء اور غریب؟۔

ابوسفیان۔ ضعفاء اور غریب!

ہرقل۔ اچھّا اُس کے پیرو دن بدن بڑھتے ہیں یا گھٹتے ہیں؟۔

ابوسفیان۔ روز بروز بڑھتے جاتے ہیں!

ہرقل۔ بھلا جو لوگ اُس کے دین میں داخل ہوتے ہیں اُن میں سے کوئی اُس دین کو بُرا سمجھ کر پھر بھی جاتا ہی؟۔

ابوسفیان۔ نہیں!

ہرقل۔ کیا اُس نے کبھی عہد شکنی بھی کی ہی؟۔

ابوسفیان۔ ابھی تک تو کی نہیں۔ آج کل ہم میں اُس میں صلح ہی اور عہد و پیمان ہو چُکا ہی۔ نہیں معلوم کہ وہ اس صلح کو اُس کے وقت تک نباہتا ہی یا توڑتا ہی!

ہرقل۔ کیا تم میں اُس میں کوئی لڑائی بھی ہوئی ہی؟۔

ابوسفیان۔ ہاں ہوئی ہی!

ہرقل۔ پھر تمہاری اُس کی لڑائی کا نتیجہ کیا نکلا؟۔

ابوسفیان۔ کبھی اُس نے ہم پر فتح پائی اور کبھی ہم نے اُس پر!

ہرقل۔ اچھّا وہ کہتا کیا ہی؟۔

ابوسفیان - کہتا یہ ہو کہ خدائے واحد کی عبادت کرو - اُس کا کسی کو شریک نہ بناؤ جن کو تمہارے بڑے پوجتے تھے اُن کو چھوڑ دو، نماز پڑھو - سچ بولو - پاکدامنی اختیار کرو - عہد و پیمان پورا کرو - امانتیں ادا کرو -

یہاں تک پونہچ کر ہرقل نے کہا - ابوسفیان! سُن کہ یہ باتیں جو تُو نے بیان کیں درحقیقت پیغمبروں کے اوصاف ہیں۔ میں نے تجھ سے پوچھا کہ اُس کا حسب نسب کیسا ہی تُو نے جواب دیا کہ وہ شریف النسب ہی اور ٹھیک بات یہ ہی کہ پیغمبر شریف النسب ہی ہوا کرتے ہیں تاکہ اُن کی متابعت سے کسی کو ننگ و عار نہ ہو - پھر میں نے پوچھا کہ اُس شخص سے پیشتر بھی تم میں سے کوئی مدعیِ نبوۃ ہوا ہی؟ تُو نے کہا نہیں اور اسی سے تو اس بات کا پتہ لگتا ہی کہ وہ نبی ہی کیونکہ اگر اُس سے پیشتر کسی نے نبوۃ کا دعویٰ کیا ہوتا تو سمجھا جاتا کہ یہ بھی اُسی کی تقلید کر رہا ہی؟ اس کے بعد میں نے دریافت کیا کہ اُس کے مدعیِ نبوۃ ہونے سے پہلے تم اُس کو جھوٹ کے ساتھ متہم کرتے تھے؟ جواب ملا نہیں اور یہیں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جب وہ لوگوں پر جھوٹ نہیں لگاتا تو خدا پر کس طرح لگا سکتا ہو - میں نے تجھ سے یہ بھی پوچھا کہ کیا اُس کے بڑوں میں کوئی بادشاہ ہوا ہی؟ تُو نے اس کا جواب بھی نفی میں دیا اور اسی سے مجھے معلوم ہو گیا کہ دعویٰ نبوۃ میں اُس کی کوئی ذاتی غرض مضمر نہیں، ہاں اگر اُس کے بڑوں میں کوئی بادشاہ ہوا ہوتا تو خیال کیا جاتا کہ نبوۃ کی آڑ میں اپنے بڑوں کی سی سلطنت حاصل کرنی چاہتا ہی - پھر میں نے پوچھا کہ اُس کی پیروی اغنیاء اور اشراف کرتے ہیں یا فقراء اور ضعفا؟ تُو نے کہا فقراء اور ضعفا اور پیغمبروں کے پیرو اوّل اوّل ضعفا ہی ہوا کرتے ہیں کیونکہ ان میں غرور و تکبر نہیں ہوا کرتا - میں نے تجھ سے یہ بھی دریافت کیا کہ اُس کے پیرو بڑھتے جاتے ہیں یا گھٹتے جاتے ہیں؟ اس کا تُو نے جواب دیا کہ نہیں دن بدن بڑھتے جاتے ہیں اور ایمان کا قاعدہ ایسا ہی ہو کہ وہ یوماً فیوماً اور وقتاً فوقتاً بڑھتا ہی جاتا ہی یہاں تک کہ کمال کو پونہچ جاتا ہی - بعدازاں میں نے پوچھا کہ جو لوگ اُس کے دین میں داخل ہوتے ہیں اُن میں سے کوئی اُسے بُرا سمجھ کر مرتد بھی ہو جاتا ہے؟ تُو نے جواب دیا نہیں اور درواقع میں ایمان کی یہی کیفیت ہو کہ جب اُسکی حلاوۃ دل میں بیٹھ جاتی ہو تو پھر مرتے دم تک نہیں نکلتی - پھر میں نے یہ سوال کیا کہ تم میں اُس میں کبھی لڑائی بھی ہوئی ہی اور لڑائی کا نتیجہ کیا نکلا ہی؟ اس سوال کے جواب میں کہا گیا کہ ہاں ہم میں اُس میں لڑائی ہوئی ہی اور کبھی اُس نے ہم پر فتح پائی ہی اور کبھی ہم نے اُس پر - اور اسی طرح شروع میں پیغمبروں کی آزمایش کی جاتی ہی مگر انجام بخیر اُن ہی کا ہوتا ہی - یہاں تک پونہچ کر میں نے آخر میں یہ بھی دریافت کیا کہ وہ تمہیں کن باتوں کا حکم کرتا ہی؟ اس کے جواب میں کہا گیا کہ وہ نماز پڑھنے - سچ بولنے - پاکدامنی اختیار کرنے - عہد و پیمان کے پورا کرنے - امانۃ کے ادا کرنے کا حکم دیتا ہی - اور یہی وہ باتیں ہیں جن کا پیغمبران خدا لوگوں کو حکم کرتے آئے ہیں - ابوسفیان سُن بے شک وہ رسُولِ خدا ہی کیونکہ جن باتوں کی نسبۃ میں نے تجھ سے دریافت کیا اور جو تُو نے جوابات دئے ٹھیک یہی جوابات کُتبِ قدیمۂ آسمانی میں مذکور ہیں - مجھے یقین ہو کہ وہ اس ملک پر قبضہ کرے گا اور یہاں کا بادشاہ ہوگا۔ میں یہ تو جانتا تھا کہ عنقریب ایک نبی مبعوث ہونے والا ہی لیکن یہ خبر نہ تھی کہ قریش میں سے ہوگا - ابوسفیان! اگر میں

اُس کے پاس پونہچ سکتا تو اُس کے قدموں کو دھوتا لیکن افسوس کہ نہیں اُس تک پونہچ سکتا اور نہ اسکی متابعة کرسکتا ہوں اگر ایسا کروں تو لوگ مجھے مار ڈالیں۔

اس کے بعد قیصر روم ہرقل نے پیغمبر صاحب کا فرمان مانگا اور ترجمان کو پڑہنے کا حکم دیا جو اس طرح پڑھا گیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
من محمد عبد اللہ ورسولہ الی ھرقل عظیم الروم سلام علی من اتبع الھدی اما بعد فانی ادعوک بدعایة الاسلام اسلم تسلم یؤتک اللہ اجرک مرتین فان تولیت فانما علیک اثم الاریسیین و یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمة سواء بیننا وبینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون

(بخاری)

شروع اللہ کے نام سے (جو) نہایت رحم والا مہربان (ہی)۔ یہ خط خدا کے بندے اور اُس کے پیغمبر محمد کی طرف سے قیصر روم ہرقل کی جانب (بھیجا جاتا ہی)۔ جس کا مضمون یہ ہی کہ سلامتی اُسی کیلئے ہی جو راہِ راست کی پیروی کرے۔ اس کے بعد (اے قیصر روم ہرقل) میں تجکو دعیۂ اسلام (یعنی کلمۂ توحید) کی طرف بلاتا ہوں تو تو اسلام قبول کرتا کہ سلامت رہے خدا تجکو دوہرا اجر عنایت کرے گا (ایک تیرے ایمان لانے کا دوسرے تیری رعایا کے ایمان لانے کا جو تیری متابعت کرینگے) اور اگر تو موہنہ موڑے گا (اور دین اسلام کو قبول نہیں کرے گا) تو (تیرے انکار کا وبال تجپر تو پڑے ہی گا) رعایا کے انکار کا بوجھ (بھی) تجھ پر پڑے گا اور اے اہل کتاب آؤ (ایسی بات کی طرف (رجوع کرو) جو ہمارے اور تمہارے درمیان میں یکساں (مانی جاتی) ہی کہ خدا کے سوا کسی کی عبادة نہ کریں اور کسی چیز کو اُس کا شریک نہ ٹھیرائیں اور اللہ کے سوا ہم میں سے کوئی کسی کو (اپنا) مالک نہ سمجھے پھر اگر (ایسی سیدھی اور سچی بات کے ماننے سے بھی) موہنہ موڑیں تو (مسلمانو! ان لوگوں سے) کہہ دو کہ تم اس بات کے گواہ رہو کہ ہم تو ایک ہی خدا کو) مانتے ہیں۔

ابوسفیان کا بیان ہی کہ جب ترجمان پیغمبر صاحب کے فرمان کو ختم کرچکا تو دربار میں ایک نامفہوم شور پیدا ہوا ہم تو دربار سے نکال دیئے گئے اور ہرقل نے دحیہ کلبیؓ کو ایک پادری کے پاس بھیجا جس نے یہ حالات سُن کر پیغمبر صاحب کی نبوة کی تصدیق کی اور گرجا میں جاکر لوگوں کو قبولِ اسلام کی رغبة دلائی لیکن لوگوں نے اُسے وہیں قتل کرڈالا۔ دحیہ کلبیؓ ہرقل کے پاس واپس آئے اور پادری کا واقعہ سُنایا تو اُس نے مایوسانہ لہجے میں

کہاکہ عیسائیوں میں یہ شخص مجھ سے زیادہ توقیر وعزت رکھتا تھا اوراس کے فضل وکمال کا سب لوگوں کو اعتراف تھا تو جب اس کا یہ حال ہوا میرا اس سے بدتر ہوگا اگر پیغمبر صاحب کی کھُل کر تصدیق کروں گا۔

اس کے بعد قیصر روم بیت المقدس سے حمص چلاگیا اور وہاں ایک عظیم الشان دربار کیا۔ درباری لوگ جمع ہوگئے تو قیصر نے کھڑے ہوکر کہا لوگو! اگر تم طالب نجاۃ ہو تو دین کے سیدھے رستے پر چلو۔ اور اگر سلطنۃ کا قیام ودوام چاہتے ہو تو اُس نبی امّی عربی کی پیروی کرو جو قبیلۂ قریش میں ظاہر ہوا ہے۔ درباریوں نے قیصر کا یہ بیان نہایۃ ناگواری کے ساتھ سُنا اور اُس کی اس تقریر پر سخت نفرۃ ظاہر کی اور لگے گستاخی و بے ادبی کرنے۔ دربار کا یہ رنگ دیکھکر قیصر نے اپنی جان کی حفاظت کی غرض سے تقریر کا پیرایہ بالکل بدل دیا اور اس طرح کہنا شروع کیا کہ دربار کے معزز سردارو! میں نے جو کچھ تمہارے سامنے بیان کیا وہ محض اس خیال سے تھا کہ دیکھوں تم اپنے دین و مذہب میں کیسے پختہ اور مضبوط ہو سو تمہارے اس جوش مذہبی نے مجھ پر ثابت کردیا کہ تم اپنے دین میں پختہ اور مضبوط ہو۔ اس کے بعد ہرقل نے پیغمبر صاحب کے فرمان کا اس طرح جواب لکھا کہ "میں دل سے تو مسلمان ہوں لیکن قوم کے خوف سے کھُل کر اظہار اسلام نہیں کرسکتا" پھر خط کو لفافے میں بند کرکے دحیہ کلبیؓ کو دیا اور کچھ تحفے تحائف حوالے کرکے رُخصت کردیا۔ پیغمبر صاحب نے ہرقل کا یہ جواب پڑھ کر فرمایا کہ ہرقل جھوٹا ہے۔ حُبّ ریاستہ نے اُسے مسلمان ہونے سے روکا۔ دحیہ کلبیؓ کے لائے ہوئے تحفے آپ نے قبول کئے اور لوگوں میں تقسیم کردیئے۔

## پیغمبر صاحب کا فرمان شاہِ فارس کسریٰ کی طرف

ان دنوں فارس کے مشہور دارالخلافہ ایران میں خسرو پرویز حکمران تھا۔ پیغمبر صاحب نے اس کے نام بایں الفاظ نامہ تحریر فرمایا۔

| | |
|---|---|
| بسم الله الرحمن الرحيم<br>من محمد رسول الله الى<br>كسرى عظيم فارس سلام على<br>من اتبع الهدى وآمن بالله<br>ورسوله وشهد ان لا اله<br>الا الله وحده لا شريك<br>له وان محمدا عبده ورسوله<br>ادعوك بدعاية الله فانى<br>انا رسول الله الى الناس | شروع اللہ (کے نام) سے جو نہایۃ رحم والا مہربان<br>(ہے) (یہ خط) رسول خدا محمد کی طرف سے ہے کسریٰ<br>شاہِ فارس کی جانب۔ اُس شخص پر سلامتی ہے جو<br>ہدایۃ کی پیروی کرے اور خدا اور اُس کے رسول پر ایمان<br>لائے اور اس بات کی گواہی دے کہ خدائے واحد کے سوائے<br>کوئی معبود نہیں (اور) اُس کا کوئی شریک نہیں اور نیز<br>اس بات کی گواہی دے کہ) محمد خدا کا بندہ اور اسکا رسول ہے<br>کسریٰ! میں تجکو داعیۂ خدا (یعنی کلمۂ توحید) کی طرف بلاتا ہوں<br>کیونکہ میں سب لوگوں کی طرف رسولِ خدا بنا کر بھیجا گیا ہوں |

| | |
|---|---|
| كَافَّةً لِّأُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ اَسْلِمْ تَسْلَمْ فَاِنْ اَبَيْتَ فَعَلَيْكَ اِثْمُ الْمَجُوْسِ ط (سیرۃ ابن ہشام) | (اور میرے بھیجے جانے کی غرض یہ ہے) کہ جو زندہ (دل) ہوں اُن کو (عذابِ خدا سے) ڈراؤں اور منکروں پر حجّتِ (الٰہی) قائم ہو۔ کسریٰ! اسلمان ہوجا کہ سلامت رہے گا اور اگر تو نے انکار کیا تو مجوس کا (جو تیری رعایا ہیں) وبالِ گناہ تجھ پر پڑے گا۔ |

یہ نامہ تیار ہوگیا تو پیغمبر صاحب نے عبد اللہ بن حذافہ سہمی کو دیا جو ایک معتمد اور متین صحابی تھے اور جو جاہلیۃ کے زمانے میں کسریٰ کے پاس اکثر آمد و رفت رکھتے تھے۔ عبد اللہ رضؓ کا بیان ہے کہ میں پیغمبر صاحب کا فرمان لے کر ایران پہونچا اور اجازۃ حاصل کرکے دربار میں گیا۔ مجھ سے آنے کا سبب پوچھا گیا تو میں نے کہا پیغمبرِ خدا کا فرمان لیکر آیا ہوں۔ کسریٰ نے اپنے معتمد کو حکم دیا کہ ایلچی سے خط لے آ۔ اُس نے مجھ سے خط مانگا میں نے کہا جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ اُن کا فرمان بجز بادشاہ کے اور کسی کے ہاتھ میں نہ دوں۔ اِس پر کسریٰ نے مجھے اندر بلایا اور میں نے آگے بڑھ کر خاص کسریٰ کے ہاتھ میں پیغمبر صاحب کا فرمان دیا۔ خسرو نے پیغمبر صاحب کا فرمان کھولا اور عنوان میں لکھا دیکھا من محمدؐ رسول اللہ الی کسریٰ عظیم فارس اِس عنوان کو دیکھتے ہی غصّے میں جھلا اُٹھا اور متکبرانہ لہجے میں بولا ہاں ہاں میرے نام سے پہلے دوسرے کا نام خط میں لکھا جانا انتہا درجے کی گستاخی اور سخت بے ادبی ہے۔ اِس شخص نے میرے دربار کی سخت توہین کی ہے اور میرے ساتھ نہایت بیجا مضحکہ کیا ہے یہ کہہ کر نہایۃ پیچ و تاب کے ساتھ خط کو بے پڑھے چاک کر ڈالا اور مجکو دھکّے دے کر دربار سے نکلوا دیا۔ میں جھٹ اپنے اونٹ پر سوار ہو مدینے واپس آیا اور پیغمبر صاحب سے تمام واقعہ بیان کیا آپ نے فرمایا خداوندا جس طرح خسرو نے میرے خط کو پارہ پارہ کیا ہے تو اُس کی سلطنۃ کو پارہ پارہ کر ڈال۔

اِدھر خسرو کا غصّہ فرو ہوا تو اُس نے کہا کوئی ہے جو اس ایلچی کو میرے پاس پکڑ لائے لیکن عبد اللہ بہت دور نکل گئے تھے خسرو کے آدمی اِدھر اُدھر دوڑے اور اُن کا کچھ پتہ نہ لگا۔ خسرو نے اُسی وقت یمن کے حاکم باذان کو حکم بھیجا کہ حجاز میں جس شخص نے نبوۃ کا دعویٰ کیا ہے اُس کو گرفتار کرکے فوراً میرے پاس بھیجدے اور اگر گرفتار کرنے میں تامّل ہو تو بے دھڑک قتل کر ڈال۔ باذان حاکمِ یمن نے خسرو کا حکم لینے دارو غہ کے ہاتھ پیغمبر صاحب کے پاس بھیجدیا اور ایک خاص معتمد اُس کے ساتھ روانہ کیا۔ یہ دونوں شخص طائف آئے اور یہاں ایک شخص سے پیغمبر صاحب کو دریافت کیا اُس نے کہا وہ مدینے میں موجود ہیں یہ دونوں مدینے پونہچ کر پیغمبر صاحب کی خدمۃ میں حاضر ہوئے اور خسرو کا خط دے کر کہا کہ شہنشاہِ فارس خسرو پرویز نے یہ خط حاکمِ یمن باذان کو بھیجا ہے لہٰذا باذان کی طرف سے ہم دونوں آدمی آپ کی خدمۃ میں حاضر ہوتے ہیں۔ پیغمبر صاحب نے اِن کو بیٹھنے کا حکم دیا۔ مجلسِ نبوی کی ہیبۃ اِن دونوں پر اِس قدر چھائی کہ اگر پیغمبر صاحب تھوڑی دیر بھی اِن کو مجلس سے نہ اُٹھائیں

تو اِن کے سب جوڑ بند الگ ہو جائیں۔ آپ نے اِن کا یہ اضطراب دیکھکر فرمایا کہ اچھا اب تو جاؤ کل آنا شب کو پیغمبر صاحب پر وحی نازل ہوئی کہ ۱۰ جمادی الاولےٰ سہ شنبہ منگل کی شب کو خسرو پرویز اپنے بیٹے شیرویہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ صبح کو یہ لوگ مجلسِ نبوی میں حاضر ہوئے تو پیغمبر صاحب نے فرمایا کہ جاؤ اپنے حاکم کو خبر دو کہ کل رات تمہارے بادشاہ کو اُس کے بیٹے نے قتل کر ڈالا اور قریب ہے کہ میرا دین اُس کے سارے ملک میں پھیل جائے۔ اگر تو اسلام قبول کرے گا تو جتنا ملک تیرے پاس ہے وہ سب تیرے ہی پاس رہے گا۔ حاکم یمن باذان کو پیغمبر صاحب کا یہ پیام پہنچا اور ساتھ ہی خسرو پرویز کے قتل کی خبر کی تصدیق ہوئی تو وہ اپنی رعایا سمیت مسلمان ہو گیا۔

## پیغمبر صاحب کا فرمان بادشاہ حبشہ نجاشی کی طرف

حبشے کا بادشاہ نجاشی مذہباً عیسائی تھا لیکن تھا منصف مزاج۔ پیغمبر صاحب نے عمرو بن امیہؓ ضمری کے ہاتھ اِس کو اپنا فرمان بھیجا جس کی عبارۃ یوں تھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم مِن مُحَمَّدٍ رَّسُولِ اللّٰہِ اِلَی النَّجَاشِیِّ مَلِکِ الْحَبَشَۃِ فَاِنِّیْ اَحْمَدُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُھَیْمِنُ وَاَشْھَدُ اَنَّ عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ رُوْحُ اللّٰہِ وَکَلِمَتُہٗ اَلْقَاھَا اِلٰی مَرْیَمَ الْبَتُوْلِ حَمَلَتْ بِعِیْسٰی مِنْ رُّوْحِہٖ وَنَفْخِہٖ کَمَا خَلَقَ اٰدَمَ بِیَدِہٖ وَاِنِّیْ اَدْعُوْکَ اِلَی اللّٰہِ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَنْ تَتْبَعَنِیْ وَتُؤْمِنَ بِالَّذِیْ جَآءَنِیْ فَاِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَاِنِّیْ اَدْعُوْکَ وَجُنُوْدَکَ اِلَی اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ وَقَدْ بَلَّغْتُ وَنَصَحْتُ فَاقْبَلُوْا نَصِیْحَتِیْ

شروع اللہ (کے نام) سے جو نہایت رحم والا مہربان (ہے) یہ نامہ خدا کے رُسول کی طرف سے ہے بادشاہ حبشہ نجاشی کی جانب۔ میں اُس خدا کی تعریف کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں (تمام جہان کا) بادشاہ پاک ذات (تمام) عیبوں سے بری امن دینے والا نگہبان۔ اور میں اِس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ مریم کے بیٹے عیسٰے خدا کے یہاں کی ایک روح تھی اور اُس کا حکم جو اُس نے مریم پارسا کی طرف کہلا بھیجا تھا تو وہ عیسٰے کے ساتھ خدا کی روح اور اُس کے پھونکنے سے حاملہ ہو گئیں جس طرح کہ آدم (بغیر واسطۂ ماں باپ کے صرف) اُس کی قدرت سے پیدا ہو گئے۔ اور (اے نجاشی) میں تجھکو خدائے واحد کی طرف بُلاتا ہوں جس کا کوئی شریک نہیں اور اِس بات کی طرف بُلاتا ہوں کہ میری پیروی کر اور جو چیز میں لیکر آیا ہوں اُس پر ایمان لا کیونکہ میں خدا کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں اور میں تجھکو اور تیرے لشکر کو خدائے بزرگ و برتر کی طرف بُلاتا ہوں بیشک میں نے تجھکو (حکم خدا) پہنچا دیا اور تیری خیر خواہی کی تو تم میری خیر خواہی قبول کرو۔

| | |
|---|---|
| والسلام علی من اتبع الھدیٰ ۵ (شفا قاضی) | اور سلامتی اُس کو جس نے ہدایتہ کی پیروی کی۔ |

عمرو بن اُمیّہ الضمری نے پیغمبر صاحب کا یہ فرمان نجاشی کو دیا تو وہ تواضعاً تخت سے نیچے اتر کھڑا ہوا اور فرمان کو سر پر رکھا آنکھوں سے لگایا پھر اُس کو پڑھتے ہی مسلمان ہوگیا۔ عمرو بن اُمیّہ کو بڑی خاطر مدارات سے مہمان رکھا اور پیغمبر صاحب کے فرمان کے جواب میں اس طرح خط لکھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۵
الی محمد رسول اللہ من النجاشی
السلام علیک یا نبی اللہ من اللہ
ورحمۃ اللہ وبرکات اللہ الذی
لا الٰہ الا ھو الذی ھدانی للاسلام
اما بعد فقد بلغنی کتابک یا رسول
اللہ فیما ذکرت من امر عیسیٰ
فورب السماء والارض ان عیسیٰ
لا یزید علی ما ذکرت وقد عرفنا
ما بعثت بہ الینا وقد قربنا
ابن عمک واصحابہ فاشھد
انک رسول صادق وبایعتک
وبایعت ابن عمک واسلمت
علی یدہ للہ رب العلمین
وان شئت اتیتک بنفسی
والسلام علیک
ورحمۃ اللہ
وبرکاتہ ۵
(شفا قاضی)

شروع اللہ (کے نام) سے (جو نہایت رحم والا مہربان (ہی) یہ خط رسول خدا محمد کی طرف (از) نجاشی کی جانب سے۔ اے خدا کے نبی تم پر خدا کی طرف سے سلامتی اور خدا کی رحمتہ اور خدا کی برکتیں ہوں جسکے سوا کوئی معبود نہیں (اور) جس نے مجھے اسلام کی ہدایتہ کی۔ اس کے بعد واضح ہو کہ اے رسول خدا آپ کا فرمان مجکو پونہچا جس میں آپ نے عیسیٰ کا تذکرہ کیا ہی میں آسمان و زمین کے پروردگار کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ عیسیٰؑ کے بارے میں جتنا کچھ آپ نے ذکر فرمایا ہی وہ اس سے زیادہ نہ تھے اور میں نے اُس چیز کو پہچان لیا جو آپ لے کر ہمارے پاس آئے ہیں اور اُس کی تقریب ہم کو آپ کے چچا زاد بھائی (جعفر بن ابی طالب) اور اُن کے ساتھیوں نے کی تو میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ (خدا کے) سچے پیغمبر ہیں اور میں نے آپ سے بیعۃ کی اور آپ کے چچا زاد بھائی سے بیعت کی اور اُنکے ہاتھ پر خدائے رب العالمین کے لئے اسلام لایا اور اگر آپ چاہیں تو میں خود آپ کی خدمتہ میں حاضر ہوں اور آپ پر سلامتی اور خدا کی رحمتہ اور اُس کی برکتیں نازل ہوں۔

نجاشی نے یہ خط تو عمرو بن اُمیّہ کو دیا اور عقب سے اپنے فرزند کو اور اس کے ساتھ ساتھ اور سرداروں کو حضرۃ جعفر بن ابی طالب کی ہمراہی میں پیغمبر صاحب کی خدمتہ میں روانہ کیا۔ اتفاق سے نجاشی کا بیٹا اور اُسکے ساتھوں

سردار دریا میں غرق ہوگئے۔ عمرو بن اُمیّہ اور جعفر بن ابی طالب پیغمبر صاحب کی خدمت میں پونہچے اور نجاشی کا جواب اور اُس کے مسلمان ہونے کی تمام کیفیت عرض کی۔ پیغمبر صاحب نے نجاشی کے حق میں دعا کی اور جب اُس کا انتقال ہوا تو اُس کے جنازے کی مدینے میں نماز پڑھی۔

# پیغمبر صاحب کا فرمان مصر و اسکندریہ کے فرمانروا مقوقس کے نام

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
مِنۡ مُحَمَّدٍ عَبۡدِ اللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ
اِلَی الۡمُقَوۡقِسِ عَظِیۡمِ الۡقِبۡطِ سَلَامٌ
عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الۡھُدٰی اَمَّا بَعۡدُ فَاِنِّیۡ
اَدۡعُوۡکَ بِدِعَایَۃِ الۡاِسۡلَامِ اَسۡلِمۡ
تَسۡلَمۡ وَاَسۡلِمۡ یُؤۡتِکَ اللّٰہُ اَجۡرَکَ
مَرَّتَیۡنِ فَاِنۡ تَوَلَّیۡتَ فَاِنَّمَا
عَلَیۡکَ اِثۡمُ الۡقِبۡطِ وَیٰۤاَھۡلَ
الۡکِتٰبِ تَعَالَوۡا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍۢ
بَیۡنَنَا وَبَیۡنَکُمۡ اَلَّا نَعۡبُدَ
اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشۡرِکَ بِہٖ شَیۡئًا
وَّلَا یَتَّخِذَ بَعۡضُنَا بَعۡضًا اَرۡبَابًا
مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُوۡلُوا
اشۡھَدُوۡا بِاَنَّا
مُسۡلِمُوۡنَ ۝

(سیرۃ ابن ہشام)

شروع اللہ (کے نام) سے (جو) نہایۃ رحم والا مہربان (ہے) یہ فرمان خدا کے بندے اور اُس کے پیغمبر کی طرف سے ہے بادشاہِ قبط مقوقس کے نام اُس پر سلامتی ہو جو ہدایۃ کی پیروی کرے اِس کے بعد معلوم ہو کہ میں تجکو (ای بادشاہِ قبط) ایک ایسی بات کی طرف بُلاتا ہوں جو داعیۂ اسلام ہے (یعنی کلمۂ توحید) تو مُسلمان ہوجا سلامت رہے گا اور تو اسلام لا خدا تجکو دوہرا دوہرا اجر دے گا اور اگر تو مونھ پھیرے گا تو (تیرے انکار کا وبال تو تجھ پر پڑے ہی گا) قبط کا وبال گناہ (بھی) تجھ پر پڑے گا اور ای اہلِ کتاب آؤ ایسی بات کی طرف (رجوع کرو) جو ہمارے اور تمہارے درمیان میں یکساں (مانی جاتی) ہے کہ خدا کے سوا کسی کی عبادۃ نہ کریں اور کسی چیز کو اُس کا شریک نہ ٹھیرائیں اور اللہ کے سوا ہم میں سے کوئی کسی کو (اپنا) مالک نہ سمجھے پھر اگر (ایسی سیدھی اور سچّی بات کے ماننے سے بھی) مونھ موڑیں تو (مسلمانو! ان لوگوں سے) کہہ دو کہ تم اِس بات کے گواہ رہو کہ ہم (تو ایک ہی خدا کو) مانتے ہیں۔

فرمان مرتّب ہوا تو پیغمبر صاحب نے صحابہ کی طرف روئے سخن کرکے فرمایا کہ میرا یہ فرمان مصر کے حکمران مقوقس کے پاس کون شخص لیجانا چاہتا ہے حاطب بن ابی بلتعہ اللخمی نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ میں لیجانا چاہتا ہوں پیغمبر صاحب نے فرمایا حاطب! خدا تجھے برکت دے اور دشمنوں پر تیری مدد فرمائے۔ حاطبؓ کہتے ہیں کہ میں نے پیغمبر صاحب کے دستِ مبارک سے نامہ لیا اور رخصت ہو کر گھر پونہچا اپنی اونٹنی پر کجاوہ رکھا اور گھر والوں سے مِل جُل کر روانہ ہوا مصر میں پونہچ کر معلوم ہوا کہ مقوقس اسکندریہ میں ہے۔ اسکندریہ گیا تو مجھے خبر پونہچی کہ وہ دربارِ دربار ...

کھیلنے گیا ہوا ہی۔میں ایک کشتی میں سوار ہو کر دریا پار پہونچا اور مقوقس کی مجلس میں داخل ہو کر بیان کیا کہ میں رسُول عربی کا قاصد ہوں اور اُن کا فرمان لے کر آیا ہوں۔مقوقس نے مجھے اپنے پاس بُلا لیا اور فرمان لے کر پڑھنا شروع کیا۔فرمان پڑھ چکا تو مجھ سے مخاطب ہو کر بولا کہ اگر یہ شخص نبی ہی تو جن لوگوں نے اِس کی مخالفۃ کی اور اس کو جلا وطن کیا اُن کے حق میں بد دعا کیوں نہیں کرتا۔میں نے کہا آپکو اِس بات کا ضرور اعتراف ہی کہ مریم کے بیٹے عیسٰی مسیح خدا کے رسُول ہیں۔مقوقس بولا کیوں نہیں۔میں نے کہا تو جب اُن کی قوم نے اُن کو ایذائیں دیں یہاں تک کہ سُولی پر چڑھا دیا تو اُنھوں نے اپنی قوم کے لئے بد دعا کیوں نہیں کی۔مقوقس نے کہا حاطب! تم نے بہت اچھا جواب دیا۔بے شک تم نہایۃ دانشمند ہو اور ایک بڑے دانشمند کے قاصد بن کر آئے ہو۔حاطب رضؓ کہتے ہیں اس کے بعد مقوقس مجھے خلوۃ میں لے گیا اور بہت سی باتیں کیں اور یہ بھی کہا کہ حاطب! جو اوصاف تُو نے بیان کئے وہ سب اسی پیغمبر کے ہیں جس کے آنے کی خبر حضرۃ عیسٰے علیہ السلام نے دی ہی۔یہ ایسی باتوں کا حکم کرتا ہی جن کو عقلِ سلیم بیچون و چرا تسلیم کرتی ہی۔یہ نقصان پہونچانے والا ساحر اور جھوٹا کاہن نہیں ہی۔میں اس میں علاماتِ نبوۃ پاتا ہوں۔یہ بے شک سب پر غالب آئے گا اور اِس کے اصحاب اس ملک کو فتح کریں گے۔میں اس بارے میں غور کروں گا اور جیسا کچھ معلوم ہوگا عقبت لکھوں گا۔یہ کہہ کر مقوقس نے پیغمبر صاحب کے فرمان کو ہاتی دانت کے ایک ڈبے میں رکھا اور اُس پر مُہر لگا کر اپنی ایک لونڈی کے حوالے کیا۔پھر کاتب کو بُلا کر پیغمبر صاحب کے فرمان کا جواب اِس طرح لکھوایا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
لِمُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ مِنَ الْمُقَوْقِسِ عَظِيْمِ
الْقِبْطِ سَلَامٌ عَلَيْكَ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ
قَرَأْتُ كِتَابَكَ وَفَهِمْتُ مَا ذَكَرْتَ
فِيْهِ وَمَا تَدْعُوْا اِلَيْهِ وَقَدْ عَلِمْتُ
اَنَّ نَبِيًّا قَدْ بَقِيَ وَقَدْ كُنْتُ اَظُنُّ
اَنَّهٗ يَخْرُجُ بِالشَّامِ وَقَدْ اَكْرَمْتُ
رَسُوْلَكَ وَالسَّلَامُ
عَلَيْكَ

(شفاء قاضی)

شروع اللہ (کے نام) سے (جو) نہایۃ رحم والا مہربان (ہی) یہ خط محمد بن عبد اللہ کی طرف ہی بادشاہ قبط مقوقس کا اس کے بعد واضح ہو کہ میں نے آپ کا خط پڑھا اور جو اُس میں آپ نے مذکور کیا تھا اور جس چیز کی طرف آپ بلاتے ہیں سب کو سمجھا بوجھا بے شک مجھے یقین تھا کہ ایک خاتم النبیین پیغمبر آنے والا ہی مگر میرا خیال تھا کہ وہ سرزمینِ شام میں ہوگا۔میں نے آپ کے قاصد کی عزۃ کی (یعنی اُس کو اور اُس کے ہاتھ آپ کو اپنے یہاں کی عمدہ چیزیں بطور تحفہ پیش کیں) اور آپ پر سلامتی ہو۔

مقوقس نے خط بند کر کے حاطب رضؓ کے حوالے کیا اور سو مثقال سونا اور پانچ خلعتی پارچے خاص حاطب رضی اللہ عنہ کو اور چار تُرکی لونڈیاں ایک خواجہ سرا ایک سفید خچر جس کا نام دُلدُل تھا ایک گدھا جس کا نام عفیر یا یعفور تھا بیش مصری بیش قیمت پارچے کچھ شہد ہزار مثقال سونا یہ سب چیزیں پیغمبر صاحب کے لئے پیش کیں لونڈیوں

میں ایک ماریہ قبطیہ تھیں اور ایک ان کی بہن سیرین اور ایک کا نام بریرہ تھا اور ایک کا قیس۔ ماریہ قبطیہ کو پیغمبر صاحب نے اپنی خدمت میں رکھا جن کے بطن سے ابراہیم بن رسول اللہ پیدا ہوئے اور آپ کے حینِ حیاۃ حالتِ رضاعت میں انتقال بھی کر گئے اور سیرین کو حسان بن ثابت کو دے دیا جس سے عبدالرحمٰن مشہور صحابی پیدا ہوئے۔ بریرہ۔ ابوجہم بن حذیفۃ العدوی کو دی گئی جس سے زکریا نام ایک ہونہار لڑکا پیدا ہوا اور آگے چل کر عامل مصر عمرو بن العاص رضؓ کا خلیفہ اور جانشین قرار دیا گیا۔

خواجہ سرا کا نام مابور تھا اس نے بھی پیغمبر صاحب کی خدمت کا شرف حاصل کیا۔ مگر چند روز کے بعد لوگوں نے اسے ماریہ کے ساتھ متہم کیا اور پیغمبر صاحب نے حضرۃ علی رضؓ کو حکم فرمایا کہ اگر تہمتِ زنا مابور پر ثابت ہو تو اُسے قتل کر دو علی کرم اللہ وجہہ نے جہاں تک تحقیق کیا مابور کو جرمِ زنا سے پاک صاف پایا اور پیغمبر صاحب سے عرض کیا کہ مابور بھلا آدمی ہے وہ جرمِ زنا کا مرتکب نہیں ہوا ماریہ قبطیہ ۸ سنہ ہجری کو مدینے آئیں اور آٹھ برس بعد ۱۶ سنہ ہجری میں امیر المومنین حضرۃ عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں وفات پا گئیں۔ عمر رضؓ نے ان کی وفات کی خبر سنی تو خود تمام صحابہ اور تابعین کو ان کے جنازے میں شریک ہونے کے لئے بلاتے اور جمع کرتے پھرے یہاں تک کہ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو حضرت عمر رضؓ نے ان کے جنازے کی نماز پڑھائی۔

ہماری اس کتاب کا موضوع تو صرف ماریہ قبطیہ کا مذکور تھا مگر چونکہ ماریہ قبطیہ کے مذکور کا اکثر حصہ حاکم مصر مقوقس کے بیان سے متعلق تھا اور اس کے ضمن میں پیغمبر صاحب کے اُس فرمان کا بھی مذکور تھا جو آپ نے بغرض تبلیغ رسالت مقوقس کو لکھا اس سلسلے میں ہم کو چند دہ فرمان بھی نقل کرنے پڑے جو مقوقس کے علاوہ اسی موقع پر دوسرے تاجداروں کو لکھے گئے۔

پیغمبر صاحب کے جو فرمان ہم اوپر نقل کر آئے ہیں اگرچہ ان کے سوائے چھ اَور فرمان بھی ہیں جو حاکم بحرین منذر بن ساوی التمیمی (در شاہ عمان) اور حاکم یمامہ وغیرہم کو لکھے گئے ہیں لیکن اُن کا مذکور چونکہ ہمارے مبحث سے تعلق نہیں رکھتا اس لئے قلم انداز کئے جاتے ہیں۔

پیغمبر صاحب کی دوسری لونڈی کا نام ریحانہ بنت شمعون بن زید بن قنامہ ہے۔ یہ یہود کے ایک مشہور قبیلے بنی قریظہ کے معزز سردار کی بیٹی تھی، لڑائی میں قید ہو کر آئی۔ پیغمبر صاحب کے سامنے پیش کی گئی تو آپ نے اس پر اسلام پیش کیا۔ اس نے کہا ابھی مجکو اپنے حال پر رہنے دیجئے۔ پیغمبر صاحب کو اس کا یہ جواب ناگوار معلوم ہوا اور آپ اُس مجلس سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ پیچھے سے ایک شخص کی جوتیوں کی چاپ سُنائی دی۔ پیغمبر صاحب نے صحابہ سے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ دیکھو ثعلبہ بن سعید کس قدر تیز چلا آ رہا ہے معلوم ہوتا ہے کہ ریحانہ کے مسلمان ہونے کی خوش خبری لایا ہے چنانچہ ثعلبہ نے قریب آکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ریحانہ نے اسلام قبول کر لیا۔

ایک اور مرتبہ پیغمبر صاحب نے ریحانہ سے کہا کہ اگر تم پسند کرو تو میں تم سے نکاح کرلوں اور جس طرح اور بیبیوں کے لئے پردہ کیا جاتا ہے تمہارے لئے بھی پردہ کیا جائے۔ ریحانہ نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اپنی لونڈیوں ہی کے زمرے میں رہنے دیجئے کہ اس میں میرے اور آپ کے دونوں کے لئے آسانی ہے۔ میں اپنے میں وہ قابلیتہ نہیں پاتی جس کی وجہ سے آپ کی ازواج کے زمرے میں شامل ہوسکوں۔ پیغمبر صاحب نے ریحانہ کے اس جواب کو بہت پسند فرمایا اور ان کو ان ہی کی حالتہ پر رہنے دیا۔

ان کا انتقال پیغمبر صاحب کے حینِ حیاۃ سنہ ۱۰ ہجری میں ہوا جب کہ جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے سفر سے مدینے واپس تشریف لا رہے تھے۔ فقط



# ضمیمہ

# مَا يُبَرِّاُ اُمَّهَاتُ الْاُمَّة

# مِمَّا اَوْرَدَ عَلَيْهِ فِي كَشْفِ الْغُمَّة

## یہ وہ جوابات ہیں جو اُمہات الامۃ کو اُن اعتراضات سے پاک کر دیتے ہیں

## جو کشف الغمہ میں اُمہات الامہ پر وارد کئے گئے تھے

**عبارت اُمہات الامۃ:۔** پیغمبر صاحب۔

**اعتراض صاحب کشف الغمہ:۔** یہ اکثر غیر مذاہب کا محاورہ ہے۔ ڈپٹی صاحب کمیٹی کے ممبر صاحب لالہ صاحب میں اور اس میں فرق کیا ہے۔ کچھ بھی نہیں۔

**جواب صاحب احسن التفاسیر:۔** اُمہات الامۃ کوڑ گانوے کے ایک پادری کے جواب میں لکھی گئی ہے اس واسطے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک اُسی قدر عظمت سے لکھا گیا ہے جس قدر عظمت مسلم الطرفین ہے تاکہ زیادہ عظمت سے آپ کا نام لکھنے سے کسی پادری کو آپ کی نسبت کسی طرح کی بدگوئی کا جوش پیدا نہ ہو ورنہ مولف اُمہات الامۃ کا اعتقاد تو صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی نسبت بھی جیسا ہے۔ اُس کا حال اُمہات الامۃ کے صفحہ ۱۱۲ کے دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔ چنانچہ مولف مذکور نے اُس صفحہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور حضرت عمر فاروق رضؓ کی خلافت کے حال میں لکھا ہے کہ ابوبکر رضؓ اور عمر رضؓ کی دو خلافتیں تو اس قابل ہیں کہ اسلام کی تاریخ میں ان کے حالات چاندی اور سونے کے حرفوں میں لکھے جائیں۔ اور حدیث نبوی کی نسبت مولف مذکور کا جو اعتقاد ہے اُس کا اظہار صفحہ ۲۱۔ اُمہات الامہ میں مشار الیہ نے یوں کیا ہے "ہمکو بھی پیغمبر صاحب کی باتوں میں مزا آتا ہے۔ اسی کو ہم اپنا ایمان اور اسی کو ہم اپنا اسلام اور اسی کو ہم اپنا عمل سمجھتے ہیں اور اسی کے بھروسے پر نجاۃ اخروی کی آس لگائے بیٹھے ہیں"

صاحب کشف الغمہ کا یہ خیال کہ لفظ صاحب کے استعمال سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیر اہل کمیٹی کے ممبر کی توقیر کے مساوی ٹھہر جاتی ہے۔ بالکل ایک غلط خیال ہے کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں کئی جگہ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو لفظ صاحب کا مخاطب ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ سورۃ السبا میں

وَمَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ اور سورۃ والنجم میں فرمایا مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی اور سورۃ التکویر میں فرمایا وَمَا صَاحِبُکُمْ بِمَجْنُوْنٍ۔

عبارت اُمہات الامۃ صفحہ ۳۰:- ہم کو اُمہات المومنین کے لحاظ سے بھی پیغمبر صاحب کے نکاحوں پر نظر کرنی چاہیئے کہ کہیں یہاں پانی تو نہیں مرتا ہو۔ الخ

اعتراض صاحب کشف الغمہ:- شریفانہ بول چال کے علاوہ آپ کو حضور اقدس نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ کی نسبت پانی مرنے کا بھی احتمال ہے معاذ اللہ مسلمان ہو اور اُسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت میں شبہ بھی ہو۔

جواب صاحب احسن التفاسیر:- اُمہات المومنین کی نسبت مولف اُمہات الامۃ کا جو اعتقاد ہے اُس کا اظہار مومی الیہ نے صفحہ (۲۰) اُمہات الامۃ میں یوں کیا ہے جس طرح پیغمبر صاحب اسلام کے آگے کبھی دنیاوی خواہش کی چنداں پرواہ نہیں کرتے تھے یہی حال کل اُمہات المومنین کا تھا۔ کہ پیغمبر صاحب کی ہم بستری کے آگے اُن کی سب خواہشیں مغلوب تھیں۔ پانی مرنے کا لفظ تو نکال لیا گیا مگر یہاں اتنی صراحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ اس اعتراض کے وقت صاحب کشف الغمہ نے اُمہات الامۃ کی اگلی پچھلی عبارت کو غور سے نہیں دیکھا ورنہ یہ فرضی اعتراض پیدا نہ ہوتا۔ مولف اُمہات الامۃ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرۃ ازدواج کے ذکر میں پہلے تو یہ لکھا کہ پیغمبر صاحب نے جو بی بی کی اسلام کا مفاد مدنظر رکھ کر کی۔ پھر یہ لکھا کہ ہم نے اب تک پیغمبر صاحب کی تکثیر ازدواج کے متعلق جو کچھ لکھا پیغمبر صاحب کی طرف سے لکھا کہ اُن کی مناکحۃ میں غرض اولین پاسداری اسلام ہوتی تھی۔ اِس کے بعد یہ لکھا کہ ہم کو اُمہات المومنین کے لحاظ سے بھی پیغمبر صاحب کے نکاحوں پر نظر کرنی چاہیئے کہ کہیں یہاں پانی تو نہیں مرتا ہو۔ پھر اس کے بعد یہ لکھا کہ جس طرح پیغمبر صاحب سلام کے آگے کبھی دنیاوی خواہش کی چنداں پروا نہیں کرتے تھے یہی حال کل اُمہات المومنین کا تھا کہ پیغمبر صاحب کی ہم بستری کے آگے اُن کی سب خواہشیں مغلوب تھیں۔ پھر صفحہ ۲۳ میں اس ساری بحث کا نتیجہ نکالا ہے کہ جو بات تفتیش حالات سے ہم کو ثابت ہوئی وہ یہ ہے کہ پیغمبر صاحب اور اُمہات المومنین فریقین کو نکاح میں مذہبی غرض زیادہ تر مقصود تھی۔ پیغمبر صاحب کو اسلام کی تقویتہ اور اُمہات المومنین کو شرف ہم بستری پیغمبر۔ حاصل کلام یہ ہے کہ صاحب کشف الغمہ کا یہ خیال غلط ہے کہ مولف اُمہات الامۃ نے پانی مرنے کا لفظ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت استعمال کیا ہے۔ اور جب جس خیال غلط کی بناء پر مولف کشف الغمہ نے اعتراض کیا تھا وہ خیال ہی قائم نہیں رہا۔ تو وہ اعتراض بھی واپس لینے کے قابل ہے۔

عبارت اُمہات الامۃ صفحہ ۸۲:- خدیجہ زندہ ہوتیں تو پیغمبر صاحب پر اُن کی خدمات کا دباؤ ایسا تھا کہ تکثیر ازدواج کی نوبت نہ آتی۔ اور بفرض محال آتی بھی تو ان کے آگے ایک عائشہ نہیں دس عائشہ کی دال نہ گلتی۔ الخ

**اعتراض صاحب کشف الغمہ:**۔ سبحان اللہ کیا گفتگو ہے اور کس کی جناب میں! مگر یہ فرمایئے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی حق معاملہ میں کسی کا دباؤ پڑتا تھا تو وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی کیا تھا؟ خدا جانے آپکو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کیا عداوت ہے۔ کہ جن کی دال کو خواہ مخواہ بگھار کہنا چاہتے ہیں دال گلنا ایسے مقام پر استعمال کیا جاتا ہے کہ جہاں کوئی اپنا کام زور سے برخلاف دوسرے کی مرضی کے نکالنا چاہے۔

**جواب صاحب احسن التفاسیر:**۔ اِصَابَہ فِی تَمِیْنِ الصَّحَابَہ اور اُسْدُ الْغَابَہ فِی مَعْرِفَۃِ الصَّحَابَہ میں حضرت عائشہ رضہ سے جو روایتیں ہیں اُس کا حاصل یہ ہے کہ ایک دن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ مرحومہ رضہ کو یاد کرکے مرحومہ کی بہت تعریف کی حضرت عائشہ رضہ کہتی ہیں کہ اس پر میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضرت خدیجہ رضہ ایک عمر رسیدہ بی بی تھیں چنانچہ وہ نکاح کے وقت آپ سے پندرہ برس بڑی تھیں آپ کو تو اللہ تعالیٰ نے اُن سے بہتر اور بیبیاں دی ہیں۔ پھر آپ حضرت خدیجہ رضہ کو یاد کرکے کیوں رنج کرتے ہیں۔ میری یہ بات سُنکر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت غصہ آیا۔ اور آپ نے فرمایا خدیجہ مرحومہ کی جو باتیں مجھے یاد ہیں اُن سے میں کہہ سکتا ہوں کہ موجودہ بیبیوں میں کوئی بی بی خدیجہ مرحومہ کی مثل نہیں ہے۔ اِن روایتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر حضرت خدیجہ رضہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات تک زندہ رہتیں تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کوئی دوسرا نکاح نہ کرتے تاکہ سوکن کے آنے سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی دلشکنی نہ ہو۔ حاصل یہ ہے کہ شورشی الفاظ تو ختم کر لئے گئے مگر اصلی واقعہ کہ حضرت خدیجہ کی حیاۃ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دوسرا نکاح نہ کرتے حضرت عائشہ رضہ کی روایت متذکرہ بالا کے موافق ایک صحیح واقعہ ہے شاید مولف کشف الغمہ نے اعتراض کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت کو نہیں دیکھا اور جب اصل واقعہ صحیح ہے تو صاحب کشف الغمہ کا اعتراض بھی قابل واپسی ہے۔

**عبارت اُمہات الامہ صفحہ ۸۹:**۔ آخر پیغمبر صاحب نے مجبور ہو کر مسلمانوں کی دوسری کھیپ نجاشی کی طرف روانہ کی اور پہلی کھیپ ملا کر اب نجاشی کے یہاں عورتوں اور بچوں کے علاوہ بیاسی مسلمان جمع ہو گئے۔

**اعتراض صاحب کشف الغمہ:**۔ آپ مہاجرین اولین کو کھیپ سے تعبیر کرتے ہیں حالانکہ گدھوں کی کھیپ بیلوں کی کھیپ چھکڑوں کی کھیپ ہوا کرتی ہے۔ شرفاء قریش اور وہ اول ایمان لانے والے انکو کھیپ سے تعبیر کرنا؟

**جواب صاحب احسن التفاسیر:**۔ مکہ سے حبشہ تک کے سفر میں کشتی کا بھی سفر ہے اور کشتی کی بھرتی میں جس قدر آدمی سما دیں اُنکو کشتی کی بھرتی اور کھیپ کہتے ہیں اس وجہ سے کھیپ کے وہ توہینی معنے لینے لازمی نہیں جو صاحب کشف الغمہ نے لئے ہیں۔

**عبارت اُمہات الامہ صفحہ ۱۰۷:**۔ اِدھر فاطمہ ایک سیر کی تھیں کہ مرتے مر گئیں اور اپنی آن نہ چھوڑی تو عائشہ سوا سیر کی۔ فاطمہ جوان مرگ مر گئی علی کا گھمنڈ فاطمہ کے مرنے سے کرکرا ہو گیا۔ الخ

**اعتراض صاحب کشف الغمہ:**۔ توبہ توبہ اِن بزرگوں کا کس ارذل پیرایہ سے ذکر کر رہے ہیں۔ یہ سیر اور سوا سیر

اور گھمنڈ اور کرکرا اور مرگئی آن نہ چھوڑی"۔ اگر کھاری باولی کے پلّہ دارونکا محاورہ نہیں تو اور کیا۔ اب ناظرین غور کرسکتے ہیں کہ حضرت فاطمہ زہرا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ جو اسلامی روایات سے قطعی جنتی تھے وہ ایسے ضدی اور ہٹیلے بحضرت کے نزدیک وہ کمیٹی کی ممبری برابری نہیں انکو تو صاحب کے لفظ سے یاد کیا جاتا ہو اور انکی یہ بیبیاں۔

جواب صاحب احسن التفاسیر:- اُمہات الامہ کی جس عبارت پر مولف کشف الغمہ نے اعتراض کیا ہو اُس میں تین قصے ہیں (۱) حضرت فاطمہ رضہ کا مرتے دم تک اپنی آن کو نہ چھوڑنا (۲) حضرت عائشہ رضہ حضرت علی رضہ پر فوج کشی کرنا (۳) حضرت فاطمہ رضہ کی وفات کے بعد صحابہ کے دلوں میں حضرت علی رضہ کی وقعت کا کم ہو جانا ان قصوں میں سے پہلا اور تیسرا قصہ تو صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضہ کی اُس روایت سے جس کے مختصر الفاظ ذیل میں لکھے جاتے ہیں۔ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْسَلَتْ اِلٰى اَبِيْ بَكْرٍ تَسْئَلُهُ مِيْرَاثَهَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَبٰى اَبُوْبَكْرٍ اَنْ يَدْفَعَ اِلٰى فَاطِمَةَ مِنْهَا شَيْئًا فَوَجَدَتْ فَاطِمَةُ عَلٰى اَبِيْ بَكْرٍ فِيْ ذٰلِكَ فَهَجَرَتْهُ فَلَمْ تُكَلِّمْهُ حَتّٰى تُوُفِّيَتْ وَعَاشَتْ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتَّةَ اَشْهُرٍ وَكَانَ لِعَلِيٍّ مِّنَ النَّاسِ وَجْهٌ حَيَاةَ فَاطِمَةَ فَلَمَّا تُوُفِّيَتْ اِسْتَنْكَرَ عَلِيٌّ وُجُوْهَ النَّاسِ

رہا دوسرا قصہ یہ حضرت علی رضہ اور حضرت عائشہ رضہ کی اُس لڑائی کا قصہ ہو جو جنگ جمل کے نام سے مشہور ہے اور صحیح بخاری کی کتاب الفتن اور اُس کی شرح فتح الباری میں تفصیل سے موجود ہے جس کا بیان کرنا موجب طوالت ہو حاصل یہ ہو کہ اُمہات الامہ کی عبارت معترض علیہ میں جن تین قصوں کا ذکر ہو اُن قصوں کے صحیح ہونے کا تمام امتہ محمدیہ کو اس طرح اقرار ہو جس طرح صحیح بخاری کی روایتوں کے صحیح ہونے کا تمام اُمتہ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اقرار ہو۔

عبارت اُمہات الامہ صفحہ ۱۰۷:- ہمارے مُلک میں عورتوں کا ایک طبعی خاصہ تریاہٹ اور تریا ہٹ ہی مانا گیا ہو تو وہی بات ہم فاطمہ اور عائشہ میں بھی پاتے ہیں۔ الخ

اعتراض صاحب کشف الغمہ:- اس سے بڑھکر ایسی برگزیدہ بیبیوں کی نسبت کہ جن کی قرآن اور احادیث مدح کرتے ہیں اور کیا گالیاں ہوسکتی ہیں قرآن مجید میں ہے۔ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا

لہ حضرت عائشہ رضہ سے روایت ہو کہ حضرت فاطمہ رضہ نے حضرت ابو بکر رضہ کے پاس ایک آدمی بھیجا اور یہ کہلا بھیجا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مال میں سے میرا حصہ دیدو۔ حضرت ابو بکر صدیق رضہ نے حصہ کے دینے سے انکار کیا۔ اُس پر حضرت فاطمہ رضہ حضرت ابو بکر صدیق رضہ سے خفا ہوگئیں اور اُن سے ملنا جلنا چھوڑ دیا۔ اور وفات کی تاریخ تک اُن سے بات نہیں کی حالانکہ حضرت فاطمہ رضہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چھ مہینہ زندہ رہیں اور حضرت فاطمہ رضہ کی وفات تک جو مروت صحابہ رضہ کے دل میں حضرت علی رضہ کی طرف سے تھی۔ حضرت فاطمہ رضہ کی وفات کے بعد وہ مروت صحابہ رضہ کے دلوں میں باقی نہیں رہی۔

کہ اے اہل بیت (نبی کے گھروالو) خدا تمہاری ناپاکی دور کرنا اور تم کو پاک صاف کرنا چاہتا ہے"۔ بیوی اور بیٹی سے زیادہ اور کون اہل بیت (گھروالا) ہو سکتا ہے۔ تریا ہٹ اور تریا چرتر سے زیادہ اخلاق عادات میں کیا ناپاکی ہو سکتی ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ سَیِّدَۃُ النِّسَاءِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ فَاطِمَۃ کہ سب بہشت کی عورتوں کی سردار فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ کی نسبت فرمایا کہ عائشہ کی فضیلت سب عورتوں پر ایسی ہے جیسا کہ ثرید کی تمام کھانوں پر۔ اور یہ ہی دنیا اور آخرت میں میری بیوی ہیں۔ اور صدہا احادیث اُن کے فضائل میں وارد ہیں۔ تریا چرتر کے لفظ کا استعمال ایسی عورتوں پر ہوا کرتا ہے معمولی آدمی کی بیوی بیٹی کو بھی اگر اس لفظ سے مخاطب کیا جائے تو خون خرابہ ہو جائے۔

جواب صاحب احسن التفاسیر:- صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بہ نسبت اور بیبیوں کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب رضؓ کے حجرے میں بہت بیٹھا کرتے اور حضرت زینب رضؓ آپ کو شہد دیا کرتی تھیں اُس کو آپ چاٹ لیا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضؓ کو آپ کا یہ حضرت زینب رضؓ کے پاس کا زیادہ بیٹھنا ناگوار گزرا اس واسطے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے اور حضرت حفصہ رضؓ نے ملکر یہ مشورہ کیا کہ اب کی دفعہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب رضؓ کے پاس سے آویں تو میں اور تم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہیں کہ آپ کے منہ میں بدبو کی چیز کی بو آتی ہے چنانچہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ہم دونوں نے وہی بات اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی جس کا ہم دونوں نے مشورہ کیا تھا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ بات سُنکر حضرت زینب رضؓ کے پاس زیادہ بیٹھنے کی قسم کھائی اور سبب سورۃ التحریم کی خفگی کی آیتیں نازل ہوئیں اور ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عائشہ رضؓ اور حفصہ رضؓ نے جو بات اپنے دل سے بنائی تھی۔ ایسی باتوں سے آئندہ ان دونوں کو توبہ کرنی چاہیئے حاصل کلام یہ ہے کہ سوکنا پہ اور سوتیلے رشتہ میں جو باتیں آجکل عورتوں میں ہیں۔ اُمہات المومنین رضؓ میں ان باتوں کے پائے جانے سے صاحب کشف الغمہ کی سمجھ کے طور پر انکار کرنا تو قرآن شریف کی آیتوں سے انکار کرنا ہے یہ بات اور ہے کہ ایسی باتوں کا ترجمہ اُمہات الامہؓ میں تریا چرتر سے جو کیا گیا تھا اُسکو باعثِ شورش خیال کیا جائے۔

عبارت اُمہات الامہ صفحہ ۱۰۸:- پیغمبر صاحب نے عائشہ کے متعلق چرتر کی طرف اشارہ کیا۔ زلیخا کا چرتر تو قرآن سے معلوم کر سکتے ہو۔ عائشہ کا چرتر یہ تھا کہ وہ دل سے تو باپ کی امامت چاہتی تھیں۔ اور اُس وقت ظاہر میں تو باپ کو نااہل امامت بتایا مگر بات ایسی کہی جس سے ظاہر ہوا کہ ابوبکر سے بڑھکر پیغمبر صاحب کا کوئی ہوا خواہ نہیں۔ اس کے یہ معنے کہ ابوبکر سے بڑھ کر کسی کو امامت اور خلافت کا استحقاق نہیں اسی کو ہم چرتر کہتے ہیں۔ اور پیغمبر صاحب نے عائشہ کو زلیخا سے تشبیہ دی۔ الخ

اعتراض صاحب کشف الغمہ:- نازم بریں فہم! جب تمہیں قرآن اور احادیث سمجھنے کا مادہ ہی نہیں تھا تو تمہیں

کتاب لکھنے کو کس نے کہا تھا؟ روپیہ کے لالچ اور تجارت کی ہوس نے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کے نہ مطلق چرتر کی طرف اشارہ کیا۔ نہ مقید چرتر کی طرف۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے جو اپنے باپ کے امام ہونے سے عذر کیا اس کی وجہ وہ خود ارشاد فرماتی ہیں کہ میرا دل نہیں چاہتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کا نام بھی سنوں اور خاص اپنے باپ کی نسبت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مفارقت کے خیال سے لوگوں میں ناگوار ہونے کا خیال تھا اس میں چرتر کی کونسی بات تھی تمام صحابہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زیادہ ہوا خواہ سمجھتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ کو ہرگز زلیخا سے تشبیہ نہیں دی بلکہ انتن جمع کا صیغہ فرمایا زلیخا کا قرآن میں ذکر تک بھی نہیں۔ نہ خود قرآن نے زوجہ عزیز مصر کی مکاری بتائی ہے۔ بلکہ عزیز مصر کا قول نقل کیا ہے۔ قال انہ من کیدکن ان کیدکن عظیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ازواج مطہرات یا حاضرین عورتوں کو ان کن لصواحب یوسف فرمایا تشبیہ ہے اور تشبیہ میں یہ کوئی ضرورت نہیں کہ مشبہ بہ کی تمام باتیں ہوں۔ کھیر کو سفیدی میں بگلے سے تشبیہ دینے سے کسی خوش فہم نے یہ بھی سمجھ لیا کہ کھیر بھی بگلے کی گردن کی طرح ٹیڑھی ہے، جب تو اندھے نے کھانے سے انکار کیا تھا۔

چونکہ حضرت ابو بکر رضؓ کو امامت کے لئے ارشاد نبوی آپ عائشہ صدیقہ رضؓ نے اُن کی رقتِ قلبی کا خیال کر کے با اور خیال سے جیسا کہ اوپر گزرا بجائے ان کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو امامت کے لئے کہا تھا یہ بات ارشاد نبوی کے خلاف تھی اس پر آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ناخوش ہو کر غلط کاری میں یوسف والیاں فرمادینا ایک معمولی بات ہے۔ زلیخا کو مکارہ اور چرتر باز بنانا پھر اس مجمع میں سے خاص حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کو مشبہ بہ سمجھ کر چرتر بازنی کا خطاب دینا ایک صریح بد فہمی اور تنکے کا پہاڑ بنا کر دکھانا ہے جو سوءِ عقیدت ہے۔

**جواب صاحب احسن التفاسیر:-** صحیح بخاری میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضؓ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری بیماری کے زمانہ میں ایک دن حضرت علی رضؓ حضرت عائشہ رضؓ کے حجرہ کے باہر نکلے تو صحابہ نے اُن سے پوچھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اب کس طرح ہیں حضرت علی رضؓ نے جواب دیا اللہ کا شکر ہے اب بہ نسبت پہلے کے اچھے ہیں۔ اتنے میں حضرت عباس رضؓ بھی وہاں آ گئے اُنھوں نے حضرت علی رضؓ سے کہا میں عبد المطلب کے کنبے کے لوگوں کا موت کے وقت کا چہرہ خوب پہچانتا ہوں جس سے میں کہہ سکتا ہوں کہ اس مرض میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو جائیگی خلافت کے باب میں اس وقت پوچھ لینا چاہیئے۔ اُس وقت تو حضرت علی رضؓ نے انکار کر دیا لیکن فتح الباری شرح صحیح بخاری میں جو صحیح روایتیں ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت علی رضؓ یہ کہا کرتے تھے کہ اگر میں حضرت عباس رضؓ کا کہنا مان لیتا تو کیا اچھا ہوتا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ان روایتوں کے موافق جس طرح حضرت عباس رضؓ اور حضرت علی رضؓ کے دل میں خلافت کا خیال تھا

اسی طرح حضرت عائشہ رضہ کے دل میں بھی اپنے باپ کی خلافت کا خیال ہو صاحب کشف الغمہ نے معلوم نہیں اس خیال کو بُرا کیوں سمجھا، شاید بخاری کی متذکرہ بالا روایت مشارالیہ کی نظر سے نہیں گزری۔

مولف کشف الغمہ نے یہ جو لکھا ہے کہ زلیخا کا قرآن شریف میں ذکر تک بھی نہیں شاید وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا سے وَأَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَى الْبَابِ تک قرآن کی آیتیں مشارالیہ کی نظر سے نہیں گزریں اب ان آیتوں کو پڑھنا اور اپنے اس اعتراض کو واپس لینا مشارالیہ کے انصاف پر منحصر ہے۔

صحیح بخاری ومسلم میں ابو موسیٰ اشعری رضہ سے جو روایت ہے اُس کا حاصل یہ ہے کہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض میں ایسی شدت ہوئی کہ آپ مسجد میں نہیں جا سکے تو آپ نے حضرت عائشہ رضہ سے فرمایا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضہ سے کہدینا چاہیئے کہ وہ مسجد میں جاکر امامت کریں، حضرت عائشہ رضہ کہتی ہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سُنکر میں نے یہ عرض کیا کہ ابو بکر صدیق رضہ بہت نرم دل ہیں آپ کی جگہ کھڑے ہوکر اُن پر ایسی رقت طاری ہو جاویگی کہ وہ امامت نہیں کر سکیں گے اُس پر آپ نے فرمایا فَإِنَّكُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ نہایہ اور مجمع البحار لغات حدیث کی نہایت معتبر کتابوں میں حدیث کے اس جملہ کے معنے یوں بیان کئے ہیں۔ أَرَادَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ[1] تَشْبِيهَ عَائِشَةَ بِزُلَيْخَا وَوَجْهُهُ إِظْهَارُ خِلَافِ مَا أَرَادَتَا فَعَائِشَةُ أَرَادَتْ أَنْ لَا يَتَشَاءَمَ النَّاسُ وَأَخْبَرَتْ كَوْنَهُ لَا يُسْمِعُ الْمَأْمُومِينَ وَزُلَيْخَا أَرَادَتْ أَنْ يَنْظُرْنَ حُسْنَ يُوسُفَ لِيَعْذِرْنَهَا فِي مَحَبَّتِهِ وَأَخْبَرَتِ الْإِكْرَامَ فِي الضِّيَافَةِ

لغات حدیث کی عبارت مندرجہ بالا کے دیکھنے کے بعد ہر سمجھ دار شخص یہ کہہ سکتا ہو کہ حدیث مذکورہ کے جملہ متذکرہ کے معنے میں مولف اُمہات الامہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور زلیخا کی تشبیہ کا جو تذکرہ کیا ہے وہ مولف مذکور نے اپنی طرف سے نہیں کیا بلکہ لغات حدیث کی معتبر کتابوں کے تذکرہ کا اعادہ ہو۔ اس لئے مولف کشف الغمہ کو چاہیئے کہ وہ لغات حدیث کی کتابوں کو دیکھکر اپنی کوتاہ نظری پر نادم ہو اور اپنا یہ اعتراض قابل واپسی خیال کرے۔

**عبارت اُمہات الامہ صفحہ ۱۰۲:**۔ نسل پیغمبر صاحب سے بھی اتنی فروگذاشت ہوئی کہ اُنھوں نے رزق مقسوم پر قناعت نہ کرکے گوشۂ عافیت سے پاؤں باہر نکالے اور خواہ مخواہ دعوئے خلافت کردیا الخ

ان کا حال کیا تھا کہ ان میں سے جب کسی کے پاس ہزار پانسو آدمیوں کی جمعیت فراہم ہوئی۔ لگا سلطنت کے خواب دیکھنے خلیفہ وقت پر خروج کرکے ساتھیوں کو ناحق مروایا اور آخر کار خود بھی لڑائی میں مارا گیا۔ یا پکڑا آیا یا قید کیا گیا یا زہر دے کر مارا گیا۔ الخ

[1] اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث کے اس ٹکڑے میں زلیخا کے ساتھ حضرت عائشہ رضہ کو تشبیہ دی ہو اور وجہ تشبیہ کی یہ ہو کہ زلیخا اور حضرت عائشہ رضہ دونوں نے اپنے دل کی بات کو ظاہر نہیں کیا حضرت عائشہ رضہ کے دل میں تو یہ بات تھی کہ آنحضرت صلعم کی حیات میں حضرت ابو بکر صدیق رضہ اگر امام بنینگے تو لوگ اسکو بدخیالی خیال کرینگے اور دل کے مطلب کے خلاف انھوں نے یہ بات کہی کہ حضرت ابو بکر صدیق ایسے نرم دل ہیں کہ انکی قرأت مقتدی نہیں سن سکینگے۔ اور زلیخا نے ظاہر میں تو ان عورتوں کی دعوت کی اور دل میں زلیخا کے یہ ارادہ تھا کہ دعوت کیوقت یہ عورتیں حضرت یوسف کو دیکھیں اور زلیخا کو یوسف علیہ السلام کی محبت میں معذور رکھیں۔

پیغمبر صاحب کی اولاد ذکور ان کے بعد زندہ نہ رہی ایک بیٹی زندہ رہیں تو اُن کی نسل کی بدولت اسلام میں
یہ تفرقہ پڑا کہ مسلمان سُنی و شیعہ دو فریق ہوگئے ان میں ہمیشہ جوتیوں میں دال بٹتی رہی۔ بیٹا زندہ رہتا
تو شاید پسر نوح ثابت ہوتا۔ من اهلک انہ عمل غیر صالح ۔

اعتراض صاحب کشف الغمہ:۔ نسل پاک حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں اوّل تو اس مودبانہ
گفتگو کو ملاحظہ فرمایا جائے۔ پھر آپ کے فیصلہ کے مطابق حضرت امام حسن اور امام حسین امام زید وغیرہ رضی اللہ
عنہم قتل ہوئے جرم میں سزائیں پائیں شہید نہ تھے اور انھوں نے جو حاکم وقت کا مقابلہ کیا یہ اُنکا خروج
تھا۔ حالانکہ وہ اشد معصیت ہے جس کی سزا قتل وغیرہ ہے اور حاکم وقت خلیفہ برحق تھا۔ یعنی یزید خلیفہ
برحق تھا۔ امام حسن حسین رضی اللہ عنہم اپنے جرم بغاوت کی پاداش میں مارے گئے اور ان کے ہمراہیوں
کا بھی یہی انجام ہوا شہادت کیسی یہ عقیدہ کسی اہل ایمان کا نہیں نہ ایسا کوئی مسلمان ان کی جناب میں
گستاخ اور بیباک گزرا ہے۔ ہاں یزیدیوں کا کچھ کہنا نہیں۔ یہ کہنا کہ بیٹی کی اولاد نے اسلام میں تفرقہ
ڈالا تاریخ و واقعات کے خلاف اور شرمناک جہالت ہے۔ تفرقہ خود لوگوں نے کیا اس میں اُن کی کیا خطا۔
نسل میں جیسے جیسے باخدا بزرگ گزرے ہیں۔ جن کے انفاس قدسیہ سے روحانی برکات کا وقتاً فوقتاً
غیر لوگوں پر بھی اثر پڑا۔ اور جوق جوق لوگ ایمان لاتے گئے اور جو جو انہوں نے اسلام کی خدمات کی
ہیں اہل سیر سے مخفی نہیں۔

دلائل النبوۃ و شواہد النبوۃ کو ملاحظہ فرمایا جائے۔ حالانکہ صفحہ ۳۲ میں خود ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شرافت
نسبی بیان کرتے ہوئے یہ کہہ آئے ہیں۔ نباتات اور حیوانات میں بھی اصالتہ کا اثر دیکھا گیا ہے ع۔
گندم از گندم بروید جو ز جو الخ "
"ہم نے پیغمبر صاحب کے نسب نامہ کو لیا جس سے ضرور یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایسے شریف خاندان کا آدمی عادتاً
ممکن نہیں کہ کسی طرح بدوضعی سے اپنے بزرگوں کے نام کو بٹہ لگائے"
مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو شریفوں سے شریف اور بڑے عالی خاندان تھے۔ پھر ان کی نسل اور فرزند
نااہل ثابت ہوں حیطہ امکان سے باہر ہے۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ کہنا کہ اگر کوئی نرینہ اولاد زندہ رہتی تو نوح کے نااہل اور بدکار ناہنجار
بیٹے جیسے ہوتی۔ کیا آپ کو الہام ہوا ہے؟ اگر کوئی نرینہ اولاد زندہ رہتی تو سوائے درجہ نبوت کے جملہ
کمالات انسانیہ کا مجمع ہوتی۔ اکثر ناپاک اور بداصل لوگوں کی اولاد ناہنجار ہوتی آئی ہے جو بزرگوں اور
بزرگ زادوں کی پگڑی پر ہاتھ ڈالا کرتے ہیں۔
حضرات حسنین علیہما السلام کی بابت ابھی تو آپ کا یہ فتویٰ تھا مگر اسی مضمون کے شروع میں آپ یہ بھی
لکھ آئے ہیں قولہ صفحہ ۱۰۲۔ "ہم یہ تو دیکھتے ہیں کہ ایک شخص قوم کو کسی طرح کا فائدہ پہنچاتا ہے تو لوگ اُس کی

نسلوں تک کا احسان مانتے" الخ

"مگر آپ، پیغمبر صاحب تھے کہ جھگڑوں، لیٹروں کو بادشاہ (یہ خلفاء رض کی نسبت ارشاد ہے) بدمعاشوں کو بھلا مانس (یہ جملہ صحابہ رض کی خدمت کی جا رہی ہے) بُت پرستوں کو خدا پرست، نالائقوں کو لائق، وحشیوں کو مہذب۔ جانوروں کو انسان بنا گئے اُن کے تمام احسانات کا بدلہ ان ہی کی اُمت نے (نہ سب کے سب بلکہ بنی اُمیہ وغیرہ نے اور آپ نے) اُن کے نواسوں نواسیوں بہو بیٹیوں کو جو جو دیا اور جیسا دیا اُس کا رونا آج تک اسلامی دُنیا میں رویا جاتا ہے اور رویا جائیگا" منہ ہے یا بھاڑ۔

جواب صاحب احسن التفاسیر:۔ بنی اُمیہ اور بنی عباسیہ نے بنی فاطمہ کے ساتھ جو برتاؤ کیا اُس ذیل میں اللہ کے رُسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نرینہ اولاد کا ذکر جو اُمہات الامۃ میں ہے اُس کا یہ مطلب ہے کہ بلا لحاظ آل نبی ہونے کے جو برتاؤ خلفائے مذکور نے بنی فاطمہ سے کیا اللہ کے رُسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نرینہ اولاد کو بھی پسر نوح کی طرح یہ لوگ خارج اولاد رُسول صلی اللہ علیہ وسلم شمار کر کے اِن کے ساتھ بھی بنی فاطمہ رض کا برتاؤ کرتے صاحب کشف الغمہ کو چاہیئے کہ اُمہات الامۃ کی پوری عبارۃ کو بنظرِ انصاف غور سے دیکھکر اپنا یہ اعتراض واپس کرے۔

اُمہات الامۃ کے صفحہ ۱۰۳-۱۰۴-۱۰۵ میں مولف اُمہات الامۃ نے زمانۂ خلفائے بنی اُمیہ خلفائے عباسیہ اور بنی فاطمہ کے جو واقعات لکھے ہیں تاریخ طبری ابن جریر رح التاریخ الکامل ابن اثیر رح تاریخ الخلفا جلال الدین سیوطی رح سے اِن واقعات کی شہادت پوری مل سکتی ہے۔ اس لئے اِن واقعات کی تکذیب بے محل ہے۔ ان واقعات کے بیان کرنے میں مصنف نے اپنی طرف سے کوئی اضافہ نہیں کیا۔

عبارت اُمہات الامۃ صفحہ ۱۰۵:۔ دو عورتوں کی آپس کی ضد نے کیا طول پکڑا ہے کہ ڈیڑھ ہزار برس ہونے کو آئے یہ جھگڑا طے نہ ہوا اور اب خدا ہی کے ہاں نپٹکر طے ہوگا۔ مزا یہ ہے کہ جن میں جھگڑا تھا مدتیں ہوئیں مر کھپ گئیں مرنے کے ساتھ اُن کی جزا و سزا شروع ہوگئی۔ الخ

ہم ہیں کہ مقدمہ کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ الخ

اعتراض صاحب کشف الغمہ:۔ اول تو حضرت عائشہ صدیقہ رض اور حضرت فاطمہ زہرا رض میں جھگڑا ہی کیا تھا۔ کچھ بھی نہیں اور جو کچھ دُنیاوی معاملات میں ماں بیٹیوں بھائی بہنوں میں شکر رنجیاں ہو جایا کرتی ہیں۔ تو وہ مقدمے بن جایا کرتے ہیں۔ جن پر آخرت میں سزا کا حکم لگا دیا گیا! ہاں آپ جیسے لوگوں نے کھینچ تان کر ذرا ذرا باتوں کو جھگڑا اور مقدمہ بنا دیا۔

مگر آپ کو قرآن مجید اور احادیث صحیحہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کیما اثر اور قرابت اور حدیث کا کچھ بھی خیال نہ آیا۔

آپ کے نزدیک قرآن نے جو کچھ انکی خوبیاں بیان فرمائی ہیں اور جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محامد ارشاد فرماتے ہیں سب شیخی اور جھوٹ ہیں نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات میں کوئی اثر تھا اور آپ ہی یہ

کہہ چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدمعاشوں بُت پرستوں کو نیک بنایا" مگران میں آپ کا کوئی اثر نہ ہوا۔ یہ معمولی عورتوں کی طرح بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں کیونکہ آپ کے کہنے کے مطابق کھانے پینے روٹی کپڑے خرچ بات سلوک مدارات کا جھگڑا نہ تھا بلکہ خیالی برتری کا" پھر ایسی عورتیں جن میں خیالی برتری پر اسقدر جھگڑا ہو۔ اور ان میں تریا چرتر بھی ہو اور ضدبت کی کوئی انتہا بھی نہ ہو۔ انہیں قرآن کی ہدایت پر نظر ہو جس نے عموماً مسلمانوں کو برادرانہ محبت اور صلہ رحمی کا حکم دیا۔ اور بغض و کینہ وحسد وضد کو سخت الفاظ میں منع فرمایا اور نہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی پرواہ ہو کہ تین دن سے زیادہ کسی ملال کے باعث کسی مسلمان کو روا نہیں کہ اپنے بھائی کو چھوڑے اور اُس کی طرف سے رنج و کینہ رکھے۔ پھر ان سے تو یہ معمولی بیویاں ہی ہزار درجہ بڑھکر ٹھہریں۔ کہ وعظ ونصیحت سُنکر اُس پر عمل تو کرلیتی ہیں اور یہ ارشاد بھی غلط ٹھہرا رحماء بینھم بلکہ برعکس اس کے اعداء بینھم تھے۔ اگر آپ کا یہی ایمان اور یہی اسلام ہے تو خدا اور کسی کلمہ گو کو نصیب نہ کرے آپ ہی کے پاس رہے توبہ توبہ۔

جواب صاحب احسن التفاسیر:۔ جواب نمبر (۳) میں حضرت عائشہ رضؓ کی روایتہ بیان کردی گئی ہو جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک دن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضؓ کو یاد کرکے اُن کی بہت تعریف کی حضرت عائشہ رضؓ کہتی ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خدیجہ رضؓ سے بہتر بیبیاں دیدی ہیں۔ پھر آپ خدیجہ رضؓ کو کیوں یاد کیا کرتے ہیں یہ سُنکر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خفا ہوکر فرمایا خدیجہ رضؓ مرحومہ کی جو باتیں مجھے یاد آتی ہیں اُن سے میں کہہ سکتا ہوں کہ موجودہ بیبیوں میں خدیجہ رضؓ سے بہتر کوئی بی بی نہیں ہی اب یہ تو ظاہر بات ہو کہ حضرت فاطمہ رضؓ کی ماں کی نسبت حضرت عائشہ رضؓ کا جو خیال تھا۔ جب اُس کا ذکر حضرت فاطمہ رضؓ کے کانوں تک پہنچا ہوگا تو حضرت فاطمہ رضؓ کا دل حضرت عائشہ رضؓ کی طرف سے کیونکر صاف رہتا ہوگا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جب وہ بہتان لگا تھا جس کا ذکر سورۂ نور میں ہے اور اس بہتان کے چرچے سے حضرت علی رضؓ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پریشان پاکر یہ کہا تھا۔ کہ اس بہتان کے چرچے سے آپ پریشان کیوں ہوتے ہیں اس بہتان کے سبب سے عائشہ رضؓ چھوٹ بھی گئیں تو آپ کے لئے عورتوں کی کچھ کمی نہیں ہی حضرت علی رضؓ کی یہ بات سُنکر حضرت عائشہ رضؓ کا دل حضرت علی رضؓ کی طرف سے بھی صاف نہیں تھا اور اسی ناصفائی باہمی کا حال سُنکر حضرت فاطمہ رضؓ حضرت عائشہ رضؓ کی طرف سے زیادہ مکدر ہوگئی تھیں۔ غرض ان واقعات کے لحاظ سے حضرت عائشہ رضؓ اور حضرت فاطمہ رضؓ میں جو کچھ رنجش باہمی تھی اُس کا انکار تو واقعات متذکرہ کے برخلاف ہی اسواسطے ان واقعات کے بیان کرنے میں جو لفظ مصنف نے لکھے ہیں، اُنہیں شورش انگیز نہیں کہا جاسکتا۔ اور صاحب کشف الغمہ کو اپنا اعتراض واپس لینا چاہیئے۔

عبارت امہات الامۃ قولہ صفحہ ۱۰۰:۔ مگر جن کے دل میں تمنائے خلافت چٹکیاں لے رہی تھی اُنھوں نے

دھینگا مُشتی سے منصوبہ ہی کو چٹکیوں میں اُڑا دیا۔ الخ

**اعتراض صاحب کشف الغمہ:۔** کیا کہنے ہیں صحابہ کبار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلیم یافتہ یہ وہ کہ جن کی نسبت ہادئین مہدئین کا ارشاد۔ اور ان میں دھینگا مُشتی۔ کیا کسی اکھاڑے کے پہلوان تھے پھر غیر مہذب اور بیہودہ اور لالچی بھی ایسے کہ جن کو اپنے ہادی برحق کی علالت کا بھی کچھ رنج نہ ہو۔ اور اس طمع میں منہ کھولے اُسی دن کے انتظار میں بیٹھے ہوں کہ کب حضور اقدس روحی فداہ دُنیا سے جائیں اور کب ہم خلیفہ بن کر بیٹھیں اور ہادی برحق بھی وہ جن کے لئے اوّل دین چھوڑا۔ اوّل آزادانہ زندگی کے لذات و شہوات چھوڑے۔ گھر اور وطن پر لات ماری، دشمنوں کے نرغہ میں بے سروسامان جماعت کے ساتھ تلواروں کی دھاروں کے آگے آموجود ہوئے، واہی تباہی بیہودہ راویوں کی ژٹلیات سے قطع نظر کر کے واقعات پر نظر ڈالنے سے بھی یہ ساری کہانی یاروں کی گھڑنت معلوم ہوتی ہے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے وقت تک وہ کون سے ملک اور کونسے زرخیز علاقے قبضہ میں تھے جنکو لیکر عیش کرتے اُس وقت تک تو خونخوار عربوں ہی میں اسلام پھیلا تھا نجد اور بنی تمیم کے جنگ جو قبائل کسکو خطرہ میں لانے والے تھے پھر خلیفہ کو چند دراہم کے سوا جو وہ بھی اُس کے ضروری خرچ کے واسطے دیئے جاتے تھے۔ بیت المال کے ایک پیسے پر بھی اختیار نہ تھا بغیر مشورے کوئی کام نہ کر سکتے تھے، خلافت کیا مصیبت کا سر لینا تھا پھر خلافت بھی وہ جو لوگوں کے انتخاب پر موقوف ہو۔ جس کو کوئی خلیفہ اپنی اولاد کے لئے بھی موروثی حق نہ بنا سکا۔ اس کے لئے تمنا دل میں چٹکیاں لے (محال ہے) اگر لکھنے کو مانع آئے تھے تو حضرت عمرؓ جنکی خاندانی قوت بمقابلہ انصار دینی ہاشم و بنی اُمیہ لاشے محض تھے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عمرؓ کو اس بات کا یقین کیونکر ہوگیا تھا کہ میں بھی خلیفہ ہونگا اور میرے سامنے ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ دُنیا سے گزر جائیں گے اُن کا میں ہی جانشین ہونگا۔

بات یہ ہو کہ ایران کے چند مغ بچے جب بظاہر اسلام میں آئے حضرت عمرؓ کی عداوت اُنکی سلطنت برباد ہوجانے سے اُن کے دل میں تھی حضرت علیؓ کی طرفداری اور محبت کی آڑ میں اُنھوں نے ایسے افسانے روایات کے ذریعے سے گھڑنے شروع کر دیئے کہ جن سے پیغمبر علیہ السلام پر دباؤ کا الزام لگے۔ حضرت علیؓ پر نامردی کا۔ حضرت فاطمہ پر طمع کا۔ اور حضرت عائشہ رضؓ پر ضد و عداوت کا۔ صحابہ رضؓ پر باہمی رشک و رقابت کا۔ اُن کا مطلب تو اسلام کی توہین تھی۔ بعض نافہم مسلمان سمجھے نہیں اِن خبیث راویوں کو جھوٹا کہنا تو ایمان اور خوش اعتقادی کے خلاف تھا پر اسلام اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام وصحابہ کرام و اہلِ بیت عظام پر الزام لگے تو لگا کرے، قرآن اور صحیح احادیث اور واقعات کے خلاف ہو تو ہوا کرے۔ یہ ہیں وہ روایات کہ جن پر ایمان لا کر آج چودہ سو برس کے بعد ڈپٹی صاحب بھی ان بزرگوں کی نسبت زبان درازی کرنے لگے۔ جو کچھ ہو ہوا کرے محقق اور مُصنّف کہلانے کے تو اُمیدوار بن بیٹھے۔

جواب صاحب احسن التفاسیر:- خلافت کا دل میں چٹکیاں لینا اور دھینگا مشتی کے الفاظ شورش پیدا کرنے کے لئے تو تلاش کر لئے گئے مگر دیکھنا یہ ہے کہ مولف اُمہات الامۃ نے اپنی کتاب کے صفحہ ۹۹ میں جو واقعات لکھے ہیں وہ کہاں تک صحیح ہیں۔ ان واقعات کی صحت کا حال یہ ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ان واقعات کی جو روائتیں ہیں۔ اُن کا حاصل یہ ہے کہ وفات سے چار روز پہلے اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد بہت لوگ خلافت کے باب میں طرح طرح کی تمنّا ئیں ظاہر کریں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی یہ مرضی ہے کہ میرے بعد سوائے ابو بکر کے اور کسی شخص کی خلافت کو لوگ پسند نہ کریں گے اس لئے اب ارادہ ہے کہ اس باب میں وصیت لکھ دوں، یہ فرما کر آپ نے خلافت کے باب میں وصیت لکھنے کے لئے قلم دوات اور کاغذ لانے کو فرمایا اس پر موجود الوقت صحابہ میں سے بعضے لوگوں نے قلم دوات اور کاغذ کے منگوانے نہ منگوانے کا بہت اختلاف اور شور وغل کیا بلکہ بعضے لوگوں نے یہ بھی کہا کہ قلم دوات اور کاغذ لانے کی بابت اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم سے پھر دوبارہ پوچھ لینا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ بخار کی شدّت میں آپ نے قلم دوات اور کاغذ کا ذکر بہکنے کے طور پر کیا ہو۔ یہ بات اُن لوگوں نے اپنے بخار کے بہکنے پر قیاس کر کے کہی ورنہ اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم بہکنے سے پاک ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ یہ غل شور اور اختلاف کے باعث سے خفا ہو کر اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے سب لوگوں کو اپنے پاس سے ہٹا دیا ان موجودہ لوگوں کے غل شور اور اختلاف کو دیکھ کر حضرت عمرؓ نے حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰہِ کہا جس سے اُن کا مطلب یہ تھا کہ خلیفہ کے نامزد کرنے کا مسئلہ اگر ضروری ہوتا تو اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے اختلاف اور غل شور کے سبب سے اِس مسئلہ کی وصیت کو ترک نہ کرتے جب اس مسئلہ کو جائز مرتبہ کا مسئلہ سمجھ کر اس وصیت کے لکھنے کو ملتوی کر دیا اور یہ فرمایا دَعُوْنِیْ فِیْهِ خَیْرٌ مِّمَّا تَدْعُوْنَنِیْ اِلَیْهِ[1] جس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ وصیت نہ لکھنے کی حالت ہی وصیت کے لکھنے کی حالت سے بہتر ہے تو ایسی صورت میں صحابہ کی شان میں وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ ارشادِ الٰہی ہم کو کافی ہے آپس کے مشورہ سے یہ مسئلہ طے ہو جائیگا۔ شدّتِ مرض کی حالت میں اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم سے وصیت کے لکھنے کا اصرار مناسب نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ کی یہ رائے ایسی صحیح تھی جس پر اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرما کر اس رائے کو تقریری حدیث کے مرتبہ تک پونہچا دیا اور آخر کو اسی کے موافق صحابہ کے مشورہ سے خلافت کا مسئلہ طے ہوا۔

عبارت اُمہات الامۃ صفحہ ۹۶ :- ابو بکر اور علی ان دونوں میں نہفتہ رقابت تھی ان دونوں میں دلی کدورت کے آغاز کا پتہ لگانا تو مشکل ہے۔ غالباً وہ عائشہ کے نکاح سے شروع ہوا۔ الخ

اعتراض صاحب کشف الغمہ:- اسلام کے یہی دو بزرگوار سب سے اوّل ایمان لانے والے رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

[1] مجھکو چھوڑ دو جس حال میں میں ہوں وہ حال اُس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھکو بلاتے ہو۔

کی تربیت و تلقین کے اعلیٰ نمونہ جملہ اولیا رکرام قطب و ابدالین کے یہی دو بزرگ قبلہ و کعبہ پھران میں کدورت ؟ عجب عجب!! انہیں کے تعلیم یافتہ کسی بزرگ نے فرمایا ہے سہ

آئین ما ست سینہ چو آئینہ داشتن ٭ کفر است در طریقت ما کینہ داشتن

یہ بات بھی سکندر جولکرنین[1] اور تیجہ کی جنگ سے کچھ کم نہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رض کا نکاح حضور اقدس روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل ہجرت مکہ میں ہوا اس وقت حضرت علی رض شیر خدا کا حضرت فاطمہ زہرا رض سے نکاح تو کیا نکاح کا اشارہ بھی نہ تھا۔ نکاح تو ہجرت کے بعد مدینہ منورہ آنے کے بعد بھی مدت کے بعد ہوا۔ پھر کدورت کی کوئی وجہہ نہیں نہ اس وقت امامت و خلافت کا اشارہ تھا۔ اسوقت تو مشکلات کا سامنا تھا اور عجب بات ہے کہ معمولی بانیاں مذہب پیروون میں تو باہم اسقدر رنجش وجاں نثاری پائی جاتی ہے۔ کہ جس کی حد و نہایت نہیں۔ مگر حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروون میں اور وہ بھی ابتدائی حالت میں کدورت اور بعد میں تو بقول جناب دھینگا مشتی پھر کس کس میں بیوی اور بیٹی میں۔ اوّل مرتبہ کے خاص خاص مریدوں میں جاں نثاروں میں۔ وہ بھی اس بدتہذیبی کے ساتھ کہ جو کہاڑے کے شہدوں بچوں میں بھی نہیں ہوتی یہ ساری باتیں انہیں مغ بچوں کی تراشیدہ ہیں جن کی روایات سے شیعہ وخارجی دو فریق بن گئے۔ اب بتاؤ یہ تفرقہ اہل بیت کے بزرگوں نے پیدا کیا ہے یا ان مغ بچوں اور ان کے سادہ لوح مریدوں نے ؟

جواب صاحب احسن التفاسیر :۔ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رض کی حدیث سے ابوبکر رض اور حضرت علی رض کی باہمی رنجش کا اسی قدر پتہ لگتا ہے کہ حضرت ابوبکر رض کی بیعت کے وقت جو حضرت علی رض کو نہیں بلایا گیا۔ اور حضرت فاطمہ رض کی وراثت کی خواہش کو جو حضرت ابوبکر رض نے تسلیم نہیں کیا اس سے حضرت علی رض کے دل

---

[1] مشہور ہے کہ شاہجہاں بادشاہ کو فقراسے بڑی عقیدت تھی کوئی معمر جاہل فقیر بھی دکان کھول بیٹھا دارا شکوہ بڑے فقیر پرست تھے اس جعلی فقیر کے معتقد ہو گئے مگر عیب پوشی کیلئے حضرت پیشاہ بنے ہوئے تھے دارا شکوہ نے حضرت کی بادشاہ سے بیحد تعریف کر کے مشتاق زیارت کیا۔ بادشاہ اور نواب سعداللہ خاں اور حضرت عالمگیر ساتھ آئے اب بادشاہ سے کچھ ہمکلامی کا سلسلہ بھی جاری ہوتا تھا۔ نواب سعداللہ خاں نے پوچھا کہ حضرت سن شریف ؟ فرمایا اور تو کچھ یاد نہیں صرف دو جھجہ (جنگ) یاد ہیں ایک تو سکندر جولکرنین اور بجیدو سے ہوا تھا۔ جب پھکیر لڑکو تھا۔ بادشاہ سُنکر متعجب ہوئے سعداللہ خاں نے پوچھا دوسری جنگ فرمایا دوسری جنگ ابیر تمور (امیر تیمور) اور محمد رسول اللہ سے ہوئی تب پھکیر تمور (تیمور) کے ساتھ تھا اور جوان تھا یہ اس لئے کہ خاندانی خیرخواہ ہونا بھی ثابت ہو جائے۔ بادشاہ سخت غصہ ہوئے کہ بدنصیب نے میرے دادا کو بھی کافر بنایا۔ نواب سعداللہ خاں صاحب نے عرض کیا کہ قطع نظر کفر و ایمان کے حضرت کو تاریخ دانی میں بھی بڑا ملکہ ہے۔ ۱۲

میں حضرت ابوبکر رضؓ کی طرف سے کچھ رنجش تھی۔ اور وہ رنجش حضرت فاطمہ رضؓ کی وفات تک چھ مہینے باقی رہی اور اس لئے چھ مہینے تک حضرت علی رضؓ نے حضرت ابوبکر رضؓ سے بیعت بھی نہیں کی حضرت فاطمہ رضؓ کے وفات کے بعد حضرت علی رضؓ نے مجمع عام میں بیعت کرلی اور یہ رنجش جاتی رہی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ صاحب کشف الغمہ نے اس رنجش کا بالکل جو انکار کیا ہو وہ صحیح بخاری کی روایتہ کے برخلاف ہو۔ اس واسطے اُمہات الامّہ کی ساری عبارت اس لائق ہے کہ اُسے برقرار رکھا جائے۔ اور اگر اُمہات الامّہ کی عبارت پر اعتراض کیا جائیگا تو صحیح بخاری پر اعتراض ہوگا۔

**عبارت اُمہات الامّہ صفحہ ۱۱۲:** بلا سے اگر کتے پیغمبر صاحب کی بیویوں کی ٹانگیں مدینے کی گلیوں میں گھسیٹتے پھریں تو کچھ پروا کی بات نہیں۔

**اعتراض صاحب کشف الغمہ:** آپ نے کہیں تاریخ الخلفا جلال الدین سیوطی میں ابن عساکر کی روایت دیکھ لی ہے صحت وسقم کا تو خدا نے مادہ ہی نہیں دیا۔ شمس العلماء سے اس کے لفظی ترجمہ میں بھی غلطی ہوئی ہے اور اپنے جوشِ عداوت میں جو نہ لکھنا تھا لکھ مارا۔

**جواب صاحب احسن التفاسیر:** التاریخ الکامل ابن اثیر جزری اور تاریخ الخلفا میں جو روایتیں ہیں اُن کا حاصل یہ ہو کہ مانعین زکوٰۃ کی لڑائی کے زمانہ میں بعضے صحابہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے یہ کہا کہ اگر مانعین زکوٰۃ غالب آئے تو ازواج مطہرات رضؓ کی بے حرمتی ان لوگوں سے کچھ بعید نہیں ہو اس لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جہات میں اسامہ کا لشکر جو شام کی طرف گیا ہو۔ اُسکو واپس کرلینا چاہیئے تاکہ لشکر کی تعداد بڑھ جانے کی صورت میں مانعین زکوٰۃ کے غلبہ کا احتمال جاتا رہے' ان صحابہ کے جواب میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے یہ جملہ فرمایا لَوْ جَرَّتِ الْكِلَابُ بِاَرْجُلِ اَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَارَدَدْتُّ جَيْشًا وَجَّهَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے اس جملہ کا ترجمہ اُمہات الامّہ میں کیا گیا ہو جس پر صاحب کشف الغمہ نے اعتراض کیا ہو اور اعتراض کے وقت یہ خیال نہیں کیا کہ اصل میں یہ اعتراض حضرت ابوبکر رضؓ کے کلام پر ہو۔ تاریخ الخلفا میں بیہقی اور ابن عساکر ان دونوں کتابوں کے حوالے سے حضرت ابوبکر رضؓ کا مندرجہ بالا مقولہ نقل کیا ہے' بہ نسبت ابن عساکر کے بیہقی کا اعتبار زیادہ ہو۔ اس لئے صاحب کشف الغمہ نے اپنے اعتراض میں فقط ابن عساکر کا نام لیا۔ بیہقی کا نام نہیں لیا تاکہ بیہقی کا نام لینے سے اس مقولہ کی صحت کا شبہ نہ پڑے۔ اس کارستانی سے صاحب کشف الغمہ کی دیانت فی الروایتہ کا حال اچھی طرح معلوم ہوسکتا ہو۔ اور صاحب کشف الغمہ نے مولف اُمہات الامّہ کی نسبت یہ جو کہا ہے۔ کہ آپ نے کہیں تاریخ الخلفاء جلال الدین سیوطی رحؒ میں ابن عساکر کی روایتہ دیکھ لی ہو۔ صحت اور سقم کا تو خدا نے مادہ ہی نہیں دیا صاحب کشف الغمہ کی یہ کوتاہ نظری ہو جمع الجوامع میں جلال الدین سیوطی رحؒ اور کنز العمال میں شیخ علاء الدین علی المتقی نے اس روایت کو حسن کہا ہو۔

---

لہ اگر ازواج مطہرات کی ٹانگیں کتے گھسیٹیں جب بھی میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بھیجا ہوا لشکر واپس نہیں کرونگا۔ ۱۲

**عبارت امہات الامۃ صفحہ ۱۱۸:۔** لیکن اب چونکہ ہم لکھ چکے ہیں۔ اِتنا کہے بدون نہیں رہ سکتے۔ کہ عثمان اپنی بیجا کاریوں کی وجہ سے قتل کے تو نہیں عزل کے مستوجب ضرور تھے۔

**اعتراض صاحب کشف الغمہ:۔** لیکن یہ قتل اور عزل جلیل القدر صحابہ رضؓ نے تو نہیں کیا گو یا وہ سب اس ثواب سے محروم رہے مگر کوفہ بصرہ کے چند اوباشوں نے یہ ثواب کمایا جس میں آپ بھی شریک ہوگئے حضرت عثمان رضؓ کی کوئی کارروائی بھی بیجا نہ تھی نہ خودسرانہ و تحکمانہ تھی جو کوئی الزام لگا سکتا ہے تو صرف اس قدر کہ انہوں نے بنی اُمیہ کے لوگوں کو کیوں نوکر رکھا۔ مگر جب ظاہر حال اُن کا اچھا تھا تو حضرت عثمان رضؓ کوئی علم غیب تو رکھتے ہی نہ تھے کہ یہ حضرات ایسا کریں گے۔ جناب والا یہ خارجیوں شیعوں کے وہی پُرانے دقیانوسی اعتراض ہیں جن کا اہل سُنت نے دندان شکن جواب دیا ہے مگر آپ کو خبر نہیں۔ عجب ہے کہ اپنے مُنہ سے خود آپ ہی صفحہ ۲۲ میں انہیں عثمان رضؓ کی نسبت یہ بھی لکھ چکے ہیں" غرض انتخاب خلفائے ثلاثہ میں کسی طرح کی غلطی نہیں ہوئی یہاں تک کہ عثمان کا انتخاب ابو بکر و عمر جیسا تو نہ تھا پر بظاہر اچھا ہی اچھا تھا"

**جواب صاحب احسن التفاسیر:۔** مروان کا جب جعلی خط پکڑا گیا تو اُس خط کے مدینہ منورہ میں لائے جانے کے بعد صحابہ کے ایک بڑے گروہ نے جو بات کہی تھی تاریخ الخلفاء میں اُسکو یوں نقل کیا ہے۔ لٰکن یَبْرَأُ عُثْمَانَ عَنْ قُلُوبِنَا اِلَّا اَنْ یَدْفَعَ اِلَیْنَا مَرْوَانَ حَتّٰی نَبْحَثَہٗ وَنَعْرِفَ حَالَ الْکِتَابِ فَاِنْ یَکُنْ عُثْمَانُ کَتَبَہٗ عَزَلْنَاہُ:

تاریخ الخلفا کی اس عبارت سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے کہ مولف اُمہات الامۃ نے حضرت عثمان رضؓ کی معزولی کا ذکر اپنی طرف سے نہیں کیا ہے۔ بلکہ مروان کے جعلی خط کے پکڑے جانے کے وقت اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک بڑے گروہ نے جو بات کہی تھی مولف اُمہات الامۃ نے اُسی کا اعادہ کیا ہے۔ صاحب کشف الغمہ کی یہ کوتاہ نظری ہے کہ اُس نے اعتراض کرتے وقت تاریخ الخلفاء کی اس عبارت کو نہیں دیکھا۔ یہ روایت ابن عساکر کے حوالہ سے تاریخ الخلفا میں سعید ابن مسیب کی ہے۔ اسپر محدثین کا اتفاق ہے کہ سعید بن مسیب کی کل روایتیں صحیح ہوتی ہیں۔

**عبارت اُمہات الامۃ صفحہ ۹۹:۔** ہم اِس بات کو دیکھتے ہیں کہ پیغمبر صاحب نے ایسی سختی سے جان دی کہ اس سے بڑھکر اور سختی کیا ہوگی۔ الخ

عائشہ کہا کرتی تہیں کہ جب سے میں نے پیغمبر صاحب کو مرتے دیکھا ہے مجکو کسی کی جان کنی پر ذرا بھی ترس نہیں آتا۔

غرض پیغمبر صاحب کا مرنا مفاجاۃ کا مرنا تو نہ تھا کہ یکایک مرگئے۔ الخ

پیغمبر صاحب نے پورے اٹھارہ دن بیمار رہ کر انتقال کیا۔ بس ان کو وصیت کرنے توبہ و استغفار کرنے کی کافی مہلت تھی مگر اللھم الرفیق الاعلیٰ کے سوا کوئی بات ان سے منقول نہیں الخ

---

لہ حضرت عثمان رضؓ کی طرف سے جو ہم لوگوں کے دل میں غبار ہے وہ اُس وقت تک رفع نہیں ہوسکتا جب تک حضرت عثمان رضؓ مروان کو ہمارے حوالے نہ کریں تاکہ مروان سے ہم اس جعلی خط کا حال پوچھیں پھر اگر یہ بات ثابت ہوئی کہ عثمان رضؓ نے خط لکھا ہے تو ہم اُنکو معزول کر دینگے۔

ہیکڑ سے ہیکڑ مجرم بھی مرتے وقت اعتراف جرم پر مجبور ہوتا ہے۔ الخ

اعتراض صاحب کشف الغمہ:۔ اِس غلط بیانی کا بھی کچھ ٹھکانا ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ایام میں متعدد وصیتیں فرمائیں منجملہ ان کے ایک یہ پہلی وصیت تھی کہ یہود کو جزیرۃ العرب سے نکالدینا وغیرہ۔ توبہ و استغفار نبی معصوم کو ضرورت کیا تھی۔ مگر اِس پر بھی نظام ملت اور دیگر نصایح تودیع بیشخبری وغیرہ بہت کچھ کیا۔ صحیح بخاری وغیرہ کتب حدیث دیکھئے۔

جان کنی کی بابت جو اس قدر مبالغہ کیا ہے سراسر غلط ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف بخار تھا کبھی سرسام نہیں ہوا۔ اور بخار میں جو تکلیف ہوتی ہے معمولی بات ہے۔ مگر اسپر بھی ذکر الہی۔ نزول نصائح۔ انتظار ملت کا برابر جاری تھا۔ اور دونوں ہاتھ اُٹھا کر دعا کرتے ہوئے دنیا کو چھوڑا۔ اللھم الرفیق الاعلیٰ کہ اے خدا سب سے بڑھ کر رفیق کو مانگتا ہوں اور وہ کون ہے ذات برحق۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضہ نے یہ نہیں فرمایا بلکہ یہ کہ موت کے وقت کی تکلیف کو ہم بُرا سمجھا کرتے تھے۔ مگر جب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف دیکھی ہے وہ خیال جاتا رہا۔ معلوم ہوا کہ دُنیا کو ترک کرتے وقت ابرار کو بھی تکلیف ہوتی ہے، رفعت درجات کے لئے۔ کہاں یہ بات کہاں ڈپٹی صاحب کا بیان جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سراسر اہانت ظاہر کر رہا ہے۔ نعوذ باللہ من ھذہ الھفوات والکفریات۔

جواب صاحب احسن التفاسیر:۔ مولف اُمہات الامۃ نے صفحہ ۹۹ میں جو یہ لکھا ہے کہ پیغمبر صاحب نے پورے اٹھارہ دن بیمار رہ کر انتقال کیا بس ان کو وصیت کرنے تو بہ استغفار کرنے کی کافی مہلت تھی مگر اللھم الرفیق الاعلیٰ کے سوا کوئی بات ان سے منقول نہیں۔ اسپر مولف کشف الغمہ نے یہود کو جزیرہ عرب سے نکالدینے کی وصیت کا حوالہ دیکر اُمہات الامۃ کی اُس عبارت کو جھوٹی بات قرار دیا ہے یہ مولف کشف الغمہ کی غلط فہمی ہے کیونکہ صحیح بخاری کی حضرت عائشہ کی جس حدیث میں قلم دوات اور کاغذ کے منگوانے کا ذکر ہے اسی حدیث میں یہود کو جزیرہ عرب سے نکالدینے اور ایلچیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے وغیرہ کا ذکر ہے یہ ذکر جمعرات کے دن کا ہے۔ اور پیر کے دن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی۔ اس اعتراض کے لکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب کشف الغمہ نے اُمہات الامۃ کی اگلی پچھلی عبارۃ کو نہیں دیکھا۔ کیونکہ مولف اُمہات الامۃ نے عبارت معترض علیہ کے بعد صحیح بخاری کی حضرت عائشہ رضہ کی حدیث متذکرہ بالا میں کے کاغذ اور قلم دوات منگوانے کے ٹکرے کا ذکر بڑی تفصیل سے کیا ہے جس سے یہ بات ہر شخص کی سمجھ میں آسکتی ہے کہ حدیث متذکرہ بالا کو مدنظر رکھ کر جمعرات کے دن کے بعد سے یوم الوفات تک پھر کسی وصیت کا منقول نہ ہونا مولف اُمہات الامۃ کا مقصد ہے۔ صاحب کشف الغمہ کو اگر یہ دعویٰ ہے کہ جمعرات کے بعد بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی وصیت کی ہے تو مشار الیہ کو ایسی کوئی صحیح روایت پیش کرنی چاہیئے۔ ورنہ بنظر انصاف اپنے اِس اعتراض کو واپس لینا چاہیئے۔ آخری وقت پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے توبہ و

استغفار نہ کرنے کا ذکر جو اُمہات الامۃ میں ہے اُمہات الامۃ کے مولف نے صفحہ ۹۹ میں اس ذکر کا نتیجہ یوں نکالا ہے کہ ہم اس طرح کے مرنے کو بھی اُن کی صداقت کی ایک دلیل سمجھتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ سے اُن کے سب گناہ معاف ہو چکے تھے۔ توبہ و استغفار کی اُن کو کچھ ضرورت نہ تھی صاحب کشف الغمہ کے مزاج میں اگر کچھ انصاف ہے تو پھر غور کر کے مشار الیہ کو یہ اپنا اعتراض واپس لینا چاہیئے۔

عرب بڑا گرم ملک ہے وہاں اکثر گرمی کی شدت سے سرسامی بخار ہوتا ہے اسی واسطے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اس اپنے آخری بخار میں ٹھنڈے پانی سے نہانے کا علاج کیا اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حضرت عبداللہ بن عمر رضہ کی حدیث میں مدینہ کے بخار کا علاج ٹھنڈے پانی سے نہانے کو فرمایا ہے۔ اور جو علاج اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح حدیث میں فرمایا ہے۔ جالینوس نے بھی اپنا یہی تجربہ بیان کیا ہے کہ گرم ملک کے بخار میں ٹھنڈے پانی سے نہانا بہت مفید ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بخار کی شکایت ایسی سخت تھی جس سے آخر کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی۔ ان ہی وجوہات سے مولف اُمہات الامۃ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بخار کو سرسامی بخار جو لکھا ہے۔ وہ حالت ملک اور حالت مرض کے موافق ہے صاحب کشف الغمہ نے جو اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بخار سرسامی نہیں تھا وہ حالتِ ملک اور حالتِ مرض کے بالکل مخالف ہے۔

مولف اُمہات الامۃ نے صفحہ ۹۹ میں حضرت عائشہ رضہ کے جس قول کا ترجمہ کیا ہے صحیح بخاری میں وہ قول ان لفظوں سے آیا ہے۔ فَلَا اَکْرَہُ شِدَّۃَ الْمَوْتِ لِاَحَدٍ اَبَدًا بَعْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ[لہ] حاصل قول کا یہی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جاں کنی کی تکلیف کے دیکھنے کے بعد کسی شخص کی جاں کنی کی تکلیف کو میں بُرا نہیں سمجھتی اس لئے اس تکلیف پر مجکو کچھ ترس نہیں آتا۔ کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف کے دیکھنے کے بعد میری سمجھ میں یہ بات آگئی ہے کہ دنیا کو چھوڑتے وقت عقبیٰ کے درجے بلند ہو نیکے لئے نیک لوگوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے اور جبکہ یہ تکلیف عقبیٰ کی راحت کا سبب ہے تو اُسکو بُرا جاننے اور ترس کرنے کا کوئی موقع نہیں ہے۔ مولف کشف الغمہ نے اُمہات الامۃ کے ترجمہ کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت کا ترجمہ ٹھرایا ہے۔ مشار الیہ نے اُس کی کچھ تفصیل بیان نہیں کی۔

عبارت اُمہات الامۃ صفحہ ۴۸:۔ پیغمبر صاحب ۱۲ برس تک دشمنوں کے نرغہ کے چھاتی پر مونگ دلوایا کئے الخ

اعتراض صاحب کشف الغمہ:۔ کیا ادب اور اعتقاد ہے کیا یہ صریح اور صاف لفظوں میں گستاخی اور توہین نہیں۔؟ توبہ توبہ۔

جواب صاحب احسن التفاسیر:۔ بامحاورہ اور فصیح اُردو ہے۔ اس پر اعتراض بیجا ہے۔

---

لہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی سختی دیکھکر میں کسی شخص کی موت کے وقت کی سختی کو بُرا نہیں جانتی۔ ۱۲

عبارت اُمہات الامہ صفحہ ۹۲:- ہم کو پیغمبر صاحب کے نکاحوں پر بھی نظر کرنا چاہیئے کہیں پانی نہ مرتا ہو۔
اعتراض صاحب کشف الغمہ:- معاذاللہ رُسول معصوم! اور عورتوں کے معاملے ہیں ان میں پانی مرتا ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈپٹی صاحب نبی معصوم نہیں جانتے۔ جیساکہ اول سے آخر تک تمام مسلمان جانتے ہیں یہ مسلمانوں کے مسلمہ اصول کے مطابق اب بھی ڈپٹی صاحب کے خارج از اسلام ہونے میں کوئی شبہ رہا۔
جواب صاحب احسن التفاسیر:- ملاحظہ ہو جواب اعتراض صفحہ ۳۰۔
عبارت اُمہات الامہ صفحہ ۹۹:- پیغمبر صاحب نے ایسی سختی سے جان دی کہ اس سے بڑھ کر اور کیا سختی ہوگی اور اٹھارہ دن بیمار رہے نہ توبہ نہ استغفار نہ کوئی وصیت کی۔ ہیکڑ سے ہیکڑ مجرم بھی ایسی حالت میں اقرار جرم کرتا ہے۔ الخ
اعتراض صاحب کشف الغمہ:- اب ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ ڈپٹی صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا سمجھ رہے ہیں۔ سخت مجرم جسکو مرتے وقت توبہ بھی نصیب نہ ہوئی۔
جواب صاحب احسن التفاسیر:- ملاحظہ ہو جواب اعتراض کشف الغمہ صفحہ ۹۹
عبارت اُمہات الامہ صفحہ ۱۰۲:- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل نے دُنیا میں فتنہ و فساد قائم کیا آنحضرت صلعم کی نرینہ اولاد ہوتی تو نوح کے نااہل بیٹے جیسے ہوتی۔
آنحضرت کی بیٹی بیوی ضدی ان میں تربا چرتر آنحضرت خلفا تعلیم یافتوں میں باہم کدورت۔ ان میں ایسی نفسانیت کہ خود مطلبی کے خیال سے آنحضرت صلعم کی وصیت کو چٹکیوں سے اُڑا دیا۔ دھینگا مُشتی کرنے لگے صحابہ و تابعین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل سے عمدہ سلوک نہیں کیا۔ وغیرہ وغیرہ۔
اعتراض صاحب کشف الغمہ:- ؎ از خدا خواہیم توفیقِ ادب ٭ بے ادب محروم شد از فضلِ رب
جواب صاحب احسن التفاسیر:- ملاحظہ ہوں جوابات اعتراضات کشف الغمہ صفحہ ۱۰۷ صفحہ ۱۰۸ صفحہ ۱۰۲۔
عبارت اُمہات الامہ صفحہ ۱۰۱:- اور ہم کیا مشکل میں گرفتار ہیں خود پیغمبر صاحب کو بھی مشکل درپیش ہے انھوں نے بھی خلافت کے بارے میں کبھی صاف طور پر دوٹوک بات نہ فرمائی الخ
ہاں ضرورت پڑے پر ہمت بڑھانیکے لئے مختلف حیثیت سے ہر ایک کے استحقاق کا اعتراف کرتے رہے۔
اعتراض صاحب کشف الغمہ:- گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے دباؤ سے مشکل میں پڑے ہوئے تھے۔ ایک کی خلافت کا اقرار کرتے ہیں تو دوسرا ناراض ہوتا ہے اس سے لوگوں سے چاپلوسی کرتے رہے اور پالیسی برتتے رہے معاذ اللہ۔ خدا کا رُسول کہ جس نے امر حق کے اظہار میں دُنیا بھر کے مصائب اُٹھائے۔ دشمنوں کی تلواروں تلے بھی امر حق سے نہ چوکے قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ جو کچھ حکم دیا گیا ہو اسکو کھول کر پہنچا دو اگر آپ نے یہ نہ کیا تو خدا کا پیغام نہ پہنچایا۔ اور لوگوں سے نہ ڈرو اللہ آپ کا نگہبان ہو۔ پھر امر حق کے اظہار سے ڈریں بھی تو کس سے ان جاں نثاروں سے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

ان کو یہ حکم دیں کہ دریا میں کود پڑو یا اپنی جان یا خانماں و زر عزت آبرو دیدو تو ایک لمحہ دیر کرنا ان کے نزدیک جہنم کی دھکتی آگ میں گرنے سے زیادہ تھا۔

**جواب صاحب احسن التفاسیر**:- خلافت کا مسئلہ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ کے حکم میں داخل سمجھنا صاحب کشف الغمہ کی غلط فہمی ہے کیونکہ اگر مشار الیہ کی سمجھ کے موافق یہ مسئلہ آیتہ کے حکم میں داخل ہوتا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اس مسئلہ کا صاف بیان کردینا فرض ہوتا۔ حالانکہ سلف میں اسکا کوئی قائل نہیں ہے۔

**عبارت اُمہات الامۃ صفحہ ۱۱۲**:- اسلام کی عمارت قریب تھی کہ لڑکھڑا کر دھڑام سے گر پڑے جگہ جگہ سے ستر کاریاں جھڑنی شروع ہو گئیں الخ

ابو بکر ہی کا کام تھا جس نے تدبیر کی اڑ واڑیں لگائیں۔

**اعتراض صاحب کشف الغمہ**:- جو اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں آہنی قلعہ کی طرح مستحکم ہو چکے۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا کہ آج ہم نے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کردیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کردی۔ اور اسلام کو تمہارے جئے پسندیدہ قائم کردیا۔ گو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ جاں گداز ایک سخت سے سخت مصیبت مسلمانوں کے لئے تھی۔ مگر اسلام کا رہے کا کچا کوٹھا نہ تھا جو اس واقعہ سے گر پڑتا۔ اس بات کی طرف پہلے ہی سے خدا نے اشارہ کر دیا تھا۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ حضرت محمد صرف رسول ہیں پھر اگر وہ مرگئے یا مارے گئے تو کیا تم ایڑیوں کے بل اُلٹے پھر جاؤگے اور جو ایڑیوں کے بل اُلٹا پھر جائیگا تو خدا کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے گا۔ اور خدا شکر کرنے والوں کو جلد نیک بدلہ دیگا۔ اور پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی جو خطبہ پڑھ کر لوگوں کو ڈھارس دلائی تھی تو آپ کے نزدیک اڑ واڑیں لگائیں تھیں۔

آپ ابھی تک اسلام کو سلطنت و شوکت سمجھے ہوئے ہیں جب ہی اپنے اشعار میں ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

مسلمانوں اگر تم میں ہے کچھ فکر رسا باقی ؛ تو بولو اٹھو کہ ہے اسلام کے مٹنے میں کیا باقی

لیکن صحیح یوں ہے ؎

نذیر احمد اگر دل میں ہے کچھ خوف خدا باقی ؛ تو بولو اٹھو کہ ہے ایمان کے جانے میں کیا باقی

**جواب صاحب احسن التفاسیر**:- فوائد بغوی ابن عساکر وغیرہ میں حضرت عائشہ رضہ کی صحیح سند سے ایک روایت ہے جس میں وہ فرماتی ہیں۔ کہ میرے باپ کی خلافت میں جو مصیبتیں پیش آئیں اگر وہ مصیبتیں پہاڑوں پر گزرتیں تو پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہل جاتے۔ اسی طرح معتبر سند سے بیہقی اور ابن عساکر میں ابو ہریرہ سے روایتہ ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اگر حضرت ابو بکر صدیق رضہ خلیفہ نہ ہوتے تو زمین پر اللہ کی عبادت کرنے والے بہت کم رہ جاتے جس کا مطلب یہ ہے کہ مانعین زکوٰۃ اور مسیلمہ کذاب کے ساتھیوں سے لڑکر ان لوگوں کو اگر حضرت ابو بکر صدیق رضہ راہ راست پر نہ لاتے تو بہت لوگ مُرتد

ہوجاتے جس سے اللہ کے عبادت کرنے والے لوگوں کی تعداد میں بہت کمی ہوجاتی اسی مطلب کو مولف اُمہات الامہ نے صفحہ ۲ ۱۱ میں لکھا ہے جسپر صاحب کشف الغمہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اسلام گارے کا کچا کوٹھا نہ تھا جو اللہ کے رُسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے واقعہ سے گر پڑتا۔ اس اعتراض کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب کشف الغمہ نے اس اعتراض کے وقت اُمہات الامہ کے صفحہ ۲ ۱۱ کی پوری عبارت کو نہیں دیکھا اور نہ حضرت عائشہ رضؓ اور حضرت ابو ہریرہ رضؓ کے اقوال متذکرہ بالا مشار الیہہ کی نظر سے نہیں گزرے کیونکہ اقوال متذکرہ بالا اور اُمہات الامہ کی ۱۱۲ کی پوری عبارت کا حاصل یہ ہے۔ کہ اللہ کے رُسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے اگرچہ اسلام میں وہ وہ زلزلے آئے جس سے مکان تو کیا پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہل جاتے مگر اللہ تعالیٰ نے اسلام کی مضبوطی کا وعدہ فرمایا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے دل میں وہ باتیں ڈالیں اور ثابت قدمی سے اُن باتوں پر عمل کرنے کی وہ توفیق عنایت فرمائی کہ جس سے اسلام کو کوئی صدمہ نہ پوہنچا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اُمہات الامہ کے صفحہ ۱۱۲ کا مضمون تو صحابہ رضی اللہ عنہما کے صحیح اقوال کے موافق ہے۔ اسپر کسی طرح کا اعتراض کرنا گویا صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے اقوال پر اعتراض کرنا ہے۔ اس واسطے عبارت مذکورہ پر اعتراض کرنے کا حوصلہ صاحب کشف الغمہ ہی کو ہوسکتا ہے۔

**عبارت اُمہات الامہ صفحہ ۲۲:**۔ تکثیر ازواج حدِ شرعی کے اندر ہو یا باہر جائز ہو یا ناجائز ہر حال میں منافی امن و عافیت ہے۔ اس سے تو ہر شخص یہی نتیجہ نکالیگا کہ تکثیر کی اجازت گو وہ مشروط اجازت ہی صرف قرآن میں لکھنے کے لئے ہے کوئی مرد اس سے بطریق جائز مستفید ہو نہیں سکتا۔ پس اسلام جو دین فطرت ہونیکی شیخی مارتا ہے الخ عیسوی دین ہوگیا جو مجموعہ محالات ہے۔ الخ

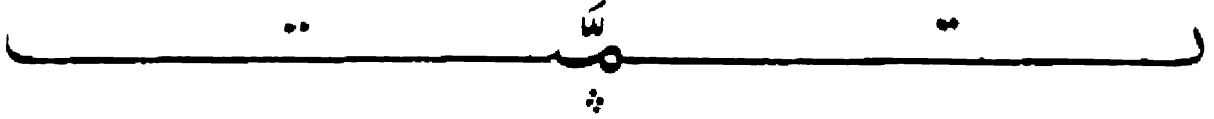
**اعتراض صاحب کشف الغمہ:**۔ تکثیر ازواج پر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضؓ و تابعین و من بعد ہم الی یومنا ہذا، جمہور اہل اسلام کا عمل ہے۔ وہ سب ناجائز فعل کے مرتکب تھے اور ہیں اور اسلام مجموعہ محالات ہے۔ اس کے احکام پر عمل ممکن نہیں صرف لکھنے کی باتیں ہیں۔ جیسا کہ عیسائی مذہب کا یہ مسئلہ ہے کہ "جو تیرے داہنے کلہ پر طمانچہ مارے تو اُس کی طرف بایاں بھی پھیر دے"۔ مگر یہ نہیں بتایا کہ محال عقلی ہے یا عادی۔ اور محال اور مشکل میں بھی کوئی فرق ہے یا نہیں۔ اور لُطف یہ ہے کہ خود ہی اس محال کو ممکن بتاتے ہیں کیا بدحواسی طاری ہے۔ اُس عیسائی کے لئے کہ جس کے جواب میں کتاب لکھنے بیٹھے ہیں جناب کا یہی قول آپ کی تمام کتاب کے رد کے لئے کافی ہے۔ کیونکہ اسکا اعتراض تو تکثیر ازدواج رُسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر تھا۔ اس کو آپ نے بھی مان لیا دونوں کا ایک مطلب۔

**جواب صاحب احسن التفاسیر:**۔ یہاں بھی مولف کشف الغمہ نے اُمہات الامہ کی اگلی پچھلی عبارت کو نہیں دیکھا مولف اُمہات الامہ نے صفحہ ۲۲ میں شکل یہ ہے کہ تکثیر ازدواج حدِ شرعی کے اندر ہو یا باہر" سے یکر "لیکن تکثیر ازدواج کا حکم تو وہی عیسائیوں کی سی بات ہوئی" تک کی عبارت مخالف اسلام لوگوں کی طرف سے ایک اعتراض کی صورت میں لکھکر

پھر آگے لکھا ہو ظاہر میں تو یہ اعتراض بڑا قوی معلوم ہوتا ہو۔لیکن تکثیر شرعی کا ناممکن التعمیل ہونا تسلیم نہیں"
اس کے بعد صفحہ ۲۲ و ۲۳ میں اس اعتراض کے جواب کو صراحت سے بیان کیا ہو مولف کشف الغمہ نے اعتراض کی عبارت
کو مولف اُمہات الامہ کی مسلمہ ایک بات خیال کرکے اعتراض کیا ہو۔حاصل کلام یہ ہو کہ مولف اُمہات الامہ نے اعتراض
کی جن باتوں کو صاف لفظوں میں یوں لکھا تھا کہ یہ باتیں ہم کو تسلیم نہیں زبردستی اُن باتوں کو مسلمہ ٹہرا کر
اعتراض کرنا یہ مولف کشف الغمہ کی غلط فہمی ہے مولف مذکور کے مزاج میں کچھ بھی اگر انصاف ہے تو مشارالیہ
کو اپنا یہ اعتراض واپس لینا چاہیئے۔
عبارت اُمہات الامہ صفحہ ۱۶:۔حق تو یہ ہو کہ عملاً اسلامی فیصلہ سے کوئی فریق بھی دل سے راضی نہیں نہ عورتیں
نہ مرد۔فیصلہ قرآن کی دو آیتیں ہیں جو ترجمہ کرکے لکھی جاتی ہیں۔
اعتراض صاحب کشف الغمہ:۔کوئی سچا مسلمان مرد خواہ عورت خدا تعالیٰ کے فیصلہ سے ناراض نہیں۔اور
کیونکر ناراض ہوسکتے ہیں قرآن مجید میں خدا تعالیٰ نے فرمادیا ہو۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ
بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا اسے نبی ہمیں آپکے رب کی یعنی اپنی قسم ہے۔یہ لوگ جب تک
آپ کے فیصلہ سے راضی نہ ہوجائینگے اور دلوں میں ناراضی نہ پاویں اُس وقت تک مومن نہ ہونگے مقتضاے
ایمان یہی ٹھہرا کہ خدا و رسول کے فیصلے سے راضی رہیں پھر کوئی مسلمان ناراض رہ سکتا ہو؟ مگر جناب والا کی
غرض تو قرآن مجید کے فیصلہ پر اعتراض کرنا ہو کہ ایسا نکما فیصلہ ہے کہ جس سے فریقین میں سے کوئی بھی خوش نہیں
جناب والا کی کتاب کیا ہو مجذوب کی بڑ ہے روایات میں اسقدر تعارض ہو کہ ٹھکانہ نہیں کبھی ایک بات کو
ثابت کرتے ہیں تو آگے چلکر اُس کی نفی کردیتے ہیں اور کبھی نفی کرتے ہیں تو پھر خود ہی اثبات کرتے ہیں کسی کی
کبھی بیحد مدح ہے تو پھر اُسی صفحہ میں قدح بھی ہے اور خدا و رسول۔اور قرآن اور اہل بیت اور صحابہ اور
بزرگان دین کی جناب میں تو وہ گستاخیاں، پھکڑ بازیاں کی ہیں کہ الٰہی توبہ۔
ہم نے چند عبارتیں نقل کرکے مسلمانوں کو متنبہ کیا ہے آگے کوئی مانے یا نہ مانے۔
اگر ڈپٹی صاحب کتاب کو تلف کرکے ایک توبہ نامہ شائع کردیں تو اُن کے لئے دین میں بھی بھلا اور دنیا میں بھی
بہت ہی بہتر ہو ورنہ وہ جانیں اور اُن کا کام۔ وَالسَّلَامُ عَلَىٰ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَىٰ
جواب صاحب احسن التفاسیر:۔اُمہات الامہ کی عبارت یہ ہو "حق تو یہ ہو کہ عملاً اسلامی فیصلہ سے کوئی فریق بھی دل سے راضی نہیں
نہ عورتیں نہ مرد۔اس عبارت پر صاحب کشف الغمہ نے جو اعتراض کیا ہو اُس سے معلوم ہوتا ہو کہ مولف کشف الغمہ نے اُمہات الامہ
کی اگلی پچھلی عبارت کو یہاں بھی نہیں دیکھا۔اسلیئے فیصلہ اسلامی کے معنی ایمان۔اسلام۔نماز۔روزہ۔حج۔زکوٰۃ۔وغیرہ تمام
فیصلہ جات اسلامی سمجھ لئے ہیں حالانکہ اُمہات الامہ میں روایتیں نقل کرکے سمجھا دیا ہو کہ فیصلہ اسلامی کا لفظ کثرت ازدواج کا فیصلہ
عام نہیں ہو اور پھر عورتوں مردوں کی طرف سے اس فیصلہ کے موافق عمل کرنے میں جو کوتاہی تھی اُسکو صفحہ ۷ میں اس طرح
جتلادیا عورتیں چاہتی ہیں کہ مرد تکثیر سے مطلقاً مستفید نہ ہوں۔مرد تکثیر نامحدود کے دعویدار ہیں جس شخص کو اس بات کا تجربہ ہو

وہ بھی کہیگا کہ کہیں ایک عورت شایدایسی ہوگی جو سوکن کے آنے پر ناراض نہ ہوتی ہو اور اکثر مرد ایسے ہیں کہ کثرتِ ازدواج کی صورت میں ایک بی بی کے ہو رہتے ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ صاحب کشف الغمہ کے مزاج میں اگر کچھ بھی انصاف ہے تو مشارالیہ کو اپنا یہ اعتراض واپس لینا چاہیئے۔

اُمہات الامۃ مجذوب کی بڑ ہے یا ہفوات ہے پڑھنے والا خود اس کا فیصلہ کرے گا۔ ایسے عام اعتراضات سے جنکی بنیاد علیٰ جُرُفٍ ہارٍ ہے ہم بحث نہیں کرنا چاہتے ہم کو معارضہ اور محاکمہ کی ضرورت نہیں، ہماری غرض صرف غلط فہمیوں کو رفع کرنا اور جہاں ضرورت ہو اصلاح کرنا ہے۔



# شمس العلماء مولانا حافظ نذیر احمد صاحب مرحوم کی دیگر تصانیف

**مرآۃ العروس:-** یہ کتاب کافی طور پر مشہور ہے۔ شاید ہی کوئی ایسا با مذاق شخص ہو جس کی نظر سے نہ گزری ہو۔ جب مولانا ممدوح نے اسے تصنیف کیا تو گورنمنٹ نے ایک ہزار روپیہ بطور انعام مرحمت کیا۔ پبلک میں اس قدر مقبول ہوئی کہ اب تک اس کے بیسیوں ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور مانگ بدستور باقی ہے۔ اس کتاب کی زبان ایسی بامحاورہ اور صاف و سلیس ہے کہ اس کے مطالعہ سے صدہا آدمی ادیب انشا پرداز بن گئے۔ اس کتاب میں ایک سگھڑ اور ایک پھوہڑ عورت کا کیرکٹر دکھایا گیا ہے اور واقعات لکھ کر بتایا گیا ہے کہ ایک پھوہڑ عورت کس طرح اپنے خاندان اپنے کنبے اور اپنے اثاث البیت کی تباہی و بربادی کا باعث ہوتی ہے اور ایک سگھڑ عورت کی بدولت ایک مصیبت زدہ کنبہ کس طرح خوش حال بن جاتا ہے۔ افلاس کس طرح تموّل سے بدلتا ہے اور ادنیٰ درجہ کا گھرانہ کیونکر اعلیٰ طبقہ میں شمار ہونے لگتا ہے۔ کتاب ایسے موثر اور دلکش انداز میں لکھی گئی ہے کہ پڑھنے والے پر بے حد اثر ہوتا ہے اور طبیعت خود بخود نیکی اور سلیقہ کی طرف مائل ہوتی ہے۔ اخلاقی تعلیم کے ساتھ خانہ داری کی تعلیم کا بھی انتظام کیا گیا ہے اور سچ یہ ہے کہ اس کتاب کو پڑھ کر لڑکیاں ہر طرح آئندہ زندگی کی مشکلات پر غالب آنے کے قابل ہو جاتی ہیں۔ پہلے عورتوں کے لکھنے پڑھنے کی ضرورت و فوائد الفاظ میں ثابت کی گئی ہے پھر قصے کا آغاز ہے۔ مثلاً اکبری کی بدمزاجی اور اس کا سسرال سے روٹھ کر چلا آنا۔ اکبری کی شرارتیں، پھوہڑپن، حماقت، بدمزاجیاں، عین عید کے دن بے لطفی پیدا کرنا، الگ گھر کرنے پر ساس و اماں کا مباحثہ، اکبری کا الگ گھر اور اس کی بدانتظامی، اصغری کا بیاہ اور اس کا مختصر حال، اصغری کا برتاؤ اور خانہ داری، اصغری میاں کی اصلاح کرتی ہے، گھر کے خرچ کا تعین، اصغری اپنے میاں کو تعلیم کی طرف متوجہ کرتی ہے وغیرہ۔ اس کتاب کی طباعت میں خاص انتظام کیا گیا ہے تاکہ جس پایہ کی کتاب ہے اسی کے مطابق اس کی ظاہری صورت بھی ہو۔ صفحات ۳۰۰۔ قیمت صرف ایک روپیہ علاوہ محصول ڈاک۔

**بنات النعش:-** یہ ایک لحاظ سے گویا مرآۃ العروس کا دوسرا حصہ ہے اور ایک لحاظ سے اپنی جگہ مستقل کتاب ہے۔ اس کتاب پر بھی گورنمنٹ سے پانچ سو روپیہ بطور انعام ملا ہے۔ اس میں بھی عورتوں کو تہذیب و شائستگی، سلیقہ مندی اور خانہ داری کی تعلیم دی گئی ہے۔ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد ایک کمسن لڑکی میں اتنی سمجھ آ سکتی ہے کہ وہ ایک بڑے گھر کا انتظام سنبھال لے۔ بزرگوں کے ساتھ اطاعت و ادب کا برتاؤ، چھوٹوں کے ساتھ شفقت و محبت، نوکروں اور ماماؤں کی غور و پرداخت، شادی بیاہ کے انتظامات اور ضروریات روزمرہ کے متعلق نہایت دلچسپ اور مفید مضامین اس کتاب میں موجود ہیں، اور یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ کے بغیر کوئی بیوی زنانہ ذمہ داریوں اور خانگی مشکلات میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔

مختصر فہرست مضامین حسب ذیل ہے

حسن آرا کی بدمزاجی اور شرارت، حسن آرا کو مکتب میں بٹھانے کی صلاح، استانی اصغری خانم کا حال، لونڈیوں کی بیجا خوشامد

حسن آرا کی عادات، مکتب کی لڑکیوں کا حال، حسن آرا کا مکتب کی لڑکیوں کو حقارت سے دیکھنا۔ محمودہ کی گڑیوں کا گھر، محمودہ نے حسن آرا کو سینا سکھایا۔ تکلفات زندگی کی بُرائی۔ آرام طلبی کی برائی۔ صبح خیزی، پڑھنے کے فائدے سُن کر حسن آرا کو پڑھنے کا شوق پیدا ہونا، بادشاہ و رعایا، حسن آرا پڑھنا شروع کرتی ہے، حسن آرا سویرے اُٹھنے لگی حسن آرا کام کاج میں شریک ہونے لگی۔ علم جرثقیل کا تذکرہ، خیرات دے کر احسان جتانا، نیکی اور سچی خیرات، حساب کی دلچسپ باتیں، قسم کھانے کی بُرائی، ہمجولیوں میں پاس ادب، زمین کی کشش وغیرہ۔ قیمت بارہ آنہ۔ قسم اعلیٰ ایک روپیہ محصول ڈاک ۵؍

**توبۃ النصوح**:۔ یہ کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے آج کل دُنیاداروں کی جو حالت ہے اور وہ دنیوی مصروفیتوں میں رات دن غرق رہ کر خدا اور رسول اور اُن کے احکام کو جس طرح بھول گئے ہیں اُس کا صحیح نقشہ ان اوراق کو پڑھ کر سامنے آجاتا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے دل کو جو عبرت ہوتی ہے وہ بڑے سے بڑے وعظ سے بھی ناممکن ہے۔ دنیادار طبقہ کی اصلاح کے لئے اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ عورتوں میں مذہبی روح اور احکام مذہبی کی پابندی پیدا کرنے کے لئے یہ کتاب بے مثل ہے۔ اس کے مضامین کا خلاصہ حسب ذیل ہے:۔

دہلی میں ہیضہ کی سخت وبا پھیلی، نصوح نے ہیضہ کیا اور سمجھا کہ مرا جاتا ہے۔ یاس کے عالم میں مواخذہ آخرت کا تصور بندھا، ڈاکٹر نے اُسے خواب آور دوا دی، سو گیا تو وہی تصور اُسے خواب بن کر نظر آیا، خواب سے بیدار ہو کر نصوح کا اپنی اور اپنے خاندان کی لایعنی زندگی پر تاسف، بیوی کو اصلاح خاندان کے لئے اپنا مددگار بنانا، فہمیدہ اور منجھلی بیٹی حمیدہ کی گفتگو، نصوح اور چھوٹے بیٹے سلیم کی گفتگو، فہمیدہ اور بڑی بیٹی کی لڑائی، نصوح اور منجھلے بیٹے کی گفتگو، بڑے بیٹے کی سرکشی، اور باپ سے ناخوش ہو کر گھر سے نکل جانا، کلیم کا دوستوں کے ہاں رہنا، مصیبتیں اُٹھانا، قید ہونا اور پھر باپ کی سفارش سے رہائی پانا۔ اسی طرح کے صدہا موثر دلچسپ اور عبرت ناک مضامین۔ اس کتاب کا نیا ایڈیشن بہترین کاغذ پر چھاپا گیا ہے اور چھپائی تصحیح وغیرہ کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا ہے صفحات ۲۵۰ قیمت صرف ایک روپیہ، علاوہ محصول ڈاک۔

**محصنات**:۔ اس کتاب کا دوسرا نام فسانۂ مبتلا ہے۔ حضرت ڈپٹی صاحب کے غیر فانی لٹریچر کی یہ چوتھی کتاب ہے۔ وہی سلیس دلکش زبان اور وہی موثر انداز بیان، تمدن، معاشرت، خانہ داری، اخلاق اور مذہب کے متعلق ہر صفحہ میں مفید معلومات۔ اس کتاب میں دکھایا گیا ہے کہ جو لوگ سوچے سمجھے بغیر دو شادیاں کرتے ہیں اُنکو کیسی مشکلات پیش آتی ہیں اور اُن کی زندگی کیسی تلخ ہو جاتی ہے۔

### فہرست مضامین حسب ذیل ہے

مُبتلا کی ولادت جس کے ضمن میں وہ تمام رسوم بھی آگئی ہیں جو ولادت کے موقع پر رواج پذیر ہیں۔ مُبتلا کا مکتب میں جانا جس کے ساتھ مکتبوں کی اندرونی اصلاح کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ مُبتلا کا مکتب میں تعلیم پانا اور بُرے لڑکوں کی صحبت میں آوارہ ہونا، مُبتلا کا بیاہ اور بیوی کے ساتھ اُس کا برتاؤ، مُبتلا کی مصیبتوں کا آغاز اور اس کی بدکرداریاں

مُبتلا کے بچیا کا حج سے واپس آنا، ایک عبرت انگیز موثر وعظ، امورِ خانہ داری کی اصلاح، حسن صورت پر دلچسپ بحث،
مُبتلا کا ایک عورت کے دامِ محبت میں مبتلا ہونا، متعدد نکاحوں پر مباحثہ، مُبتلا کی دوسری بیوی کا ماما بن کر گھر میں داخل
ہونا اور نکالا جانا اور پھر داخل ہونا، چند روز میں راز کا فاش ہونا، دونوں سوکنوں میں لڑائی، دوسری بیوی کا اُمید
سے ہونا، پہلی بیوی نے یہ خبر سُنی تو اسے زہر دلوایا، مقدمہ قائم ہوا، تمام جائداد صرف میں آکر معاملہ دبا وغیرہ کتاب
کے آخر میں ایک علی درجہ کا مسدس بھی درج کیا گیا ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ چوتھا ایڈیشن تقطیع ۲۰×۲۶
صفحات ۲۱۲ قیمت ایک روپیہ چار آنے۔ محصول ڈاک ۶/

**ایامیٰ:-** نہایت دردناک اور موثر اندازِ بیان کے ساتھ یہ کتاب تصنیف کی گئی ہے۔ اس میں مذہب و عقل دونوں کی بنا پر نکاح بیوگان کی ضرورت ثابت کی گئی ہے اور اُن نقصانات و مشکلات کو دکھایا گیا ہے جو نکاح نہ کرنے کی صورت میں پیدا ہوتی ہیں۔ لایعنی رسوم اور مضرت رساں طرزِ معاشرت پر دلچسپ طریقہ سے بحث کی گئی ہے، جابجا اخلاقی اور مذہبی معلومات ضمنی طور پر آگئی ہے۔

## فہرست مضامین حسب ذیل ہے

آزادی بیگم کے ابتدائی حالات اور اُس کی تعلیم و تربیت، آزادی انگریزی سوسائٹی کے طور طریقہ سے واقف ہوتی ہے، آزادی کے بیاہ کی چھیڑ چھاڑ اور اپنے بیاہ کے متعلق اُس کے خیالات، آزادی کو مولویوں میں بیاہنے کی تجویز، مولویوں کے حالات، مولویوں اور مذہب کے بارے میں آزادی کی رائے، آزادی ایک مولوی سے بیاہی گئی اور اُن سے مونوبیت چھڑا کر رہی۔ آزادی کی بیوگی، تلقین صبر کے لئے ایک موثر وعظ، آزادی کا سوگ، ایک شخص آزادی کے پیچھے پڑتا ہے اور کٹنی کو بیچ میں ڈالتا ہے، کٹنی آزادی کے مزاج میں دخل پیدا کرتی ہے اور آزادی کی رائے بدلتی ہے، کٹنی آزادی کو شہ دیتی ہے وغیرہ۔ چوتھا ایڈیشن۔ تقطیع ۲۰×۲۶ صفحات ۲۱۲ قیمت عہ محصولڈاک ۶/

**موعظۂ حسنہ:-** اس کتاب میں وہ تمام نصیحت آمیز (۱۰۶) اصلی خطوط ہیں جو مولانا نے اپنے اکلوتے بیٹے کو تعلیم کے زمانے میں وقتاً فوقتاً لکھے تھے اور کچھ چیدہ مضامین اُن خطوط کے علاوہ بھی ہیں نوعمر طلبا کے لئے از بس سبق آموز اور مفید ہیں۔ چھٹا ایڈیشن قیمت ایک روپیہ چار آنہ۔ محصول ۸/

**منتخب الحکایات:-** بچوں کو عموماً کہانیاں سُننے کا بہت شوق ہوتا ہے لیکن مائیں اُن کو بے نتیجہ چڑے چڑیا کی سی کہانیاں سُناتی ہیں جس سے رتی برابر فائدہ نہیں۔ اس کتاب میں (۷۷) نتیجہ خیز دلچسپ کہانیاں چھانٹ چھانٹ کر لکھی گئی ہیں، اور ہر کہانی کے آخر میں مفید نتیجہ بھی بہ طور حاصل مطلب نکالا گیا ہے، غرض یہ کتاب کم عمر بچوں کے پڑھانے کے قابل ہے اور حکایاتِ لقمان کے ہم پلہ ہے۔ پانچواں ایڈیشن قیمت ۸/

ملنے کا پتہ

# ساقی بک ڈپو۔ کھاری باؤلی۔ دہلی